سپاس بیقیاس یزدانی کہ ایں کلام لاثانی

الموسوم بہ

کلیات اکبر

از تصنیفات

عالیجناب خان بہادر سید اکبر حسین صاحب اکبر الہ آبادی

حصہ اوّل

ایڈیشن پنجم

جنوری ۱۹۱۸ع

ان من الشعر لحکمة وان من البیان لسحرا

کلیات اکبر

یعنی

کلام بلاغت نظام عالیجناب خان بہادر سید اکبر حسین صاحب

المعروف بہ لسان العصر

پنشنر جج، آنریری فیلو الہ آباد یونیورسٹی

حصہ اول

باہتمام بابو بشمبھر ناتھ صاحب بھارگو

اسٹینڈرڈ پریس الہ آباد میں چھپا

طبع پنجم (۵۰۰ جلد)

سنہ ۱۹۱۸ء

قیمت عہ (مع محصول)

اعلان

اس پانچویں ایڈیشن کی جلدیں بھی جو بالکل مطابق چوتھے ایڈیشن کے ہیں بہت کم طبع ہوئی ہیں، شائقین جلد درخواست کریں ورنہ مایوسی ہوگی۔ درخواست خریداری خود حضرت مصنف یا منیجر کلیات اکبر کے نام عشرت منزل الہ آباد کے پتے پر بنام سید عشرت حسین صاحب مالک کاپی رائٹ ڈپٹی کلکٹر پرتاپگڈھ بھیجی جاوے۔ قیمت عا مع محصول۔ اگر کوئی امر قابل استفسار ہو تو جوابی کارڈ آنا چاہیئے۔

کلام اکبر کا دوسرا حصہ بھی تیار ہے۔ اسکی قیمت عہ مع محصول و خرچہ روانگی ہوگی تیسرا حصہ زیر ترتیب ہے۔

یکم جنوری ۱۹۱۸ء

فہرست مضامین

نوٹ ۔ کلیاتِ اکبر کے اکثر ذی علم و باخبر ناظرین نے یہ رائے ظاہر فرمائی ہے کہ اس کلیات سے وہ شخص جس نے صرف چند مشہور مضامین کو پڑھ لیا یا کسی خاص نظم کو دیکھ لیا، باخبر نہیں ہو سکتا بجز اسکے کہ وہ کل اشعار بالخصوص صفحہ ۱۵۷-۱۹۶ اور صفحہ ۱۴۱-۱۵۶ کو نہ ملاحظہ کرے کیونکہ اکثر اشعار معنی خیز جابجا متفرق طور پر مندرج ہیں۔

غلط نامہ

صفحہ	سطر	صحیح	غلط	صفحہ	سطر	صحیح	غلط
۱	۲	ذرّۂ ذرّۂ	ذرّہ ذرّہ	۵۸	۳	بتخانے سے	بتخانے میں
۲۶	۲	تلاش	ملاش	۵۹	۴	نہیں عطا	عطا نہیں
۲۸	۱۶	پھر بھی سالانہ	پھر سالانہ	؍؍	۱۳	جو خدا	خو خدا
۳۴	۱۳	آئینے	ئینے	۶۰	۱۲	منکشف	منکسف
۳۷	۱۳	ہیں گہر	ہے گہر	۶۰	۱۷	طالب	طائب
۴۱	۴	ضرورت	ورت	۶۱	۸	طاقت	طالب
؍؍	۱۹	مٹئے	مٹے	۶۳	۸	دربار	دریار
۴۲	۱۲	جنون انگیز	جنون انگریز	؍؍	۱۴	ہیں خود	ہیں خود
۴۳	۴	لغزش	تغزش	؍؍	؍؍	مے پیئے	مے پیے
؍؍	۹	ہراک	ہرایک	؍؍	۱۶	اظہار	اطہار
۴۵	۵	شکر ہے	شکر سے	؍؍	؍؍	حد میں شوق	حد شوق
۴۶	۷	مسلمان	سلما	؍؍	۱۷	ہے اے کلیم	اہے اے کلیم
۴۷	۷	نکہت	نگہت	۶۴	۹	جنوں خیز نگاہیں	جنوں خیز نگاہیں
۴۸	۸	ڈاڑھی	داڑھی	؍؍	۱۶	جان پہ میری	جان پہ میرے
۵۲	۱۰	ملّت	ملّب	؍؍	۱۸	ہیں ہوں	ہیں موں
۵۳	۴	آنکی	آنلی	۶۸	۷	ہو وے	ہوئے
۵۴	۳	نصیحت	نصیحب	۷۰	۷	مقسوم ہی	مقسوم ہے
۵۵	۱۳	پہ	پر	۷۱	۹	خنجر	خجر

صفحہ	سطر	صحیح	غلط
۷۲	۳	ترے پاس	تری پاس
؍؍	۱۳	عزیزو نمیں	غزو نمیں
؍؍	۲۰	روے زمیں	روے زہیں
۷۳	۳	نان جویں بہتر ہے	نان جویں بہیتر ہے
؍؍	۱۴	آیندہ ہے امید	آمیدہ ہے اسید
؍؍	۱۷	تیری محبت	تیرے محبت
۷۴	۷	خوبیِ مذہب	خوبیے مذہب
؍؍	۱۴	جینے ہی پہ	جینی ہی پہ
۷۶	۳	ہر بات پر	ہر بات سے
؍؍	۴	واللہ سے	اللہ سے
؍؍	۲۱	مرا پتا نہ چلے	مرا پتہ نہ چلے
۷۷	۷	اکبر سا ضابط	اکبر سا ضابطہ
؍؍	۱۶	کسی بدخواہ	لسی بدخواہ
؍؍	؍؍	توکلت	توکلت
؍؍	۲۱	لب پہ ترے	لب پہ تری
۷۸	۶	استادِ معانی	استاد معانی
؍؍	۱۶	دل لگی کیا ہے	دل لگی کیلیے
؍؍	۲۱	قرب عارض میں	قرب عارض ہیں
۸۰	۱۳	یہ تڑپانے سے	نہ تڑپانے سے
۸۲	۱۵	تلووں سے	تلوؤں سے
۸۲	۱۸	پروانوں نے	پروانے کے
۸۳	۱۰	اتنا گھٹایا	انتا گھٹایا
؍؍	۱۲	افشا ہو رہا ہے	افسا ہو رہا ہے
۸۴	۱	نزع مجھ سے رفیق	نزع سے رفیق
؍؍	۲۱	شوخ	سوخ
۸۵	۱۶	کھل گیا	گھل گیا
۸۶	۳	دار قاتل کے	دار قاتل کے
؍؍	۵	ناصح	ناسح
؍؍	۸	آرزو	آررو
؍؍	۲۰	کوچے میں	گوچے میں
۸۷	۹	یاں مثل شجر	یہاں مثل شجر
؍؍	؍؍	صرصر	صرصدر
۸۸	۸	روح اپنی	روح اپنا
۹۰	۱۷	دامن چھڑا کر	دامن چھرا کر
۹۱	۱۶	تیر نظر	تسر نظر
۹۲	۸	فرش و قبا	فرش قبا
؍؍	۱۸	عاشق رنجور	عشاشق رنجور
۹۵	۱۷	جاناں	جانا
۹۷	۶	ناامیدی سی ہوئی	ناامیدی سے ہوئی
؍؍	۱۴	گزر یہ ہو گیا	گزرہ ہو گیا

صفحہ	سطر	صحیح	غلط	صفحہ	سطر	صحیح	غلط
۹۷	۱۵	سنگدل	سنگ	۱۲۳	۱۱	تیرے قد	نترے قد
۹۸	۱۷	خوان الوان	خون الوان	۱۲۴	۱۷	ملانے کو	ملانے کے
״	۱۸	بیئے علاج	بے علاج	۱۲۶	۱۰	مقطّرا ہوں ہنر سے	معتّرا ہو ہنر سے
۹۹	۱۶	پھول چنتے تھے	پھول چلتے تھے	۱۲۷	۴	چھپے ہیں خار	چھپے ہوں خار
۱۰۰	۱۹	نکلتی ہے نئی	نکلتی نئی نئی	״	۱۲	کریں تمکو پیار	کریں پیار تمکو
۱۰۳	۱۷	بت ہوش ربا	بت ہوش ربا	۱۳۰	۲	داغ عشق	داع عشق
۱۰۴	۱۰	تو غضب	تو غضب	۱۴۰	۵	جانتے ہیں	جانتے ہد
״	۱۵	کسیکی قسمت میں	کسکی قسمت میں	۱۴۱	۱۳	ذلّت سے ہو	ذلّت ہے ہو
۱۰۶	۱۱	اُلجھی	اُلجھا	۱۴۳	۵	کم ہیں ملینگے	کم میں ملینگے
۱۰۸	۱۰	پان لیجئے	مان لیجئے	۱۴۴	۱۸	گر آپکو خوش	اگر آپکو خوش
۱۱۰	۱۵	کیوں نہ رحم نہی ہے	کیوں زحم نہی ہے	۱۴۷	۵	امراء القیس	امرا القیس
״	۱۹	ٹال دیتے ہیں	ٹال دینے میں	״	۱۳	زرا کوئی	زرا کوئی
״	۲۰	آغوش میں میرے	آغوش میں مرے	۱۶۶	۶	قافلے میں	قاطے میں
۱۱۲	۳	کوہ طور پہ	کوہ طور پہ	۱۶۸	۱۴	بال پرواز	بال و پرواز
۱۱۳	۹	فاتحہ پڑھتے	فاتحہ پڑھنے	״	۲۱	دوش نسیم	ددش نسیم
۱۱۶	۲۱	سمجھے وہی اسکو	سمجھے وہی اسکو	۱۷۴	۹	بیگانہ دشتی	بیگانہ وستی
۱۱۸	۱۴	جادو	حادو	۱۷۷	۱	یاں ہیں	ہاں میں
۱۲۰	۱	سوئے دوست	ردے دوست	۱۷۹	۶	یہ جھاگ	یہ جھاک
۱۲۱	۲	باش	پاش	۱۸۶	۶	حرزجان	حرز جان
۱۲۳	۲	نہ آئینہ	وہ آئینہ	۲۲۳	۲۱	تسبیح	تصبیح

صفحہ	سطر	صحیح	غلط	صفحہ	سطر	صحیح	غلط
۲۲۵	۱۹	شور غل	شورو غل	۲۴۸	۱۶	آگے بڑھا کر	آکے بڑھا کر
۲۳۲	۳	غزالی دردمی	غزالی اوررومی	۲۴۹	۳	حضرت من	حصرت من
۲۳۴	۲	ہے نئی روشنی	نئی روشنی	۲۵۲	۲۰	انجمن میں	انجن میں
۲۳۶	۲	رنجیر کے آگے	زنجیرے آگے	۲۵۴	۱۲	نٹ کی جیسے	نٹ کی جے
۲۳۷	۱۸	لگاوکی پروا	لگاوکی روا	۲۵۵	۲۱	بیگانگی	بیگا نگت
۲۳۸	۱۹	جو وہ	جو وہ	۲۵۷	۴	تحریک	تحریر
۲۴۵	۱	ہوتے ہوئے	ہوتے ہوتے	۲۵۸	۱۴	اڑنے لگے	اڑنے لکے
۲۴۸	۱۵	تھینک یو	تھینگ یو	۲۵۹	۱۳	آہ چھپتی ہے	آہ چھپتی ہے

نوٹ۔ زرا کو کاتب نے ذرا لکھا ہے۔



اڈیشن پنجم

یہ پانچواں اڈیشن چوتھے اڈیشن کے مطابق ہے تیسرا حصہ کلیات کا زیر ترتیب ہے۔

دیباچہ طبع ثالث ذیل میں نقل کردیا گیا ہے۔

اڈیشن اول سنہ ۱۹۰۹ء

اڈیشن دوم سنہ ۱۹۱۰ء یا سنہ ۱۹۱۱ء

اڈیشن سوم اگست سنہ ۱۹۱۳ء

اڈیشن چہارم ستمبر سنہ ۱۹۱۴ء

اڈیشن پنجم شروع سنہ ۱۹۱۶ء

دیباچہ طبع ثالث

مصنف مسلسل نادرستی طبیعت کے سبب سے بہت کم کام کرسکتا ہے سنہ ۱۹۱۰ء تک شکایت چشم کی وجہ سے بالکل معذور رہی تھی۔ پہلا اڈیشن سید عشرت حسین صاحب[1] نے سنہ ۱۹۰۹ء میں مرتب کرکے چھپوایا۔ وہ ختم ہوگیا۔ پبلک کی قدر شناسی سے دوسرا اڈیشن سنہ ۱۹۱۱ء میں شایع ہوا۔ اسکی طبع اور کاپیوں کی تصحیح میں جناب مولوی محمد فاخر صاحب عرف مولوی راشد صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ الہ آبادی نے جو خود ایک عمدہ ذیعلم شاعر ہیں بہت محنت و توجہ کی انکی شکرگذاری کیجاتی ہے۔ دوسرا اڈیشن بھی ختم ہوگیا اور اکثر فرمایشیں بلاتعمیل رہگئیں۔ لہذا یہ تیسرا اڈیشن پبلک میں پیش کیا جاتا ہے۔ حضرت شاکر میرٹھی

[1] بی۔ اے۔ کیمبرج یونیورسٹی ڈپٹی کلکٹر جونپور ممالک متحدہ۔ خلف الرشید حضرت مصنف (فی الحال ڈپٹی کلکٹر پرتاپگڈھ)

اڈیٹر ادیب نے مہربانی سے خود اسکا انتظام طبع انڈین پریس الہ آباد میں کیا اور صحت و صفائی طبع میں بہت کوشش فرمائی۔ اکثر بزرگوں نے وقتاً فوقتاً یہ خیالات ظاہر فرمائے (۱) ترتیب اچھی نہیں (۲) بعض اشعار کی تشریح ہونی چاہیئے (۳) انڈکس ہونا چاہیئے (۴) مصنّف کی سوانح عمری ہونی چاہیئے (۵) مصنّف کی تصویر ہونی چاہیئے (۶) ایک مطول تمہید خود مصنّف کی طرف سے ہونی چاہیئے۔

امر اول - یہ اعتراض بجا ہے لیکن بلحاظ حالات موجودہ مصنّف اسی ترتیب کو مناسب سمجھا صد تنگ جائیکہ او باشد بہ ہر سو میکنم + تا بہ تقریب نگاہے جانب او میکنم۔

امر دوم - الکنایۃ ابلغ من التصریح۔ علاوہ بریں اس کام میں طوالت زیادہ تھی آیندہ کوئی سخن فہم دوست بہ شرط ضرورت شارح ہو سکتا ہے۔

امر سوم - ایک مختصر انڈکس بعض مضامیں کا شامل کیا جاتا ہے۔

امر چہارم - اسکی تحریک مدت سے بعض لائق اور معزز احباب فرما رہے ہیں لیکن مصنّف کا خیال ہے کہ اگر اسکی لائف ایسی وقیع ہو بھی تو اس کلیات کے دیباچے میں وہ نہیں لکھی جا سکتی۔

امر پنجم - مصنّف کو یہ امر بجز فیشن ایبل ہونے کے اور طور پر معنی خیز نہیں نظر آیا۔

امر ششم - مصنّف کا خیال تھا کہ تمام اشعار جو زیادہ تر ابتداً دقیانوسی اور تقلیدی طرز میں کہے گئے ہیں اور جن میں فقط قافیہ پیمائی ہے وہ خارج ہو کر صرف منتخب اشعار طبع ہوں لیکن دوستوں نے لٹریری خیال کو اخلاقی خیال پر اصرار کے ساتھ ترجیح دی۔ پس اسقدر متفرق و مختلف المعانی اشعار کو پیش نظر رکھکر کوئی تمہید لکھنا دشوار نظر آیا۔

ایک یوروپین مصنّف کہتا ہے کہ عمدہ کتاب کو تمہید کی ضرورت نہیں مصنّف اسپر یہ اضافہ کرتا ہے کہ یہ ممکن ہے کہ وہ تمہید برائے تو دو ایک جداگانہ مضمون ہو۔ مصنّف نے بعض خیالات کو جو ایک آرٹیکل چاہتے ہیں اکثر ایک یا چند اشعار میں ظاہر کر دیا ہے۔ توجہ فرما کر کل کتاب کا ملاحظہ ضرور ہے کیونکہ ایک قسم کے اشعار ایک جگہ نہیں ہیں۔ ایک لائق اور ذی علم اڈیٹر صاحب نے فرمایا ہے کہ مصنّف بہ نسبت شاعر کے زیادہ تر ایک تھنکر (سوچنے والا) یا فلاسفر ہے جس نے اپنے خیالات خوبی کے ساتھ نظم کئے ہیں، مصنّف کو خوشی ہے

کہ یہ رائے اسکی عزت افزائی کے ساتھ ہی اُسکی شاعرانہ ذمہ داری کو جسکا خود اُسکو ادّعا نہیں ہے گھٹاتی ہے
مصنّف کا ارادہ ہے کہ آیندہ اپنے ایسے خیالات کو جو لٹریچر اخلاق مذہب فلسفہ وغیرہ مختلف عنوانوں
کے ذیل میں آسکتے ہیں اپنے علم اور سمجھ کی بساط کے موافق علیحدہ مستقل تصنیف میں تحریر کرے یہ بھی ارادہ ہے کہ اس
کلیات، اور اسکے حصہ دوم کا عمدہ اور مکمل انتخاب معہ کلام جدید کے ضروری تمہید اور مفصل انڈکس
کے ساتھ ایک جلد میں جسکی قیمت زیادہ نہ ہو شائع کرے۔

۱۹۰۸ء میں یعنی اڈیشن اول کے شائع ہونے سے پہلے بعض قطعات و رباعیات اکبر کو
(جو تمام و کمال اس کلیات میں مندرج ہیں) مخزن پریس دہلی نے شائع کیا اُسمیں نامور اور ذیعلم
ایڈیٹر صاحب نے جو دیباچہ تحریر فرمایا ہے۔ اُسکے چند فقرات یہ ہیں۔

خان بہادر سید اکبر حسین صاحب اکبر کا کلام سخنوروں اور سخن فہموں میں جس عزت و وقعت سے دیکھا
جاتا ہے محتاج توصیف نہیں۔ آپ نے عمر ملازمت سرکار میں اور عہدہ ہائے جلیلیہ کی ذمہ داریوں کی مصروفیت
میں بسر کی مگر قدرت نے چونکہ انھیں شاعر بنایا تھا وہ چپکے چپکے شاعری بھی کرتے رہے۔ اُنکا کلام عام
طور پر مخزن اور بعض دیگر ادبی رسالوں میں اُسوقت سے شائع ہوا ہے جب سے اُنھوں نے پنشن لی
لیکن ان چند سالوں میں ہی انھوں نے سخن شناسوں کے دلوں کو مسخر کر لیا ہے۔ ایک دن میرے ایک
طباع دوست نے جو خود ایک نامور شاعر ہیں مجھسے پوچھا کہ تمھارے نزدیک اکبر کے کلام کی سب سے بڑی
خصوصیت کیا ہے میں نے کہا کہ میں یہ دیکھتا ہوں کہ اکبر روشن خیالی کے ساتھ مشرق کی سچی محبت کا واعظ ہے۔
اُسکے نزدیک ہر مشرقی نژاد کا فرض ہے کہ اپنے وطن سے محبت رکھے اپنے مذہب کی حفاظت کرے اپنی بزرگوں
کا ادب ملحوظ رکھے اور اپنے ہر رسم و رواج کو صرف اسلئے مذموم نہ سمجھے کہ وہ کسی مغربی رسم و رواج کے
خلاف ہے بلکہ جائز حد تک اپنی چیزوں پر نازاں ہو اپنے ماضی سے واقف ہو۔ اپنے حال کی تنقید
کر سکے اور اپنے مستقبل کی نسبت اچھی امید رکھے۔ یہ خیالات اس زور اور اس خوبی کے ساتھ معاصرین میں سے
کسی کے ہاں نہیں ملتے۔ میرے دوست نے مجھسے اتفاق رائے کیا اور یہ کہا کہ یہ تمام باتیں جو آپ نے
بیان کیں بیشک اکبر کے کلام میں پائی جاتی ہیں۔ ایسی بہت سی اور۔ جو گنی جا سکتی ہیں مگر آپ نے نہیں گنیں لیکن

ہیں ان سب کو ایک مرکب لفظ میں ادا کرتا ہوں اور کہتا ہوں کہ اکبر لسان العصر ہے۔ زمانہ موجودہ کے طبائع کے میلان کا عمل اور ردِ عمل ان سب کی تاریخ جب کوئی لکھنے بیٹھے گا تو اکبر کا کلام اسکے لئے بمنزلہ اس زمانے کے آواز کے ہوگا۔ مجھکو انکا یہ کہنا دل سے بھایا اور اسی لئے میں نے اس تمہید میں اس گفتگو کا دہرانا ضروری سمجھا۔ عبد القادر واضح ہو کہ ۱۹۰۹ء میں کلکتہ یونیورسٹی آف ایگزیمینیشن نے جو اردو کورس اعلیٰ امتحان آنرز کے لئے شائع کیا ہے اسمیں مصنف کی بہت سی رباعیاں مندرج ہیں۔ ہر شاعر کی ایک مختصر لائف مدوین نے تحریر کی ہے۔ مصنف کے حالات کی نسبت جو نوٹ انھوں نے اپنی اطلاع اور خیال کے مطابق لکھا ہے وہ بجنسہٖ ذیل میں نقل کیا جاتا ہے تاکہ یہ اعتراض کہ مصنف کا حال کچھ بھی مندرج نہیں ہے کیقدر رفع ہوجاوے مگر اسمیں شک نہیں کہ مصنف کے دلچسپ و معنی خیز حالات و خیالات کے اظہار کے لئے یہ نوٹ کافی سے نہایت کم ہے۔

انتخاب از اردو کورس کلکتہ بورڈ آف ایگزیمینیشن ۱۹۰۹ء

سید اکبر حسین نام اکبر تخلص موجودہ دور کے مشہور شاعر ہیں ۱۸۴۶ء کو مقام بارہ ضلع الہ آباد میں پیدا ہوئے جہاں انکے چچا تحصیلدار تھے جیسا کہ عموماً خاص لوگوں میں دیکھا گیا ہے بچپن ہی سے آثار فراست و فرزانگی انکے ناصیہ اقبال پر درخشندہ تھے ۱۸۶۷ء میں انھوں نے وکالت درجہ دوئم کا امتحان پاس کیا ۱۸۶۹ء میں نائب تحصیلدار مقرر ہوئے اور ایک سال کے بعد ہی ہائیکورٹ کے مثلخواں ہوئے۔ انکی ترقیخواہ طبیعت کے لئے یہ سہارا بھی کافی نہیں ہوا اور ۱۸۷۳ء میں ہائی کورٹ کی وکالت میں کامیابی حاصل کی اور چند سالوں کے بعد منصف مقرر ہوگئے۔

انگریزی انھوں نے پرائیویٹ طور پر سیکھی تھی۔ لیکن قانونی قابلیت کے ایسے گراں قدر جوہر نمایاں ہوے تھے کہ سب آرڈینیٹ ججی کے لئے انکو عمدہ طور پر پیش کیا گیا اور پانچ سال بھی نہیں گذرے تھے کہ ڈسٹرکٹ سشن ججی کے لئے ان پر نظر پڑی اور اسکی قائم مقامی انھوں نے سالہا سال کی۔ ہائی کورٹ کی ججی کے لئے بھی انکا نام لیا جاتا تھا لیکن ۱۹۰۳ء میں وہ اپنے مستقل عہدہ ججی عدالت خفیفہ الہ آباد سے ریٹائر ہوگئے اور اس لئے یہ خیال ظہور میں نہ آسکا۔

۱۸۹۴ء میں گورنمنٹ نے جوڈیشل سروس کے صلہ میں خان بہادر کا خطاب مرحمت فرمایا کہ انکا

---

[1] اس کتاب میں آتش۔ مومن۔ ذوق۔ غالب۔ انیس۔ امیر۔ داغ۔ حالی۔ اکبر کے کلام سے اقتباس کیا گیا ہے

نیک نام اور خاموش عہد ملازمت سکا واقعی مستحق تھا۔ الہ آباد یونیورسٹی کے فیلو بھی منتخب ہوئے اور عدالت خفیفہ الہ آباد کے ہال میں انکی تصویر کو عزت کے ساتھ جگہ دی گئی۔

آجکل وہ الہ آباد میں فرصت کی طرف سے مطمئن زندگی بسر کر رہے ہیں اور موجودہ عہد کے ان منتخب شعرائے اردو میں سمجھے جاتے ہیں جنھوں نے زمانے کے میلان عام اور جدید اثرات سے موثر ہو کر شاعری کے لئے نئی نئی راہیں نکالیں آنکے کلام میں سنجیدہ اور نتیجہ خیز ظرافت کی آمیزش ایک ایسا دلکش حسن ہے جو انکو اپنے تمام ہمعصروں میں نمایاں کرتا ہے۔ ان کے کلام کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ جدید خیالات کے ساتھ اردو شاعری کی قدیم خصوصیات کا بھی پورا لحاظ رکھتے ہیں۔ وہ مغربی تعلیم کے پورے حامی ہیں۔ انھوں نے اپنے لڑکے کو انگلستان میں تعلیم دلائی۔ مگر ساتھ ہی مغرب کی بادہ پرستی اور بے اعتدالانہ روش کے سخت مخالف ہیں اور قومی خصائص اور اخلاقی اوضاع کی محافظت کو ضروری سمجھتے ہیں۔ ان کی تالیفات سے مسٹر بلنٹ کی فیوچر آف اسلام کا اردو ترجمہ اور متعدد قانونی کتابیں چھپ چکی ہیں اور کلیات نظم عنقریب شائع ہونیوالا ہے۔”

پہلے اڈیشن کے شائع ہونے کے بعد اکثر ذیعلم اور سخن شناس بزرگوں نے اظہار رائے میں قلم اٹھایا۔ رسالہ مخزن و زمانہ اور پرچہ مشرق میں مبسوط تنقیدیں نظر آئیں لیکن بہ نسبت حالات مصنف کے زیادہ تر کلام مصنف پر نظر گئی۔ لہذا قطع نظر خوف طوالت کے ان مضامین کو یہاں نقل کرنا اس سبب سے بھی غیر ضروری ہے کہ مصنف کا کلام ہی پیش کیا جاتا ہے۔ بجز اسکے کہ اکثر بزرگوں نے مصنف کے کلام دیکھنے کا شوق ظاہر فرمایا اور کوئی وجہ مصنف کو اس خیال کی نہیں ہے کہ اسکے اشعار لٹریچر میں کچھ وقعت رکھتے ہیں۔

حصہ دوم بھی جو مختصر ہے اور تقریباً اشاعت کے لئے تیار ہے لائق ملاحظہ شایقیں ہے۔

الہ آباد
۱۰۔ اگست سنہ ۱۹۱۲ء

اکبر حسین

بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیم

دورِ سیوم - کلام حال

کہو کرے گا حفاظت مری خدا میرا
رہوں جو حق پہ - مخالف کریں گے کیا میرا

خدا کے در سے اگر میں نہیں ہوں بیگانہ
تو ذرّہ ذرّۂ عالم ہے آشنا میرا

مری حقیقتِ ہستی یہ مشت خاک نہیں
بجا ہے مجھ سے جو پوچھے کوئی پتا میرا

اُنھیں سے عقل جو محتاجِ غیر ہے ہر دم
مجھے ہے عشق کہ جو خود ہے مدّعا میرا

غرور اُنھیں سے ہے تو مجھ کو بھی ناز ہے اکبر
سوا خدا کے سب اُن کا ہے اور خدا میرا

دل مرا جس سے بہلتا کوئی ایسا نہ ملا
بُت کے بندے ملے اللہ کا بندا نہ ملا

بزمِ یاراں سے پھری بادِ بہاری مایوس
ایک سر بھی اُسے آمادۂ سودا نہ ملا

گل کے خواہاں تو نظر آئے بہت عطر فروش
طالبِ زمزمۂ بلبلِ شیدا نہ ملا

واہ کیا راہ دکھائی ہے ہمیں مرشد نے
کر دیا کعبے کو گُم اور کلیسا نہ ملا

رنگ چہرے کا تو کالج نے بھی رکھا قایم
رنگِ باطن میں مگر باپ سے بیٹا نہ ملا

سید اُٹھے جو گزٹ لے کے تو لاکھوں لائے
شیخ قرآن دکھاتے پھرے پیسا نہ ملا

ہوشیاروں میں تو اک سے سوا ہیں اکبر
مجھ کو دیوانوں میں لیکن کوئی تجھ سا نہ ملا

عنایت تخلیے میں بزم میں نا آشنا ہونا
غضب ہیں یہ ادائیں دم ہی بھر میں کیا سے کیا ہونا

بتوں کے پہلے بندے تھے مسوں کے اب ہوئے خادم
ہمیں ہر عہد میں مشکل رہا ہے باخدا ہونا

مرا محتاج ہونا تو مری حالت سے ظاہر ہے
مگر ہاں دیکھنا ہے آپ کا حاجت روا ہونا

جو دقت ہے وہ یہ ہے دل نہیں ہے میرے کہنے میں
مجھے تسلیم ہے ارشادِ واعظ کا بجا ہونا

خدا بننا تھا منصور اسلئے مشکل یہ پیش آئی
نہ کھنچتا دار پر ثابت اگر کرتا خدا ہونا

بچاتا ہے ہزاروں کفر سے لے واعظِ ناداں
بلائے دامِ گیسوئے بتاں میں مبتلا ہونا

مجھے جوشِ طبیعت سے ہوا شوقِ گناہ آخر
عجب کیا ناز سکھلائے اگر اُن کو خفا ہونا

صفاتِ حق تعالےٰ فہمِ منکر میں نہیں آتے
وہ کہتا ہے کہ گویا کچھ نہ ہونا ہے خدا ہونا

خدا اُن سے ملائے تو نہایت ہی خوش آئے گا
نیا عہدِ وفا بندھنا گذشتہ کا گلا ہونا

طریقِ مغربی کی کیا یہی روشن ضمیری ہے
خدا کو بھول جانا اور محوِ ماسوا ہونا

دلیل خود بیں سے پوچھتی ہے کہ تم مسلّم مگر خدا کیا
دل اُسکے عاشق سے کہہ رہا ہے کہ اُسکے ہوتے یہ ماسوا کیا

نہ کچھ تکلف نہ کچھ بناوٹ جو بات تھی دل میں صاف کہدی
اگر وہ مانیں تو مہربانی اگر نہ مانیں تو پھر گلا کیا

کبھی لرزتا ہوں کفر سے میں کبھی ہوں قربان بھولے پن پہ
خدا کے دیتا ہوں واسطے جب تو پوچھتا ہے وہ خدا کیا

جو تمہارے لبِ جاں بخش کا شیدا ہوگا
اُٹھ بھی جائے گا جہاں سے تو مسیحا ہوگا

وہ تو موسیٰ ہوا جو طالبِ دیدار ہوا
پھر وہ کیا ہوگا کہ جس نے تمہیں دیکھا ہوگا

قیس کا ذکر مری شانِ جنوں کے آگے
اگلے وقتوں کا کوئی بادیہ پیما ہوگا

آرزو ہے مجھے اک شخص سے ملنے کی بہت
نام کیا لوں کوئی اللہ کا بندا ہوگا

لعل لب کا ترے بوسہ تو میں لیتا ہوں مگر
ڈر یہ ہے خونِ جگر ہجر میں پینا ہوگا

غنچۂ دل کو نسیمِ عشق نے وا کردیا
میں مریضِ ہوش تھا مستی نے اچھا کردیا

شانِ محبوبیِ صانع کا نشاں رکھا ہے یہ
ورنہ کیا تھا جس نے دل میں درد پیدا کردیا

دین سے اتنا الگ حدِ فنا سے یوں قریب
اس قدر دلچسپ پھر کیوں رنگِ دنیا کردیا

…وت سے غفلت جوانی میں تو لذت دیگئی / ہاں مگر پیری میں اس نے مجھ کو رسوا کر دیا

کیا مرے اک دل کو جنبش دینے پہ وہ قادر نہیں / ایک کُن سے دو جہاں کو جس نے پیدا کر دیا

بے تمہارے دیکھے اب دم بھر بھی چین آتا نہیں / ہیچ تباہ و جانِ جاں تم نے مجھے کیا کر دیا

سب کے سب باہر ہوئے ہم و خرد و ہوش و تمیز / خانۂ دل میں تم آؤ ہم نے پردا کر دیا

ہو طلب کامل تو بس نعمت اسی کا نام ہے / بھوک نے نانِ جویں کو منّ و سلویٰ کر دیا

یوسفِ معنی کے جلووں کو دکھا کر عشق نے / میری بیداری کو بھی خوابِ زلیخا کر دیا

ق

شاہدِ بزمِ ازل نے اک نگاہِ ناز سے / عشق کو اس انجمن میں مسند آرا کر دیا

شورشِ شیریں کا مزا رکھا سرِ فرہاد میں / قیس کو دیوانۂ اندازِ لیلیٰ کر دیا

گردنِ پروانہ میں ڈالی کمندِ شوقِ شمع / رنگِ گُل کو دیدۂ بلبل کا پھندا کر دیا

ذوقِ نظارہ سے بانوں کو ملایا خاک میں / گردشِ چشمِ بتاں سے حشر برپا کر دیا

جس نے یہ سب کچھ کیا اکبر میں تم سے کیا کہوں / اُس نے مجھ کو کیا کیا دل کو مرے کیا کر دیا

بے غرض ہو کر مزے سے زندگی کٹنے لگی / ترکِ خواہش نے ہمارا بوجھ ہلکا کر دیا

رنگ اڑانا اہلِ یورپ کا تو ہے اکبر محال
مُفت اپنے آپ کو تم نے تماشا کر دیا

نعت

دُرفشانی نے تری قطروں کو دریا کر دیا / دل کو روشن کر دیا آنکھوں کو بینا کر دیا

خود نہ تھے جو راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے / کیا نظر تھی جس نے مُردوں کو مسیحا کر دیا

ارسطو سے نہ پوچھ اے ہمنشیں خاصیتِ اُلفت / مجھے معلوم ہے سن لے اثر مہلک مزا اچھا

نقاب اُن کے رخِ رنگیں سے اٹھا عین محفل میں / کھلایا گل یہ تو نے واہ اے بادِ صبا اچھا

ہٹایا زلف کو اُن کے رخِ رنگیں سے گلشن میں / کھلایا گل یہ تو نے واہ اے بادِ صبا اچھا

دلا کر جھوٹی اُمیدیں دلوں کو خون کرتے ہو
یہ ملنے ہی سے اکثر رنج بھی ہو جاتے ہیں پیدا
نہ یہ طرزِ ادا اچھی نہ یہ شوقِ جفا اچھا
جو سچ پوچھو تو ملنے سے نہ ملنے کا گلا اچھا

ابھی بیمار ہیں سب کر رہے ہیں قول و عہد اکبر
اُسی کوچے میں پھر پہونچیں گے ہونے دو ذرا اچھا

تصوّف کے بیاں کو ہوش نے روح آشنا پایا
جوانی چھن گئی حسرت رہی باقی ستانے کو
معانی کچھ نہ سمجھا پر قیامت کا مزا پایا
عروسِ دہر ہم نے دل لگا کر تجھ سے کیا پایا

ہے کام ترا ساقی اک جام پلا دینا
مستوں کو حقیقت کا اِک جلوہ دکھا دینا
یا وہ کو بھلا دینا یا میں کو مٹا دینا
موجِ مئے وحدت کو آئینہ بنا دینا

ہجر میں خونِ جگر آخر کو پینا ہی پڑا
قلب انساں میں کبھی پڑ جاتی ہے اک نیک بات
وضع اُن کی دیکھ کر لازم ہوئی قطعِ اُمید
تجربے کے بعد سننے سے کٹا آخر گلاب
دل بھی کانپا ہونٹھ بھی تھرّائے شرمایا بھی خوب
موت بھی آئی نہیں مجبور جینا ہی پڑا
جب پڑا لیکن تمھارے دل میں کینا ہی پڑا
کل ستم کی چل رہی تھی منہ کو سینا ہی پڑا
نکلنے میں تیرے عارض کا پسینا ہی پڑا
شیخ کو لیکن تری مجلس میں پینا ہی پڑا

الفتِ ... پئے تکمیل ایماں تھی ضرور
راہ حق جوئی میں اے اکبر مدینا ہی پڑا

اُردو میں وزنِ قاآنی کا نمونہ

تصوّر اُس کا جب بندھا تو پھر نظر میں کیا رہا
زبانِ خلق پر بس اک فسانہ عنقا رہا
نئے بنائے سازِ عیش چرخ نے سدا مگر
نہ بحث این و آں رہی نہ شورِ ماسوا رہا
نہ ہم رہے نہ دل رہا نہ دل کا مدعا رہا
فنا کی دھن یہ مستقل جہانِ بے بقا رہا

پردہ توڑا آپ نے اُس بت کو آیا کر دیا
کر گئے تھے حضرتِ سیّد عقیدوں کو درست
خود پری تھی اب اُسے پریوں کا سایا کر دیا
چرخ نے رسموں کا بھی آخر صفایا کر دیا

کم ہوئی آخر بصارت روشنی میں لیپ کی
بڑھ گئی ہو کچھ بصیرت تو جلایا کر دیا

ہم کو زیر آسماں ہو کر گذرنا ہی پڑا
منزل ہستی میں لٹنے کو ٹھہرنا ہی پڑا

موت کے عشووں کے آگے ناز منطق کچھ نہ تھا
دل کو مذہب کے قدم پر سر کو دھرنا ہی پڑا

جانتی تھی قوت اپنی مدت عمر عروج
بحر میں لیکن حبابوں کو ابھرنا ہی پڑا

خوان فلک پہ جو ملے شکر کے ساتھ کر قبول
غم کی شکایتیں ہیں کیا آیا ہے پیش کھا بھی جا

ساغر ہے سامنے شیخ سے کہہ رہے ہیں وہ
دیکھتا کیا ہے ہر طرف مرد خدا چڑھا بھی جا

اے دل باتمیز و ہوش حزم کا کام یہاں نہیں
لطف فریب حسن اٹھا فقروں میں انکے آ بھی جا

بنائے کار جہاں کو خراب ہی دیکھا
ہمیشہ ہم نے یہاں انقلاب ہی دیکھا

ہم انقلاب کے شایق نہیں زمانے میں
کہ انقلاب کو بھی انقلاب ہی دیکھا

وفا میں ثابت قدم نکلنا فدائے عشق حبیب ہونا
یہ کامیابی ہے عاشقی کی یہی تو ہے خوش نصیب ہونا

ادھر ہی طبع کی نزاکت ادھر زمانہ کی آنکھ بدلی
بڑی مصیبت شریف کو ہے امیر ہو کر غریب ہونا

عطا ہوئی ہو اگر بصیرت تو ہے یہ حالت مقام حیرت
خدا سے اتنا بعید رہنا خودی سے اتنا قریب ہونا

رسول اکرمؐ کی ہسٹری کو پڑھو تو اول سے تا بہ آخر
وہ آپ ثابت کرے گی اپنا عظیم ہونا عجیب ہونا

یہ دل پہ گذرے کروں گذارش بغیر پیچیدگی و سازش
فقیہ ہونے کی ہے نہ خواہش نہ چاہتا ہوں ادیب ہونا

رہ طلب میں ہے بس مقدم شکستہ دل و چشم پرنم
نہیں مؤثر کچھ اس میں ہمدم امیر ہونا غریب ہونا

نظر کر انکی طرف ادب سے تو پھیر دیں تیرے دل کو سب سے
عجب نہیں عاشقان رب سے ظہور کا عجیب ہونا

جو مل گیا وہ کھانا داتا کا نام جپنا
اسکے سوا بتاؤں کیا تم سے کام اپنا

رونا تو ہے اسی کا کوئی نہیں کسی کا
دنیا ہے اور مطلب مطلب ہے اور اپنا

اے برہمن ہمارا تیرا ہے ایک عالم
ہم خواب دیکھتے ہیں تو دیکھتا ہے سپنا

یہ دھوم دھام کیسی شوق نمود کیسا
بجلی کو دل کی صورت آتا نہیں تڑپنا

بے عشق کی جوانی کٹتی نہیں مناسب
کیونکر کہوں کہ اچھا ہے جیٹھ کا نہ تپنا

نفس کے تابع ہوئے ایمان رخصت ہو گیا
وہ زنانے میں گھسے مہمان رخصت ہو گیا

مے انھوں نے پی اب اُنکے پاس کیونکر دل لگے
جانور اک رہ گیا انسان رخصت ہو گیا

فرق ظاہر ہو گیا جب سے قلم اور تیغ کا
دل میں انشا کا جو تھا ارمان رخصت ہو گیا

کہہ دیا تھا میں نے کٹ جائیں جو ناقص شعر ہوں
یہ نتیجہ تھا کہ کُل دیوان رخصت ہو گیا

عقل کو کچھ نہ ملا علم میں حیرت کے سوا
دل کو بھایا نہ کوئی رنگ محبت کے سوا

آئے گی تجھ کو نظر صانعِ عالم کی جھلک
سامنے کچھ نہ رکھ آئینۂ فطرت کے سوا

تیرے الفاظ نے کر رکھے ہیں پیدا دفتر
ورنہ کچھ بھی نہیں اللہ کی قدرت کے سوا

جلوہ نظر آیا نہیں اے یار تمہارا
تڑپا ہی کیا طالبِ دیدار تمہارا

بڑھنے تو ذرا دو اثرِ جذبۂ دل کو
قائم نہیں رہنے کا یہ انکار تمہارا

دم بھر کے لئے آکے اُسے شکل دکھا جاؤ
مہمانِ دمِ چند ہے بیمار تمہارا

ہر دم نظرِ شوق کیا کرتا ہوں تم پر
ہر وقت میں رہتا ہوں گنہگار تمہارا

صدمے شبِ فرقت کے اُٹھائے نہیں جاتے
اب موت کا طالب ہے طلبگار تمہارا

عازم ہو تم اے حضرتِ دل کوئے بُتاں کے
اللہ رہے یار و مددگار تمہارا

کس ناز سے کہتا ہے شبِ وصل وہ ظالم
برہم نہ کرے گیسوؤں کو پیار تمہارا

۴

اکبر کی تمناؤں سے کہتا ہے یہ گردوں
اس دور سے اُٹھنے کا نہیں بار تمہارا

بُتکدے میں مطمئن رہنا مرا دشوار تھا
بُت تو اچھے تھے برہمن درپئے آزار تھا

اکبرِ مرحوم کتنا بیخود و سرشار تھا
ہوش ساری عمر اُس کی زندگی پر بار تھا

نزع میں آئی تجلّی روئے جاناں کی نظر
زہر سمجھے تھے جسے وہ شربتِ دیدار تھا

دل ہی دل میں ہو لئے مستِ مئے منصور ہم
شرع میں رہنے کا خطرہ تھا نہ خوفِ دار تھا

خانۂ تن کی خرابی کا میں کرتا رنج کیا
گوہرِ جاں پر فقط اک گرد کا انبار تھا

بہ رنگِ گلزارِ جہاں کا قدرداں مجھ سا تھا کون / جو گلِ رنگیں تھا میرے ہی گلے کا ہار تھا

فسونِ بت سے بچا بند بابِ دیر رہا / خدا نے فضل کیا طفلِ دل بخیر رہا

تعجب آتا ہے اُن کے مذاق پر مجھکو / چمن خزاں میں بھی جن کا محلِ سیر رہا

فسانے رہ گئے اکبر کی بُت پرستی کے / نہ بُت رہے نہ برہمن رہے نہ دیر رہا

نہ کتابوں سے نہ کالج کے ہے در سے پیدا / دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

جو خردمند ہیں وہ خوب سمجھتے ہیں یہ بات / خیر خواہی وہ نہیں ہے جو ہو ڈر سے پیدا

تنگ دُنیا سے بہت مضطرب الحال تھا یہ / دل میں تسکیں ہوئی مذہب کے اثر سے پیدا

یہ بُت پنہاں نہیں ہوتے خدا ظاہر نہیں ہوتا / غنیمت وہ زمانہ ہے کہ میں کافر نہیں ہوتا

ترا [illegible]ک بھی اے صیاد کیا ہی روح پرور ہے / کہ تیرا صید بسمل رہتا ہے... آخر نہیں ہوتا

علوم دنیوی کے بحر میں غوطے لگانے سے / زباں گو صاف ہو جاتی ہے دل طاہر نہیں ہوتا

تری چشمِ فسوں کا گر اشارہ ہے یہ نرگس سے / فقط نظارہ کرنے سے کوئی ساحر نہیں ہوتا

نہ خالق اُس کی خبر لیتی نہ عقل اُس کی مدد کرتی / خدا جب تک کسی کا حافظ و ناصر نہیں ہوتا

حضورِ قلب اگر حاصل نہیں تجھکو تعجب کیا / خدا جب دل سے غائب ہو تو دل حاضر نہیں ہوتا

یہ حق گوئی ہے اکبر کی کہ ہے جس کا اثر اتنا / فسوں کیسا۔ مسلماں آدمی ساحر نہیں ہوتا

یہ سست ہے تو پھر کیا وہ تیز ہے تو پھر کیا / نیٹو جو ہے تو پھر کیا انگریز ہے تو پھر کیا

رہنا کسی سے دب کر ہے امن کو ضروری / پھر کوئی فرقہ ہیبت انگیز ہے تو پھر کیا

رنج و خوشی کی سب میں تقسیم ہے مناسب / بابو جو ہے تو پھر کیا چنگیز ہے تو پھر کیا

ہر رنگ میں ہیں پاتے بندے خدا کے روزی / ہے پینٹر تو پھر کیا رنگریز ہے تو پھر کیا

جیسی جسے ضرورت ویسی ہی اُس کی چیزیں / یاں تخت ہے تو پھر کیا واں میز ہے تو پھر کیا

حق سے اگر ہے غافل ہرگز نہیں ہے عاقل
مفقود ہیں اب اسکے سننے سمجھنے والے
کیسی ہی سلطنت ہو سخجش نہ رہ سکیں گے
منزل وہی ہے جسکو نبیوں نے ہے بتایا
گھر کا چراغ دیکھو یعنی کہ دل سنبھالو
اسلام و حق کے حامی ہرگز نہیں ہیں ہم تم
دونوں ہی مر رہے ہیں دونوں کا حشر ہوگا

ہنری جو ہے تو پھر کیا پرویز ہے تو پھر کیا
میرا سخن نصیحت آمیز ہے تو پھر کیا
گر ترک ہے تو پھر کیا انگریز ہے تو پھر کیا
اسٹیم ہے تو پھر کیا مہمیز ہے تو پھر کیا
کوئی انار دم بھر گلریز ہے تو پھر کیا
حرص و غرور حسرت انگیز ہے تو پھر کیا
نیٹو جو ہے تو پھر کیا انگریز ہے تو پھر کیا

وہ حجاب اُن کا آج تک نہ گیا
نہ گیا اُن کے دل سے شک نہ گیا
اک جھلک اُن کی دیکھ لی تھی کبھی
وہ اثر دل سے آج تک نہ گیا
کیا ٹھہرتا ہمارے آگے غیر
دیکھیے آخرش کھسک نہ گیا

میخانۂ رفارم کی چکنی زمین پر
واعظ کا خاندان بھی آخر پھسل گیا
کیسی نماز ہال میں ناچے جنابِ شیخ
تم کو خبر نہیں کہ زمانہ بدل گیا
یہ پاس اور وہ پاس نہ موحد نہ اہلِ زر
اخبار میں جو چھپ گئے ارمان نکل گیا

فطرت میں سلسلہ ہے کمال و زوال کا
گھٹنا ہے بدر کا تو ہے بڑھنا ہلال کا
پرتو جو اس میں ہے ترے حسن و جمال کا
عالم ہے شیفتہ مرے رنگِ خیال کا
نظارہ کر رہا ہوں بتِ بے مثال کا
شانِ خدا ہے ساتھ شباب و جمال کا
ہم اپنے فقر میں بھی ہیں اک آن بان سے
کملی ہماری رنگ دکھاتی ہے شال کا
اُس مس پہ کون میرے سوا ہو فریفتہ
گاہک میں ہی ہوں ہند میں لندن کے مال کا
رکھنا پڑا ہے اُس بتِ کافر سے میل جول
موقع نہیں ہے بحثِ حرام و حلال کا
الفت میں فرض ہے بتِ کافر کا اتباع
موقع نہیں ہے بحثِ حرام و حلال کا
دورِ فلک میں چاند کی قسمت بھی خوب ہے
ہے بس عروج خاتمہ اُس کے زوال کا

اک عکس ناتمام پہ عالم کو وجد ہے
کیا پوچھنا ہے آپ کے حسن و جمال کا

ماضی[1] تو ختم ہو چکا مستقبل آئے گا
ممکن نہیں بیان کروں حال حال کا

بلبل کی شاخِ گل پہ نہ باقی رہے نظر
نشو و نما جو دیکھ لے اُس نونہال کا

طریقِ عشق میں مجھ کو کوئی کامل نہیں ملتا
گئے فرہاد و مجنوں اب کسی سے دل نہیں ملتا

بھری ہے انجمن لیکن کسی سے دل نہیں ملتا
ہمیں میں آ گیا کچھ نقص یا کامل نہیں ملتا

پرانی روشنی میں اور نئی میں فرق اتنا ہے
اُسے کشتی نہیں ملتی اسے ساحل نہیں ملتا

پہونچنا داد کو مظلوم کا مشکل ہی ہوتا ہے
کبھی قاضی نہیں ملتے کبھی قاتل نہیں ملتا

حریفوں پر خزانے ہیں کھلے یاں ہجرِ گیسو ہے
وہاں پے بل ہے اور یاں سانپ کا بھی بل نہیں ملتا

یہ حسن و عشق ہی کا کام ہے شبہ کریں کس پر
مزاج اُن کا نہیں ملتا ہمارا دل نہیں ملتا

چھپا ہے سینہ و رخ دلستاں ہاتھوں سے کروٹ میں
مجھے سوتے میں بھی وہ حسن سے غافل نہیں ملتا

حواس و ہوش گم ہیں بحرِ عرفانِ الٰہی میں
یہی دریا ہے جس میں موج کو ساحل نہیں ملتا

کتابِ دل مجھے کافی ہے اکبر درسِ حکمت کو
میں اسپنسر سے مستغنی ہوں مجھ سے مل نہیں ملتا

ہستیٔ حق کے معانی جو مرا دل سمجھا
اپنی ہستی کو اک اندیشۂ باطل سمجھا

وہ شناور ہوں جو ہر موج کو ساحل سمجھا
وہ مسافر ہوں جو ہر گام کو منزل سمجھا

حضرتِ دل کو چڑھا آیا میں بت خانے میں
اُن کے انداز سے اُن کو اسی قابل سمجھا

ہوئی دنیا میں مرے جوشِ جنوں کی تکریم
ترے دیوانے کو عاقل نے بھی کامل سمجھا

کافری سہل نہ تھی عشقِ بتاں کھیل نہ تھا
بخدا میں تو اسی سے اسے مشکل سمجھا

ان نگاہوں کے اشاروں سے طبیعت تڑپی
ان اشاروں کے معانی کو مرا دل سمجھا

ضعف سے میں جو گھٹا اور بڑھا اُس کا ستم
یاں زباں ہل نہ سکی وہ متحمل سمجھا

اُترا دریا میں پئے غسل جو وہ غیرتِ گل
شورِ امواج کو میں شورِ عنادل سمجھا

[1] یعنی زمانہ ماضی

کفر و اسلام کی تفریق نہیں فطرت میں
یہ وہ نکتہ ہے جسے میں بھی بہ مشکل سمجھا

شیخ نے چشمِ حقارت سے جو دیکھا مجھکو
بخدا میں اُسے اللہ سے غافل سمجھا

حسن نے ناز کیے عشق کی تکمیل ہوئی
نہ نظر آپ کی سمجھی نہ مرا دل سمجھا

آپ دیکھیں مجھے اور میں نہ کروں یادِ خدا
موت ہے آپ نے ایسا مجھے غافل سمجھا

وہ بھی نافہم ہے جو خضر کا طالب نہ ہوا
وہ بھی نادان ہے جو خضر کو منزل سمجھا

نہ کیا یار نے اکبرؔ کے جنوں کو تسلیم
مل گئی آنکھ تو کچھ سوچ کے عاقل سمجھا

مہربانی ہے عیادت کو جو آتے ہیں مگر
کس طرح اُن سے ہمارا حال دیکھا جائے گا

دفترِ دنیا اُلٹ جائے گا بالکل یک قلم
ذرّہ ذرّہ سب کا اصلی حال دیکھا جائے گا

آفیشل اعمال نامہ کی نہ ہوگی کچھ سند
حشر میں تو نامۂ اعمال دیکھا جائے گا

بچ رہے طاعون سے تو اہلِ غفلت بول اُٹھے
اب تو مہلت ہے پھر اگلے سال دیکھا جائے گا

تذکرہ صاحب نسب نامے وہ وقت آیا ہے اب
بے اثر ہوگی شرافت مال دیکھا جائے گا

رکھ قدم ثابت نہ چھوڑ اکبرؔ صراطِ مستقیم
خیر چل جانے دے اُنکی چال دیکھا جائے گا

سینے کا زخم آہ کی سختی سے چھِل گیا
اچھا ہوا مزا تو محبت کا مل گیا

ایسے ستم کیے کہ [illegible] قلب ہِل گیا
اور اس طرح کہ سینہ کا ہر داغ چھِل گیا

تیرا پتہ چمن کو صبا سے جو مل گیا
بلبل کو وجد آ گیا غنچہ بھی کھِل گیا

تعلیم مذہبی کا خلاصہ یہی تو ہے
سب مل گیا اُسے جسے اللہ مل گیا

ہوتا ہے انبساط غذائے لطیف سے
غنچے کو دیکھیے کہ ہوا کھا کے کھِل گیا

کس نے نگاہِ ناز سے دیکھا ہے اِس طرف
فریاد کر رہا ہے جگر ہائے دل گیا

خوش قسمتی یہ اپنی بجا ہے کروں جو ناز
اپنے ہی دل میں مجھکو مرا رب بھی مل گیا

کھلتا نہیں کہ شیخ سے اکبر نے کیا کہا
آیا تھا جوش دل سے مگر مضمحل گیا

وہ شعلۂ شوق کا سینے میں مشتعل نہ رہا
ملا جو خانۂ تن خاک میں تو ملنے دو

تری نظر نہ رہی وہ مرا وہ دل نہ رہا
یہ رنج کیا ہے کہ زندانِ آب و گل نہ رہا

چودھویں منزل میں وہ ماہ خوش اقبال آگیا
آفتِ گیسو نے آخر دی مرے دل کو شکست
عالمِ فطرت یہ ہے میری نظر بھی اے حکیم

صبر و تقویٰ پہ جو بھاری ہے وہی سال آگیا
ہائے کیا انمول شیشہ تھا مگر بال آگیا
فرق یہ ہے تجھ کو عقل آئی مجھے حال آگیا

دعویٰ علم و خرد میں جوش تھا اکبر کو رات
ہو گیا ساکت مگر جب ذکرِ اقبال آگیا

وہ مطرب اور وہ ساز وہ گانا بدل گیا
رنگِ رخِ بہار کی زینت ہوئی نئی
فطرت کے ہر اثر میں ہوا ایک انقلاب
حد شہر عافیت کی نئی طرز پر بندھی

نیندیں بدل گئیں وہ فسانا بدل گیا
گلشن میں بلبلوں کا ترانا بدل گیا
بانیِ فلک پہ کھیت میں دانا بدل گیا
وہ چوکیاں بدل گئیں تھانا بدل گیا

اس گوہرِ نایاب سے واقف نہیں دنیا
خوب آتا ہے صاحب کو خود اک بات کا کرنا

آسان نہیں دل کا مرے دام لگانا
اور بات پڑے جب تو مرا نام لگانا

زاہد نے پرتو دیں نام کو رہنے نہ دیا
دو مرادیں جو ملیں چار تمنائیں کیں
موت کو بھول گیا دیکھ کے جینے کی بہار

آخر اس لام نے اسلام کو رہنے نہ دیا
ہم نے خود قلب میں آرام کو رہنے نہ دیا
دل نے پیشِ نظر انجام کو رہنے نہ دیا

نورِ عرفاں عقل کے پردے میں پنہاں ہوگیا
بتکدے میں شور ہے اکبر مسلماں ہوگیا
انتشارِ اہلِ معنی فیض سے خالی نہیں

ہوش میں آنا حجابِ روئے جاناں ہوگیا
بیوفاؤں سے کوئی کہہ دے کہ ہاں ہاں ہوگیا
بوئے خوش پھیلی اگر غنچہ پریشاں ہوگیا

باعثِ تسکیں نہ تھا باغِ جہاں کا کوئی رنگ
جس روش پر میں چلا آخر پریشاں ہوگیا

خوابِ راحت بن گیا خوفِ خدا بعدِ فنا
حشر میں حسنِ عمل گلزارِ رضواں ہوگیا

اُن کی صورت دیکھ کر آنے لگی یادِ خدا
نورِ رخ اُن کا چراغِ راہِ عرفاں ہوگیا

دونوں کو تشبیہ دی تھی عارضِ محبوب سے
آئینہ حیرت میں آیا گل پریشاں ہوگیا

تیغ کھینچی اُس نے ممنونِ توجہ ہم ہوئے
حسن وہ افسوں ہے جس سے ظلم احساں ہوگیا

ترکِ دنیا سے ہوئی جمعیتِ خاطر نصیب
حال میرا گو کہ ظاہر میں پریشاں ہوگیا

طاقتِ فریاد بھی مجھ میں نہ باقی رہ گئی
ظلم کرنا آپ کو مجھ پر اب آساں ہوگیا

خوانِ الوانِ فلک پر کیا مسرت ہو مجھے
گور کا لقمہ ہوا جو اُس کا مہماں ہوگیا

فرقتِ جاناں میں کیسی خوشدلی اے ہمنشیں
انبساطِ طبع نذرِ رنجِ ہجراں ہوگیا

صورتِ ظاہر میں دل اک قطرۂ خوں تھا فقط
آگیا جب جوش میں معنی کا طوفاں ہوگیا

جس سے کہتے ہیں وہ کہتا ہے کہ یہ سب وہم ہے
اب ہمارا حال بھی خوابِ پریشاں ہوگیا

بس یہی دولت مجھے دی تو نے اے عمرِ دراز
سینہ اک گنجینۂ داغِ عزیزاں ہوگیا

اور عالم میں ہوں میں لے فاتحہ خواں بعدِ مرگ
میں نہ تھا وہ جسم جو مٹی میں پنہاں ہوگیا

بڑھ گئی سوزش جو تجھ بن گل کھلے گلزار میں
زخمِ دل کے حق میں ہر غنچہ نمکداں ہوگیا

کردیا اہلِ بصیرت فیض ساقی نے مجھے
ساغرِ مے آفتابِ اوجِ عرفاں ہوگیا

اک نظر کا ہے تعلق اس جہاں سے ہوش کو
سب کا سب اک جنبشِ مژگاں میں پنہاں ہوگیا

دیکھنا مشروطِ دیں ہوتا تو ہوتا بت پرست
کچھ نہ دیکھا اس کی برکت سے مسلماں ہوگیا

درد نے جا اس میں کی اک سوز پنہاں ہوگیا
للہ الحمد اب مرا دل بھی مسلماں ہوگیا

جلوۂ حسنِ بتاں آشوبِ دوراں ہوگیا
اللہ اللہ آفتِ دینِ مسلماں ہوگیا

اشکِ خوں آلود آنکھوں میں نمایاں ہوگیا
دیکھئے دل بھی شریکِ چشمِ گریاں ہوگیا

رنگِ خوں اب صاف آنکھوں میں نمایاں ہوگیا
دیکھئے دل بھی شریکِ چشمِ گریاں ہوگیا

اُس نے پوچھا ہوگیا آسودہ بوسے سے کے تو
میں نے ناحق کہدیا جلدی میں جی ہاں ہوگیا

سر بھی کھا جائے گا ظالم جان بھی کھا جائے گا
سخت مشکل ہے کہ ناصح میرا مہماں ہوگیا

انقلابِ دہر دیکھو بن گیا آقا غلام
قصر کا مالک جو تھا اب اُس کا درباں ہوگیا

دیکھنے سے شوق پیدا شوق سے پیدا طلب
آفتِ دل آنکھ تھی دل آفتِ جاں ہوگیا

قبل ہستی ان عوارض سے بری تھا دل مرا
اس سفر میں مبتلائے دین و ایماں ہوگیا

عظمتِ خالق نہ سمجھا قدر دل اُس نے نہ کی
جو بنے لذت مطیعِ نفس و شیطاں ہوگیا

پوچھتے کیا ہو اُصولِ مذہبِ رندانِ عشق
یار کا ارشاد اُن کا دین و ایماں ہوگیا

میری قسمت تھی کہ ہر پتا بنا بانگِ عسس
بخت دشمن تھا کہ خوابِ چشم درباں ہوگیا

اس توقع پر کہ تیرے پیرہن میں صرف ہو
ماہ نو بھی چرخ پر شکلِ گریباں ہوگیا

اُس لبِ شیریں کے بوسوں نے کیا شیریں سخن
لی زباں اُن کی جو منہ میں میں زباں داں ہوگیا

کی ترقی چشم بد دور ایسی اپنے رنگ میں
اکبر اب مسند نشینِ بزمِ رنداں ہوگیا

کر گئی کام نگاہِ مسِ پر فن کیسا
تج چلے دیر و حرم شیخ و برہمن کیسا

اُس کو چکر ہی رہا اور یہ خدا تک پہنچا
دلِ پر سوز جو ہاتھ آئے تو انجن کیسا

اصل سے ہو کے جدا نشو و نما کی اُمید
مجھکو حیرت ہے کہ بوڑھوں میں یہ بچپن کیسا

خدا کے ہوتے بتوں کو پوچھوں نہیں تھا مطلق گماں ایسا
مگر تمہیں دیکھکر تو واللہ آچلا مجھ کو دھیان ایسا

وہ چھت پہ بے پردہ سو رہے ہیں فلک قمر سے یہ پوچھتا ہے
بتا تو تیری نظر سے گذرا ہے کوئی خوشرو جوان ایسا

بھلا ہی دیتی ہو جسکو دنیا مٹا ہی دیتا ہو جسکو گردوں
عبث ہے انسان چاہتا ہے جو نام ایسا نشان ایسا

بھرا ہوا دل ہو ذوق سے ہو خدا کی یاد اُسمیں شوق سے ہو
وہاں کے جلوؤں کا پوچھنا کیا مکین ایسا مکان ایسا

دل و جگر کو فراقِ بت میں حوالۂ چشمِ تر کروں گا
کبھی کسی نے کیا نہ ہوگا کنارۂ گنگ دان ایسا

دنیا کے مباحث یہ مری نظروں میں ہیں کیا
اتنا تو کوئی پہلے بتائے مجھے میں کیا

تو کہئے اگر وقعتِ عاشق نہیں دل میں — یہ کون سی سیکھی ہے زباں آپ نے تیں کیا

زلفِ پیچاں کا تصور مجھے کرنا ہی نہ تھا — ہو گئی مفت طبیعت میں اک الجھن پیدا
شرم کی جا ہے نہ ہو دل میں جو داغوں کی بہار — سینۂ خاک بھی کر لیتا ہے گلشن پیدا
میری ہر بات کا رخ ہے طرفِ عارضِ یار — میرے ہر شعر سے ہیں معنیٔ روشن پیدا

دیدہ و دل سے کھٹکتے رہو ہر دم اکبر
دوستوں ہی میں سے ہو جاتے ہیں دشمن پیدا

کوئی ہے دہر میں خونِ جگر کہیں پیتا — کوئی زمانے میں ہے شیر و انگبیں پیتا
میں ان کی بزم سے اٹھ آیا قبلِ دورِ شراب — محلِ شرم تھا کہنا کہ میں نہیں پیتا
سرورِ روح ہے حاصل ولائے حیدر سے — میں جامِ کوثر و تسنیم ہوں یہیں پیتا
نہ ملتی پشّے کو دنیا میں قوّتِ پرواز — اگر یہ خون کسی کا براہِ کیں پیتا
ہر ایک قطرے کے بدلے میں دیتا اک دانہ — تری طرح کوئی پانی جو اے زمیں پیتا

جھجکتے کیوں ہو۔ جو ہوتا ہے اعتراض اکبر
جواب کیوں نہیں دیتے بہت نہیں پیتا

شکایت جوشِ الفت سے ہوئی تھی اے حسیں پیدا — تعجب ہے اگر اس سے ہوئی چینِ جبیں پیدا

فریبِ عقلِ ظاہر بیں ہے یہ سب ورنہ اے اکبر
ہمیں فانی ہمیں باقی ہمیں پنہاں ہمیں پیدا

مری تقریر کا اس مس پہ کچھ قابو نہیں چلتا — جہاں بندوق چلتی ہے وہاں جادو نہیں چلتا
کمر باندھی بھی یاروں نے جو راہِ حبِّ قومی میں — وہ بولے تو نہیں چلتا وہ بولے تو نہیں چلتا
کہا پیرِ طریقت نے اکڑ کر اپنی ٹمٹم پر — یہی منزل ہے جس میں شیخ کا ٹٹو نہیں چلتا
لطیف الطبع ساتھی چاہئے فیاض طبیعت کا — چمن سے بے ہوا کے کاروانِ بو نہیں چلتا

ستم دورِ گردوں کے سہہ جاؤں گا — جو گذرے گی دل پر وہ کہہ جاؤں گا

دعا ہے کہ مر کر بھی رہ جاؤں کچھ
وگرنہ یونہیں مر کے رہ جاؤں گا

ہمیشہ آپ کے آگے میں دست بستہ رہا
مگر دل آپ کے قابو میں تھا شکستہ رہا

ذرا تو پختہ ثمریوں کو باغِ دہر میں دیکھ
انھیں کا حال ہر اک سے زیادہ خستہ رہا

جناب شیخ سے جاکر ذرا للہ کہہ دینا
کہ گمراہی تھی مجھ سے رند کو گمراہ کہہ دینا

بہت مشکل ہے بچنا بادۂ گلگوں سے خلوت میں
بہت آساں ہے یاروں میں معاذ اللہ کہہ دینا

مرے خط میں سلام اغیار کو قاصد یہ کیا معنی
نہایت رنج ہے اس کا مجھے واللہ کہہ دینا

تمھاری مرحبا سے شعر کی ہو جائے گی عزت
نہ نکلے واہ دل سے تو زباں سے واہ کہہ دینا

اگرچہ تسکینِ طبعِ ملت ہے حبِ قومی میں آہ کرنا
مفید تر ہے مگر دلوں کو رجوع سوئے الٰہ کرنا

وفائے وعدہ سے چشم پوشی ہمیشہ شام و پگاہ کرنا
حضور نے کیا ثواب سمجھا ہے منتظر کو تباہ کرنا

یہ کس سے سیکھا ہے تیری آنکھوں نے اس بلا کی نگاہ کرنا
بنائے دیں کو خراب کرنا دلوں کو اتنا تباہ کرنا

کہیں گے تعمیلِ ذات پر ہو نشان دیا پتا بتاؤ
بتوں کے آگے ہے سخت مشکل خدا کو اپنا گواہ کرنا

نئی ادا یہ نہیں فلک کی سدا سے اس کا یہی ہے شیوہ
کسی کو حد سے سوا بڑھانا کسی کو بالکل تباہ کرنا

کہا بتوں نے نہ توڑ دل کو تجھے مناسب ہے دل نوازی
تو ہنس کے بولا کہ سہل ہوگا دلِ شکستہ میں راہ کرنا

جہانِ صورت کا ذرہ ذرہ جمالِ معنی کا آئینہ ہے
مگر انھیں کو جو دیکھتے ہیں جو جانتے ہیں نگاہ کرنا

کہے کوئی شیخ سے یہ جاکر دیکھنے آکے بزمِ سید
یہ رونق اور یہ چہل پہل ہو تو کیا برا ہے گناہ کرنا

وہ دورِ چرخ آرہا ہے اکبر کہ اہلِ تقویٰ ہیں زار و مضطر
بزرگ بھی طفلِ دل کو اپنے سکھا رہے ہیں گناہ کرنا

مجھ کو نہ کبھی اس بتِ دلخواہ نے چاہا
اب میں بھی نہ چاہوں گا جو اللہ نے چاہا

ساتھ ان کا نہ چھوڑا کسی حالت میں بھی اس نے
شعروں کو مرے خوب ہی اس واہ نے چاہا

خوشی سے باخبر شیخ یہ راضی ہو نہیں سکتا
خیالِ دین و عزت امرِ ماضی ہو نہیں سکتا

عمل بیجا اگر ہو روکنا واجب ہے اکبر کو
امیدوں پر مگر کچھ حکمِ قاضی ہو نہیں سکتا

جس روشنی میں لوٹ ہی کی آپ کو سوجھے
تہذیب کی میں اُس کو تجلّی نہ کہوں گا

لاکھوں کو مٹا کر جو ہزاروں کو اُبھارے
اُس کو تو میں دنیا کی ترقی نہ کہوں گا

۴

ہے غضب جلوہ دیرِ فانی کا
پوچھنا کیا ہے اُس کے بانی کا

دیدہ ہے محوِ دیرِ فانی کا
دل ہے مشتاق اُس کے بانی کا

جان دے دی غمِ حسیناں میں
حق ادا کر دیا جوانی کا

خوب جی بھر کے ہوئے بدنام
حق ادا کر دیا جوانی کا

کرتے ہیں مجھ سے غیر کا شکوہ
شکر ہے اُن کی مہربانی کا

دل میں سوزش ہے آنکھ میں آنسو
عشق ہے کھیل آگ پانی کا

غور کر۔ کیا ہے زندگی کی بنا
سوچ۔ کیا حق ہے اُسکے بانی کا

نہ ملا خاک میں عمل اپنے
شوق رکھ فیضِ آسمانی کا

ہوش بھی بار ہے طبیعت پر
کیا کہوں حال ناتوانی کا

قتل سے پہلے ہے کلوروفارم
شکر ہے اُن کی مہربانی کا

شیخ در گور و قوم در کالج
رنگ ہے دورِ آسمانی کا

ق

انجن آیا نکل گیا زن سے
سُن لیا نام آگ پانی کا

بات اتنی اور اس پہ یہ طومار
غل ہے یورپ پہ جانفشانی کا

علم پورا ہمیں سکھائیں اگر
تب کریں شکر مہربانی کا

یوں مری طبع سے ہوتے ہیں معانی پیدا
جیسے ساون کی گھٹاؤں سے ہو پانی پیدا

کیا غضب ہے نگہِ مستِ مسِ بادہ فروش
شیخ فانی میں ہوا رنگِ جوانی پیدا

یہ جوانی ہے کہ پاتا ہے جنوں جس سے ظہور
یہ نہ سمجھو کہ جنوں سے ہے جوانی پیدا

بیخودی میں تو یہ جھگڑے نہیں رہتے اے ہوش
تو نے کر رکھا ہے اک عالمِ فانی پیدا

کوئی موقع نکل آئے کہ بس آنکھیں ملجائیں
راہیں پھر آپ ہی کر لے گی جوانی پیدا

ہر تعلق مرا سرمایہ ہے اک ناول کا
میری ہر رات سے ہے ایک کہانی پیدا
جنگ ہے جرم محبت ہے خلافِ تہذیب
ہو چکا ولولۂ عہد جوانی پیدا

کھو گئی ہند کی فردوس نشانی اکبر
کاش ہو جائے کوئی ملٹن ثانی پیدا

جو ناصح مرے آگے بکنے لگا
میں کیا کرتا منہ اس کا تکنے لگا
محبت کا تم سے اثر کیا کہوں
نظر مل گئی دل دھڑکنے لگا
بدن چھو گیا آگ سی لگ اٹھی
نظر مل گئی دل دھڑکنے لگا
رقیبوں نے پہلو دبایا تو چپ
میں بیٹھا تو ظالم سرکنے لگا

جو محفل میں اکبر نے کھولی زباں
گلستاں میں بلبل چہکنے لگا

نظامِ عالم بتا رہا ہے کہ ہے اک اسکا بنانیوالا
ظہورِ آدم دکھا رہا ہے کہ دل میں ہے کوئی آنیوالا
نسیم مستانہ چل رہی ہے چمن میں ہر رت بدل رہی ہے
صدا یہ دل سے نکل رہی ہے وہی ہے یہ گل کھلانیوالا

خودی گم کر چکا ہوں اب خوشی و غم سے کیا مطلب
تعلق ہوش سے چھوڑا تو پھر عالم سے کیا مطلب
قناعت جسکو ہے وہ رزقِ مایحتاج پر خوش ہے
سمجھ جس کو ہے اسکو بحثِ بیش و کم سے کیا مطلب
[illegible]
[illegible] ہے اگر دنیا تو بدلے ہم سے کیا مطلب
مری فطرت [illegible] حقیقت میں ہے دل میرا
تجھے ساقی کی کیا حاجت ہے جامِ جم سے کیا مطلب
خود اپنی [illegible] میں الجھے ہوئے ہیں حضرتِ واعظ
بھلا انکو بتوں کے گیسوئے پرخم سے کیا مطلب
نئی تعلیم کو کیا واسطہ ہے آدمیت سے
جنابِ ڈارون کو حضرتِ آدم سے کیا مطلب

صدائے سرمدی سے مست رہتا ہوں سدا اکبر
مجھے نغموں کی کیا پروا مجھے سرگم سے کیا مطلب

خدا کے منکر نہیں ہیں غافل کہاں کے پیارے امام صاحب
انھیں کے در پر جھکی ہے خلقت سلام صاحب سلام صاحب

کہاں کی پوجا نماز کیسی کہاں کی گنگا کہاں کا زمزم
ڈٹا ہے ہوٹل کے در پہ ہر اک یہیں بھی دو ایک جام صاحب

ہزار سمجھاتے ہیں وہ سب کو کہ سب نہیں نامدار ہوتے
ق
کرو خموشی و نیکبختی سے جا کے تم گھر کا کام صاحب

مگر نہیں مانتا ہے کوئی ہر اک کی یہ التجا ہے اُن سے
مجھے بھی تم چھاپ دو کہیں پر مرا بھی ہو جائے نام صاحب

مری تمھاری نہیں نبھے گی سدھارتا ہوں میں یہاں سے
سلام صاحب سلام صاحب سلام صاحب سلام صاحب

اے جانِ جہاں حور نہ اچھی نہ پری خوب
ہے میری نگاہوں میں تری جلوہ گری خوب

تشبیہ میں دوں گا اسے رفتارِ صنم سے
واللہ تری چال ہے اے کبکِ دری خوب

یوں ترچھی نگاہوں سے مجھے قتل بھی کرنا
پھر صاف مکرنا کہ میں ہوں اس سے بری خوب

کھلتا ہے مرا غنچۂ دل آہِ سحر سے
عاشق کے لئے ہے یہ نسیمِ سحری خوب

مُنہ کھول کے سویا ہے وہ گل صحنِ چمن میں
لطف آج اُٹھائے گی نسیمِ سحری خوب

سچ یہ ہے کہ واعظ مجھے بھاتا ہے نہ اکبر
وہ خبط ہی اچھا نہ یہ شوریدہ سری خوب

کہتے ہیں فطرت جسے یہ ہے نقابِ روئے دوست
ہے اسی پردے میں پنہاں آفتابِ روئے دوست

پردۂ فطرت خرد افروز و حکمت خیز ہے
ہے جنوں انگیز لیکن آب و تابِ روئے دوست

دیکھ لی جس نے جھلک اُس کی وہ پہونچا دار پر
زینتِ منبر ہوا محوِ حجابِ روئے دوست

ذوقِ معنی ہو تو اے اکبر نظر آگے بڑھا
عالمِ نیچر تو ہے لوحِ کتابِ روئے دوست

ماہِ نو بھی نہیں چمکا ترے ابرو کی طرح
نکہتِ گل بھی نہ نکلی تری خوشبو کی طرح

کون سی تیغ ہے تیغِ خمِ ابرو کی طرح
کہ اشاروں ہی میں چل جاتی ہے جادو کی طرح

وہ ادا کی کہ قضا آ گئی خود داری کی
وہ نظر کی کہ اثر کر گئی جادو کی طرح

گُل میں وہ شوخیٔ رنگِ رخِ محبوب کہاں
سرو میں لوچ کہاں اُس قدِ دلجو کی طرح

مجھ کو دم بھر بھی زمانے میں نہیں چین نصیب
مضطرب شیشۂ ساعت میں ہوں بالو کی طرح

حسن میں کب ہے قمر کو ترے مانند ثبات
کبھی عارض کی طرح ہے کبھی ابرو کی طرح

نہ یہ جنبش ہے نہ یہ نوک پلک ہے اُس میں
قطع میں گو ہے ہلال آپ کے ابرو کی طرح

کم بضاعت کو جو اک ذرّہ بھی ہوتا ہے فروغ
خود نمائی کو وہ اُڑ چلتا ہے جگنو کی طرح

دل کا میلان یقینی ہے سخن میں جو ہو وزن
طبع سنجیدۂ سامع ہے ترازو کی طرح

کیا کہوں شوقِ شہادت کو میں تجھ سے قاتل
روز افزوں ہے تری قوت بازو کی طرح

خالی از لطف نہیں آنکھ چرانا اُن کا
فرحت افزائے نظر ہے رمِ آہو کی طرح

گلشنِ عشق میں ہے اشک اگر جوئے رواں
خوشنما آہ بھی ہے سروِ لبِ جو کی طرح

ہر زمیں میں ترا مضمون ہے مطلوب اے دوست
کہیں ہو ہو کی طرح ہے کہیں کو کو کی طرح

تیکھی نظروں سے مرے دل کو وہ کرتے ہیں شہید
ظلم پوشیدہ کیا کرتے ہیں جادو کی طرح

فرحت انگیز تو ہے ولولہ انگیز نہیں
نکہتِ گل بھی نہیں ہے تری خوشبو کی طرح

رنگِ گل سے بھی سوا شوخ ہے تو رنگ میں یار
مگر افسوس کہ آوارہ بھی ہے بو کی طرح

ہمسر اُس طرۂ مشکیں کی نہیں کوئی بلا
کوئی فتنہ نہیں اُس نرگسِ جادو کی طرح

ٹکڑے میرے دلِ روشن کے جو دیکھے تو کہا
کیا گلے میرے یہ پڑ جائیں گے جگنو کی طرح

جام مے غیر کو دو میں نہ کروں گا شکوہ
رنج کی بات ہے پی جاؤں گا آنسو کی طرح

سر جھکا فکر میں بیٹھ - اپنی حقیقت کھل جائے
حق نما کون ہے آئینۂ زانو کی طرح

رشک آتا ہے جو تکیے پہ وہ سر رکھتے ہیں
صاحبِ حس نہ کہیں ہو مرے زانو کی طرح

نام کر جاتے ہیں دنیا میں جو خوش قسمت ہیں
کوئی مجنوں کی طرح کوئی ارسطو کی طرح

واعظا تیری زباں پر ہے مذمت مے کی
یہ سخن تیرا گلوگیر ہو اُچھو کی طرح

ہو اشاروں کا اگر اہلِ نظر کے تابع
خلق آنکھوں پہ جگہ دے تجھے ابرو کی طرح

گلشنِ دہر میں اکبر کا کلام رنگیں
کھل گیا گل کی طرح پھیل گیا بو کی طرح

اظہار مدعا ئیں کروں گا اسی طرح
وہ پیش آئیں اچھی طرح یا بُری طرح

چاہوں گا تخلیہ نہ زیادہ بٹھاؤں گا
تشریف لائیے بھی تو حضرت کسی طرح

دل ہو وفا پسند نظر ہو حیا پسند
جس حُسن میں یہ وصف ہو وہ ہے خدا پسند

توڑوں یہ تیرے جھومنے لگتی ہے شاخِ گُل
بیحد ہے تیرا ناچ مجھے اے صبا پسند

۴

پھرتی ہے ارض آفتاب کے گرد
بندہ چکر میں ہے جناب کے گرد

نہیں ٹلتا ہزار اسے ٹالو
عشق رہتا ہی ہے شباب کے گرد

شعلہ رویوں میں گھومیں سوختہ دل
آنچ لگتی رہے کباب کے گرد

کون مستی مری سنبھالے گا
میں تو جاتا نہیں شراب کے گرد

وقتِ بہارِ گل دلم از ہوش دور بود
موجِ نسیم دشمنِ شمعِ شعور بود

میگفت دوش قصۂ شوقت زبانِ دل
ہر حرف او حکایتِ موسیٰ و طور بود

یک جلوہ کرد و صورتِ پروانہ سوختم
آرے ہمیں علاجِ دلِ ناصبور بود

خوش بود آں زماں۔ خودی از خود خبر نداشت
ہوشم بخواب بود و دلم در حضور بود

یکساعتِ حضوری او اینچنیں گذشت
من عجز بودم او ہمہ نازو غرور بود

بیدل مشو بگفتۂ منکر کہ او زجہل
وہمش بگفت انچہ بچشمِ تو نور بود

اکبر بہ پیشِ پیرِ مغاں کرد اعتراف
غوغائے من بہ خلق ہمہ مکرو زور بود

گذشتند آں قدر یاراں زحدِّ سیدا اے اکبر
کہ آں مرحوم اکنوں در شمارِ شیخ می آید

فسردگی ہوئی پیدا اُس انتشار کے بعد
ہزار حیف کہ فالج گرا بخار کے بعد

کہا جو میں نے کہ دل چاہتا ہے پیار کروں
تو مسکرا کے وہ کہنے لگے کہ بیاہ کے بعد

بہت ہی بگڑے وہ کل مجھ سے پہلے تو بیچے
خموش ہو گئے آخر کو تین چار کے بعد

گیا شباب تو اب آئینہ میں کیا دیکھوں
وہ لطف ہی نہ رہا باغ میں بہار کے بعد

نہ بھول اِنَّ مَعَ العُسرِ یُسراً اے اکبر
خدا سکون بھی دے گا اس اضطرار کے بعد

مذاق درد نے دل کو مرے ہے آہ پسند
عجب نہیں اسے کر لے تری نگاہ پسند

خدا کا شکر دیا اس نے مجھ کو بوسۂ لب
کسے نصیب یہ حلوائے بادشاہ پسند

محلِ طعن نہیں ہے ہماری مے خواری
ہنر کے حکم میں ہے عیب بادشاہ پسند

یہ بے اصولی و لغزش بری ہے سالک کو
خدا کے واسطے تم کرلو ایک راہ پسند

نہ حلق سر کا ہے سودا مجھے نہ تیرتھ کا
بتوں سے گو کہ میں کرتا ہوں رسم و راہ پسند

خدا پرست بنائے گا کیا وہ لٹریچر
کرے جو طبع کو بے قید اور گناہ پسند

گناہ سخت بتوں سے ہے مدعا طلبی
غضب یہ ہے کہ مجھے ہے یہی گناہ پسند

ق

فلاسفی کو ہے مرغوبِ طبع الا اللہ
طریق سئینٹفک کو ہے لا الہ پسند

رہا رسول کا درجہ سو وہ تو ہے قانون
کرے حریف اسے ناپسند خواہ پسند

اب اسکے آگے ہے جو کچھ گروہ بندی ہے
ہر اک کو اپنی ہی نسبت ہے واہ واہ پسند

مُلّاں را ہمہ اوصاف و ثنا ہا خوانند
مومناں را بحر اشنند بہ دشنامے چند

غیرتِ دیں بہ فروشند بہ یک غمزۂ کفر
چشم پوشند ز ملت پئے خودکامے چند

روح خود را چو سپردی بہ غلامیِ حریف
چہ کنی ناز بہ نامے و بہ خدامے چند

پختہ وضعے کہ خدا عقل و تمیزش داد است
قدمے ہم نہ نہد در رہ ایں خامے چند

ورد ایں نغمۂ حافظ کن و خوش باش اکبر
ہاں تو از بادۂ شیراز بزن جامے چند

اے گدایانِ خرابات خدا یار شماست
چشم انعام مدارید ز انعامے چند

دلائے چل ہمیں سوئے محمد
دکھا دے جنتِ کوئے محمد

شبِ عاشق ہے گیسوئے محمد
خدا کا نور ہے روئے محمد

چمن قرآں ہے ہر لفظ اسکا ہے گل
نہاں ہر گل میں ہے بوئے محمد

مشامِ جاں معطّر ہو رہا ہے
محمدؐ پھول ہیں واعظ صبا ہیں
یہ مژدہ اہل عالم کو سنا دو
خدا کے گھر سے ہے الحاق اسکو
درود اُس پر ملایک بھیجتے ہیں
ہوئی زائل جہاں سے ظلمتِ کفر
ہوے دلدوز تیر الفتِ حق
منوّر نورِ وحدت سے ہوا دل

زہے سودائے گیسوئے محمدؐ
کہ پھیلاتے پھریں بوئے محمدؐ
بھری رحمت سے ہے خوئے محمدؐ
یہہ دیکھو رفعتِ کوئے محمدؐ
توجہہ جس کی ہو سوئے محمدؐ
پڑا جب پر تو روئے محمدؐ
کھنچی جب قوس ابروئے محمدؐ
نثارِ پرتوِ روئے محمدؐ

خدا کا پیار ہے اُس دل پہ اکبرؔ
کشش جس دل کی ہے سوئے محمدؐ

آتا ہے وجد مجھکو ہر دین کی ادا پر
اے برہمن کھونگا ہر سحر کو میں مائی
پڑجاے آتے جاتے شاید نگاہِ سلطاں

مسجد میں ناچتا ہوں ناقوس کی صدا پر
موقوف کچھ نہیں ہے گنگا و زہد اپر
جو راہ سے الگ ہے افسوس اُس گدا پر

مجھے ہمنشیں ملا کیا اُنھیں حالِ دل سُنا کر
مری زندگی ہو کیونکر جو تو بیخبر ہو مجھ سے
مرا یار مہ جبیں ہے خوش ادا ہے نازنیں ہے
کرو شوق سے محبت مگر ایک بات سُن لو
نظر آیا چاند پھیکا تو چھپ گئے ستارے

وہ کہہ آے ساری باتیں مرے دشمنوں سے جاکر
نہ ہو شوق اگر وفا کا تو میں خوش ہوں تو جفا کر
مگر اس کا کم یقیں ہے کہ جیوں گا اُسکو پاکر
کسی اور کام کے پھر نہ رہو گے دل لگاکر
شبِ ماہ بھی نہ چمکی جو تو نکلا جگمگاکر

موقوف کچھ نہیں ہے فقط مے پرست پر
عزت ملی ہے شرکتِ کونسل کی شیخ کو
رندانِ پختہ کار کو موسم کی قید کیا

زاہد کو بھی ہے وجد تری چشم مست پر
غازہ ملا گیا ہے رخِ فاقہ مست پر
موقوف میکشی نہیں ماہِ الگست پر

بلبل کی شاخِ گُل کی نمو پر نگاہ ہو　　میری نظر ہے تاک ہی کے داربست پر
پھیکا ہے رنگ مے ترے عارض کے سامنے　　مستی ہے خود نثار ترے حسن مست پر
منظور مدحِ حسن ہے ہو یا نہ ہو کمر　　موقوف شاعری نہیں اس نسبت ہست پر
بندِ نقاب باندھتے ہیں مجھکو دیکھکر　　اہلِ نظر کا صاد ہے اس بند و بست پر
چل پھر نے انکی آنکھوں کی مجھ کو لبھالیا　　کیونکر نہ پیار آئے غزالوں کی جست پر
اُس باوفا کو حشر کا دن ہوگا روزِ وصل　　قائم رہا جو دہر میں عہد الست پر
ہے نشۂ غرور میں زاہد خراب تر　　پھر کیا میں اعتراض کروں مے پرست پر
اکثر مرے عزیز نئی روشنی میں ہیں　　رحمت خدا کی چاہوں گا اب مے پرست پر
بجلی کو ہاتھ آگیا تیری ہنسی کا طرز　　غنچوں کو رشک کیوں نہو اس تیز دست پر
گو حافظے کو یاد نہ ہو قصۂ ازل　　ہم تو جمے ہوئے ہیں قرارِ الست پر
کرسی نہیں ہے عرش تو پھر کیا یہ فخر و ناز　　کیوں معترض ہو فرش زمیں کی نشست پر

نظر اُن کی رہی کالج میں بس علمی فوائد پر　　گرا کیں چپکے چپکے بجلیاں دینی عقائد پر
بس اصلِ کار دیں تو صرف تسبیح و قناعت ہے　　عوام الناس باہم جنگ کرتے ہیں زوائد پر

بہت ہی کم پایے اپنے عارف کلام باری ہم میں آکر　　سرے سے بگڑا ہے سچ جو پوچھو عرب کا مذہب عجم میں آکر
اثر یہ تھا عیسوی نفس کا کہ زندہ ہوتا تھا جسم بیجاں　　یہاں تو ہم مر رہے ہیں لیکن بتانِ عیسا کے دم میں آکر
جو ضعف پوشیدہ دین میں تھا عیاں ہوا وہ ترے عمل سے　　زبانِ واعظ میں تھی جو طاقت چھپی وہ میرے قلم میں آکر

جو شوقِ مستی ہو دل کے اندر تو آپ سنئے کلامِ اکبر
اگر ہو ذوقِ شراب ساغر تو پیجئے بزمِ جم میں آکر

جس نے اُبھارا خلق کو طاعتِ کردگار پر　　نقش اُسی کا رہ گیا صفحۂ روزگار پر
شاہ و وزیر کے تو نام دب گئے ہسٹری کیساتھ　　سکۂ نام انبیاء اب بھی ہے ہر دیار پر

مغوی تو ملینگے تمھیں شیطان سے بہتر　　ہادی نہ ملے گا کوئی قرآن سے بہتر

ذی علم مصنّف ہو رہے حامیِ ملّت
ارماں نہیں کوئی اس ارمان سے بہتر

انسان اگر معرفتِ حق سے ہو غافل
کیا شک کہ بہائم ہیں اُس انسان سے بہتر

مخلوق الہی میں عمل پر جو نظر کر
انسان سے بد تر ہے نہ انسان سے بہتر

ہر حال میں ہے دل کے لئے حافظ و ناصر
دولت کوئی ممکن نہیں ایمان سے بہتر

یہ ہے کہ جھکاتا ہے مخالف کی بھی گردن
سن لو کہ کوئی شے نہیں احسان سے بہتر

سن لے جو توجہ سے بزرگوں کی نصیحت
پتھر کان جواہر نہیں اُس کان سے بہتر

خدا نے عقل کی نعمت عطا کی مہرباں ہوکر
ادائے شکر کر دیوانۂ حسنِ بتاں ہوکر

کھلیں وہ شرمگیں آنکھیں شبِ وصلت زباں ہوکر
محبت کی نظر نے دی اجازت مجھکو ہاں ہوکر

مجال اُس دام گیسو میں تھا یا کچھ نقص تھا دل میں
پھنسا آخر یہ کیونکر طائرِ عرش آشیاں ہوکر

عطا کر قسمتِ تصنیفِ سعدی یارب اُس گل کو
پھلے پھولے زمانے میں گلستاں بوستاں ہوکر

ترا قد دیکھکر اے گل میں تجھ کو سرو سمجھا تھا
مگر تو سرو سے بھی بڑھ گیا آخر رواں ہوکر

مجھی سے سب یہ کہتے ہیں کہ نیچی رکھ نظر اپنی
کوئی اُنسے نہیں کہتا نہ نکلو یوں عیاں ہوکر

جھکایا ہے جبیں کو آستانِ یار پر میں نے
سعادت ہے اگر رہجائے سنگِ آستاں ہوکر

کمال اُنکی عنایت ہے نہایت مہربانی ہے
کہیں آئیں محلے میں انھیں جانا نہاں ہوکر

اگر اللہ دیتا قوت گفتار شمعوں کو
تو دادِ ہمتِ پروانہ دیتیں یک زباں ہوکر

ہوائے نفس سے ہوکر الگ الفت میں مرجانا
وہ حالت ہے کہ رہ جاتی ہے زندہ داستاں ہوکر

مجالِ گفتگو کس کو ہے اُنکے حسن کے آگے
زبانیں بند کر دیں ان بتوں نے بے زباں ہوکر

قریبِ ختم تھی مجلس کہ آ نکلے ادھر وہ بھی
غرض واعظ کی محنت رہ گئی سب رایگاں ہوکر

یہ ارشاد آپ کا بالکل بجا ہے حضرتِ واعظ
مگر میں کیا کروں کچھ بن نہیں پڑتی جواں ہوکر

نگاہیں مل گئیں تھیں میری اُنکی رات محفل میں
یہ دنیا ہے بس اتنی بات پھیلی داستاں ہوکر

بہت مشکل ہوا ہے ختم کرنا مجھ کو نامے کا
وفورِ شوق سے رکتا نہیں خامہ رواں ہوکر

پھری قسمت ہوا کی آپ کی زلفوں کے صدقے میں	پریشاں ہو کے اٹھی تھی چلی عنبر فشاں ہوکر

بنو گے خسرو اقلیم دل شیریں زباں ہوکر	جہانگیری کرے گی یہ ادا نور جہاں ہوکر
دلوں کا قرب حاصل کیجیے راحت رساں ہوکر	نفس نے سینہ میں جا پائی ہے آرام جاں ہوکر
غریبوں سے لپٹ جاتی ہے دنیا فکر ناں ہوکر	امیروں کے مقابل ہوتی ہے حسنِ بتاں ہوکر
پئے ضبطِ محبت عقل مذہب میں ہوئی داخل	بنی وجہِ عناد آخر نصیبِ دشمناں ہوکر
مجال گفتگو کس کو فنا کا جب پیام آیا	ہوئی خاموش آخر شمع بھی آتش زباں ہوکر
کسی نے خوب فرمایا اک اسلامی کمیٹی میں	نمازی ہیں ندارد رہ گئی خالی اذاں ہوکر
کرم تھا دوستوں پر علم ایام گذشتہ میں	ستم ہے اس زمانے میں نصیبِ دشمناں ہوکر
جو دانشمند ہیں وہ یوں دعا دیتے ہیں لڑکوں کو	نہ ہو مکار پیری میں نہ ہو عاشق جواں ہوکر
جوانی کی دعا لڑکوں کو ناحق لوگ دیتے ہیں	یہی لڑکے مٹاتے ہیں جوانی کو جواں ہوکر
پھنسایا جھوٹی باتوں سے مجھے دنیا نے غفلت میں	سُلایا مجھکو اس مکّار نے افسانہ خواں ہوکر
نہیں اوج و تعلّی کا مزا مجھکو تواضع کا	یہاں تو خاکساری ہے رہو تم آسماں ہوکر
بدی طینت کی چھپ سکتی نہیں شیریں زبانی سے	دل اچھا ہو تو نبھ جاتی ہے شاید بد زباں ہوکر
زمیں کی طرح جس نے عاجزی و خاکساری کی	خدا کی رحمتوں نے اسکو ڈھانکا آسماں ہوکر

ضعیفی زور پر آئی ہوے بیدست و پا اکبر
کیا بچوں سے بدتر ہم کو پیری نے جواں ہوکر

روش ہو راست آزادانہ ساتھ اسکے تواضع بھی	چلو تم مثل تیر اکبر جھکو لیکن کماں ہوکر
خیالِ عزتِ مجنوں نہ چھوڑا اے دامنِ مجنوں	نہیں ہے ہوش اسکو خود تو اُڑ جا دھجیاں ہوکر
نگینِ بے بہا تھا دل ضرورت تھی حفاظت کی	ترا نقشِ تصور اس میں بیٹھا پاسباں ہوکر
مری زردی رخ کا ذکر ہے لبہائے جاناں پر	مزا دیکھو کہ حلوے میں پڑا ہوں زعفراں ہوکر
بلندیٔ مراتب سے تلوّن ہو گیا پیدا	بدلتے ہیں ہزاروں رنگ اب وہ آسماں ہوکر

اسی سے آشکارا ہے بلندی تیرے ایواں کی — پڑا ہے آسماں بھی تیرے در پہ آستاں ہو کر

میں پچھتایا بلاشِ پیر کی دیکر صلاح اُن کو — ہوئے وہ اور بھی ظالم مرید آسماں ہو کر

ق

بہار آئی کھلے گل زیبِ صحنِ بوستاں ہو کر — عنادل نے مچائی دھوم سرگرمِ فغاں ہو کر

بچھا فرشِ زمرد اہتمامِ سبزۂ تر میں — چلی مستانہ وش بادِ صبا عنبر فشاں ہو کر

عروجِ نشئہ نشو و نما سے ڈالیاں جھومیں — ترانے گائے مرغانِ چمن نے شادماں ہو کر

بلائیں شاخِ گل کی لیں نسیمِ صبح گاہی نے — ہوئیں کلیاں شگفتہ روئے رنگینِ بتاں ہو کر

جوانانِ چمن نے اپنا اپنا رنگ دکھلایا — کسی نے یاسمن ہو کر کسی نے ارغواں ہو کر

کیا پھولوں نے شبنم سے وضو صحنِ گلستاں میں — صدائے نغمۂ بلبل اُٹھی بانگِ اذاں ہو کر

ہوائے شوق میں شاخیں جھکیں خالق کے سجدے کو — ہوئی تسبیح میں مصروف ہر پتی زباں ہو کر

زبانِ برگِ گل نے کی دعا رنگیں عبارت میں — خدا سرسبز رکھے اس چمن کو مہرباں ہو کر

نگاہیں کاملوں پر پڑ ہی جاتی ہیں زمانہ کی
کہیں چھپتا ہے اکبر پھول پتوں میں نہاں ہو کر

بہار آئی ہے اک آئینۂ معنی نشاں ہو کر — چمن میں بوئے گل پھیلی ہے تیری داستاں ہو کر

خموشی میں جمالِ شاہدِ معنی نظر آیا — عبث اُلجھے رہے لفظوں میں ہم محوِ بیاں ہو کر

قیامت کیا ہے خلقت کو نہ صبر آنا جدائی پر — یہ فطرت خود بنے گی صورِ سرگرمِ فغاں ہو کر

جو راہِ معرفت میں کاروانِ دل قدم رکھے — تو ساری کائنات اُڑ جائے گردِ کارواں ہو کر

کیا اچھا جنھوں نے دار پر منصور کو کھینچا — کہ خود منصور کو مشکل تھا جینا رازداں ہو کر

تری فرقت میں ساری عمر جو تکلیف اُٹھاتے ہیں — اجل اے جاں اُنھیں کو آتی ہے آرامِ جاں ہو کر

اشارہ زاہدانِ خشک سے ہے دخترِ رز کا — ولی بنیے مریدِ حضرتِ پیرِ مغاں ہو کر

عجب کیا ہے جو دونوں دن ہیں بیہوشی کے دنیا میں — چلے جب ہو کے رخصت آئے جس دن میہماں ہو کر

الگ رکھتی ہے فطرت ہوش کو ایسے مواقع پر — کہ تا افشا نہ کر دے رازِ ہستی رازداں ہو کر

نمایاں ہیں ترے دامن کی سلیں کہکشاں ہوکر
اس اطلس کی زمیں اے ماہ چمکی آسماں ہوکر

ہوا زرد آفتِ گیسو میں زار و ناتواں ہوکر
مرے باغِ جوانی میں بہار آئی خزاں ہوکر

مری نسبت یہ فرماتے ہیں واعظ بدگماں ہوکر
قیامت ڈھائیگا جنت میں یہ بوڑھا جواں ہوکر

بہارِ عمر جب آخر ہوئی واپس نہیں آتی
درخت اچھے کہ پھلتے ہیں نئے سر سے جواں ہوکر

زبانیں دیکھتی ہیں آفتِ تقریر کو چپ ہیں
نگاہیں داستانیں کہہ رہی ہیں بے زباں ہوکر

ابھارا اسقدر اس عہد میں روشن خیالوں نے
کہ چل نکلی زمیں قایم مقامِ آسماں ہوکر

بنی آدم میں اتنے مہر طلعت ہوگئے پیدا
کہ چل نکلی زمیں قایم مقامِ آسماں ہوکر

دکھا کر ابرو و مژگاں نظر اُن کی یہ کہتی ہے
کسی سے کیوں جھکیں ہم صاحبِ تیغ و سناں ہوکر

بٹھا رکھا ہے اُس نامہرباں نے منتظر کر کے
خدا سے ہے مجھے اُمید اٹھا لے مہرباں ہوکر

لطیف الطبع تیز و تند رنگین و نشاط افزا
تمھیں سی ہوگئی ہے دخترِ رز بھی جواں ہوکر

کیا افسردہ نافہموں نے تجھ کو ہمنشیں ہوکر
طبیعت رُک گئی افسوس معنی آفریں ہوکر

ہجومِ یاس نے مطلق جگہ باقی نہیں رکھی
تمنا پھر گئی آخر درِ دل سے حزیں ہوکر

ہر لحظہ دیکھتا ہوں زمانے کی شان اور
گویا زمین اور ہے اور آسمان اور

دل اُس بتِ فرنگ سے ملنے کی شکل کیا
میرا طریق اور ہے اُس کی ہے شان اور

کیونکر زباں ملانے کی حسرت بیاں کروں
اُس کی زبان اور ہے میری زبان اور

اب شغل زندگی کے ہیں قانون ہی کچھ اور
کیسی غزل یہاں تو ہے مضمون ہی کچھ اور

وہ جادوے سخن ہے نہ وہ رنگِ انجمن
تہذیبِ مغربی کے ہیں افسون ہی کچھ اور

میلِ نظر ہے زلفِ مسِ کجکلاہ پر
سونا چڑھا رہا ہوں میں تارِ نگاہ پر

اچھا ہوا مقابلہ برقِ حسن و عشق
اُن کو ہنسی جو آگئی عاشق کی آہ پر

یا شہیدِ جلوۂ ساقی ہو یا میخانہ چھوڑ
ہوش کی پروا نہ کر یا شیشہ و پیمانہ چھوڑ

دین بچنے کا نہیں اِن صورتوں کے سامنے
یا پہن زنار اکبر یا درِ بتخانہ چھوڑ

جب مانتے ہو تم کہ خدا بھی ہے کوئی چیز
پھر کیوں نہیں کہتے کہ دعا بھی ہے کوئی چیز

واعظ نے کہا خوفِ خدا بھی ہے کوئی چیز
اُس بت نے کہا میری ادا بھی ہے کوئی چیز

کہتا ہے معالج کہ دوا کا بس اثر دیکھ
فریادِ زباں ہے کہ مزا بھی ہے کوئی چیز

پنہاں ہیں خموشی و تصوّر میں کمالات
لیکن اثرِ لفظ و صدا بھی ہے کوئی چیز

کھلتے ہوے عقدے نظر آتے ہیں ہزاروں
معلوم ہوا عقدہ کشا بھی ہے کوئی چیز

بیساختہ آتی ہے مصیبت میں یہ لب پر
فطرت ہی کی جانب سے دعا بھی ہے کوئی چیز

معنی کو ضرورت نہیں الفاظ کی اکبر
سب جانتے ہیں حسن صدا بھی ہے کوئی چیز

کم سن ہو ابھی تجربہ دنیا کا نہیں ہے
تم خود ہی سمجھ لوگے خدا بھی ہے کوئی چیز

تدبیر سدا راست جو آتی نہیں اکبر
انسان کی طاقت کے سوا بھی ہے کوئی چیز

ہم مصلحتِ وقت کے منکر نہیں اکبر
لیکن یہ سمجھ لو کہ وفا بھی ہے کوئی چیز

میں نے کہا کیوں لاش یہ آقا کی ہے مرتا
ق
ہوٹل کی طرف جا کہ غذا بھی ہے کوئی چیز

کتّے نے کہا ہو یہ جہالت کہ تعصّب
لیکن مرے نزدیک وفا بھی ہے کوئی چیز

طبع کرتی ہے ترے عشق کی تائید ہنوز
ان جفاؤں پہ بھی ٹوٹی نہیں امّید ہنوز

قصّۂ شوق کو چھیڑا ہے ازل سے دل نے
خاتمے پر مگر آئی نہیں تمہید ہنوز

نہ خوشی ہوتی ہے دل کو نہ طبیعت کو اُبھار
پھر سالانہ کیے جاتے ہیں ہم عید ہنوز

اور کچھ اس کے سوا کر نہیں سکتے ناصح
بس چلی جاتی ہے تعلیم کی تاکید ہنوز

کسقدر حار تھے سیّد کے وہ اجزاے رقام
علما دے رہے ہیں قوم کو تبرید ہنوز

دل تو مدّت سے ہے خاک درِ دیر اے اکبر
ہاں زباں پر ہے مگر کفر کی تردید ہنوز

غمِ جاناں سے میں کرنے کا نہیں جان عزیز
ہے سوا جان سے بھی مجھکو یہ مہمان عزیز

نگاہ اُس بتِ بے دیں کی ہے شراب فروش
عجب نہیں مجھے مستی کرے شباب فروش

کہا جو اُس نے کہ اب میں پھروں گا بے پردہ
منہ اُسکا دیکھ کے بس رہ گئے نقاب فروش

اہلِ مذہب میں زیادہ تر ہے بس لفظی نزاع
ایک ہی مالک جہاں کا ہے تو پھر کیسی نزاع

ایک ہے پریوں کا قائل ایک کو انکار ہے
سب نزاعوں میں جو ہے تو بس یہی اچھی نزاع

علم اگر ہوتا زیادہ اور رہوتی حرص کم
صلح ہوتی بیشتر لوگوں میں کم ہوتی نزاع

شیخ مائل ہوئے ہیں ساغر و مینا کی طرف
برکتیں نشہ کی لائیں گی کلیسا کی طرف

میں پھنسانے لگا کیوں دامِ بلا میں دل کو
خود کھنچا جاتا ہے اُس زلفِ چلیپا کی طرف

دوستوں نے انھیں حضرت کو خضر سمجھا ہے
انکی چالیں تو لئے جاتی ہیں اعدا کی طرف

جوشِ گریہ ہے یہ کیوں موسمِ پیری میں [illegible]
لوگ جاڑوں میں تو کم جاتے ہیں دریا کی طرف

گنتی میں زیادہ نہیں ہے قول مرا ایک
بے خوف میں کہتا ہوں اُسے یعنی خدا ایک

تثلیث کے قائل نے بھی خالق کو کہا ایک
تھی تین پہ سوئی مری ہیبت سے بجا ایک

کہتے ہو مسلمان ہیں اللہ کے طالب
دس پانچ نہیں مجھکو دکھا دو تو بھلا ایک

اللہ کی جانب متوجہ رہیں احباب
صف ہوگی شکستہ جو کہیں رخ نہ رہا ایک

یارب رہے جمعیتِ مسلم یونہیں قائم
رُخ ایک رسول ایک کتاب ایک خدا ایک

پہونچی نگاہِ عقلِ رسا دور دور تک
لیکن نہ جا سکی کبھی اوجِ حضور تک

جامِ مئے الست سے ایسی تھی بے خودی
ہستی کا اپنی حس نہوا نفخِ صور تک

کھنچی ہے نہ اُس سفاک کی تیغِ ستم اب تک
یہ کیا سچ ہے کہ ان زخموں پہ بھی زندہ ہیں ہم اب تک

ملت کو جو دیکھو تو نہیں حامیٔ دیں ایک
قوت کو جو پوچھو کہیں دو دل بھی نہیں ایک

دل تم نے لیا دین لیا مال نہ چھوڑا
باقی ہے مرے پاس فقط جانِ حزیں ایک

ہر ایک کو دو تم نے کیا تیغِ ستم سے
اب رہ گئے ہو عرصۂ ہستی میں تمہیں ایک

کیا جانئے سید تجھے ہے آگاہ کہاں تک
سمجھے نہ کہ سیدھی ہے مری راہ کہاں تک

منطق بھی تو اک چیز ہے اے قبلہ و کعبہ
دے سکتی ہے کام آپ کی واللہ کہاں تک

افلاک تو اس عہد میں ثابت ہوئے معدوم
اب کیا کہوں جاتی ہے مری آہ کہاں تک

کچھ صنعت و حرفت پہ بھی لازم ہے توجہ
آخر یہ گورمنٹ سے تنخواہ کہاں تک

مرنا بھی ضروری ہے خدا بھی ہے کوئی چیز
اے حرص کے بندو ہوس جاہ کہاں تک

تحسین کے لایق ترا ہر شعر ہے اکبر
احباب کریں بزم میں اب واہ کہاں تک

مِل گیا شرع سے شراب کا رنگ
خوب بدلا غرض جناب کا رنگ

چلدئے شیخ صبح سے پہلے
اڑ چلا تھا ذرا خضاب کا رنگ

پائی ہے تم نے چاند سی صورت
آسمانی رہے نقاب کا رنگ

صبح کو آپ ہیں گلاب کا پھول
دو پہر کو ہے آفتاب کا رنگ

لاکھ جانیں نثار ہیں اس پر
دیدنی ہے ترے شباب کا رنگ

ٹکٹکی بندھ گئی ہے بوڑھوں کی
دیدنی ہے ترے شباب کا رنگ

جوش آتا ہے ہوش جاتا ہے
دیدنی ہے ترے شباب کا رنگ

رند عالی مقام ہے اکبر
بو ہے تقوی کی اور شراب کا رنگ

تو عزیزانِ وطن سوچیں سول سروس سے کیا حاصل
یگانوں میں رہو بیگانہ ہو کر اس سے کیا حاصل

نہ سحرِ چشمِ جاناں ہے نہ لطفِ غمزۂ ساقی
تو پھر صحنِ چمن میں دیدۂ نرگس سے کیا حاصل

نہ ہو ادراک خالق کا نہ اُبھرے شوق طاعت کا
تو ایسے ذہن سے اکبر اور ایسے حس سے کیا حاصل

گو چکا چوند کا عالم ہے نئی روشنی میں
ہے مگر پیش نظر عرش کا تارا اسلام

غضبیتِ کفر سے اللہ بچائے سب کو
نور افگن رہے ہر سینہ میں پیارا اسلام

اُنکی خواہش مری نسبت ہو جو کچھ وہ جانیں
اُن کے مضبوط جہازوں کی مددگار ہے آگ

میں تو کرتا ہوں دعا لائیں نصارا اسلام
میری ٹوٹی ہوئی کشتی کا سہارا اسلام

خوفِ حق الفتِ احمد کو نہ چھوڑ اے اکبرؔ
منحصر ہے انہیں دو لفظوں پہ سارا اسلام

قرار نہیں ذرا بھی مجھے یہ کیسی حیا کہو تو صنم
اُٹھو بھی بس اب کرو نہ غضب گذر گئی شب خدا کی قسم

فراق کی شب نہ ہوگی سحر اجل سے کہو کہ آئے ادھر
عذاب میں ہوں نجات ملے کہاں تک اب سہوں نہیں ستم

خوشی بھی ہوئی الم بھی ہوا مزے بھی ملے ستم بھی سہے
نکل چکی دل کی ساری ہوس نظر میں ہے اب رہِ عدم

ہوئے ہیں مست مئے عاشقی کے جام سے ہم
خوشا نصیب چھٹے عاقلی کے دام سے ہم

نہیں کوئی شبِ تارِ فراق میں دلسوز
خموش شمع ہے خود جل رہے ہیں شام سے ہم

زمانہ جسکو مٹائے بھلائے خلق جسے
عبث ہے خوش ہوں جو ایسے نشانِ نام سے ہم

خوشی بہت ہے جہاں میں ہمارے گھر نہ سہی
ملول کیوں رہیں دنیا کے انتظام سے ہم

خوشامدی کو مبارک ہو رات دن چکر
یہاں تو رکھتے ہیں بس کام اپنے کام سے ہم

اخیر عمر میں آیا ہمیں خیالِ مآل
بہت دنوں میں ہوئے واقف اپنے کام سے ہم

گناہ کیا جو کہیں ہم بھی السلام علیک
کہ لطف اُٹھاتے ہیں اس بت کی رام رام سے ہم

ہمیں ہے یاد وہ عہدِ الست اے غافل
بہل سکیں گے نہ دنیا کی دھوم دھام سے ہم

چلا ہے فلسفہ لے کر ہمیں سوئے ظلمات
بہت ہی تنگ ہیں اس اسپِ بے لگام سے ہم

خیالِ یار میں اُلجھا ہوا ہے تارِ نفس
کبھی نہ ہونگے رہا عاشقی کے دام سے ہم

جبیں کے عشق سے آخر بچی نہ جان اپنی
تمام ہو گئے اس ماہِ ناتمام سے ہم

اگر وہ کہتے ہیں املی تو ہم کہیں گے یہی
ضرور کیا ہے کریں بحث جا کے آم سے ہم

ملا نہ امن شبستانِ دہر میں دم بھر
چراغِ صبح رہے اس جہاں میں شام سے ہم

اب اور چاہیے نیٹو کے واسطے کیا بات
یہی بہت ہے مشرف ہوئے سلام سے ہم

نگاہِ پیرِ مغاں کہتی ہے مریدوں سے
رہِ سلوک میں واقف ہیں ہر مقام سے ہم

فلک کے دور میں ہارے ہیں بازیِ اقبال
اگرچہ شاہ تھے بدتر ہیں اب غلام سے ہم

ہماری کوہ نوردی نہیں ہے بے معنی
کہ اُنس رکھتے ہیں اک کبکِ خوش خرام سے ہم

ہمیں خراب کرے گا خیالِ ابروئے یار
مفر نہ پائینگے اس تیغِ بے نیام سے ہم

سُنا ہے حلّتِ بادہ کا ہو گیا فتوے
خدا نے فضل کیا بچ گئے حرام سے ہم

لئے ہیں ہاتھ میں نامہ کھڑا ہے چپ قاصد
پتا ہے گھر کا نہ واقف ہیں اُنکے نام سے ہم

اشارہ کرتی ہے ساقی کی چشمِ مست اکبر
کہ دو جہاں کو بھلاتے ہیں ایک جام سے ہم

چھڑی اُٹھائی خموشی سے چل دئے اکبر
سفر میں رکھتے نہیں کام ٹیم ٹام سے ہم

دلِ مایوس میں وہ شورشیں برپا نہیں ہوتیں
اُمیدیں اسقدر ٹوٹیں کہ اب پیدا نہیں ہوتیں

مری بیتابیاں بھی جزو ہیں اک میری ہستی کی
یہ ظاہر ہے کہ موجیں خارج از دریا نہیں ہوتیں

وہی پریاں ہیں اب بھی راجہ اندر کے اکھاڑے میں
مگر شہزادۂ گلفام پر شیدا نہیں ہوتیں

یہاں کی عورتوں کو علم کی پروا نہیں بیشک
مگر یہ[1] شوہروں سے اپنے بے پروا نہیں ہوتیں

تعلق دل کا کیا باقی میں رکھوں بزمِ دنیا سے
وہ دلکش صورتیں اب انجمن آرا نہیں ہوتیں

ہوا ہوں اسقدر افسردہ رنگِ باغِ ہستی سے
ہوائیں فصلِ گل کی بھی نشاط افزا نہیں ہوتیں

قضا کے سامنے بیکار ہوتے ہیں حواس اکبر
کھلی ہوتی ہیں گو آنکھیں مگر بینا نہیں ہوتیں

سانس لیتے ہوئے بھی ڈرتا ہوں
یہ نہ سمجھیں کہ آہ کرتا ہوں

اُن کا گھر چھوڑ کر کہاں جاؤں
دل ہی کے ساتھ میں ٹھہرتا ہوں

ہوں اسیرِ طلسمِ بحرِ فنا
نقش بر آب ہی میں بھرتا ہوں

بحرِ ہستی میں ہوں مثالِ حباب
مٹ ہی جاتا ہوں جب اُبھرتا ہوں

[1] یعنی ہندی عورتیں بھی اپنے شوہر کی مددگار ہیں ۱۲

اتنی آزادی بھی غنیمت ہے
سانس لیتا ہوں بات کرتا ہوں

شیخ صاحب خدا سے ڈرتے ہوں
میں تو انگریزوں ہی سے ڈرتا ہوں

لن ترانی نہیں ہے مانعِ عشق
میں ترے نام ہی پہ مرتا ہوں

آپ کیا پوچھتے ہیں میرا مزاج
شکر اللہ کا ہے مرتا ہوں

یہ بڑا عیب مجھ میں ہے اکبر
دل میں جو آئے کہہ گزرتا ہوں

فلسفی کو بحث کے اندر خدا ملتا نہیں
ڈور کو سلجھا رہا ہے اور سرا ملتا نہیں

معرفت خالق کی عالم میں بہت دشوار ہے
شہرِ تن میں جبکہ خود اپنا پتا ملتا نہیں

غافلوں کے لطف کو کافی ہے دنیاوی خوشی
عاقلوں کو بے غمِ عقبیٰ مزا ملتا نہیں

کشتیٔ دل کی الٰہی بحرِ ہستی میں ہو خیر
ناخدا ملتے ہیں لیکن باخدا ملتا نہیں

غافلوں کو کیا سناؤں داستانِ عشقِ یار
سونے والے ملتے ہیں دردآشنا ملتا نہیں

زندگانی کا مزا ملتا تھا جن کی بزم میں
اُن کی قبروں کا بھی اب مجھکو پتا ملتا نہیں

صرف ظاہر ہو گیا سرمایۂ زیب و صفا
کیا تعجب ہے جو باطن باصفا ملتا نہیں

پختہ طبعوں پر حوادث کا نہیں ہوتا اثر
کوہساروں میں نشانِ نقشِ پا ملتا نہیں

شیخ صاحب برہمن سے لاکھ برتیں دوستی
بے بھجن گائے تو مندر سے ٹکا ملتا نہیں

جس پہ دل آیا ہے وہ شیریں ادا ملتا نہیں
زندگی ہے تلخ جینے کا مزا ملتا نہیں

لوگ کہتے ہیں کہ بدنامی سے بچنا چاہیے
کہہ دو بے اسکے جوانی کا مزا ملتا نہیں

اہلِ ظاہر جسقدر چاہیں کریں بحث و جدال
میں یہ سمجھا ہوں خودی میں تو خدا ملتا نہیں

چل بسے وہ دن کہ یاروں سے بھری تھی انجمن
ہائے افسوس آج صورت آشنا ملتا نہیں

منزلِ عشق و توکل منزلِ اعزاز ہے
شاہ سب بستے ہیں یاں کوئی گدا ملتا نہیں

بارِ تکلیفوں کا مجھ پہ بارِ احساں سے ہے سہل
شکر کی جا ہے اگر حاجت روا ملتا نہیں

چاندنی راتیں بہار اپنی دکھاتی ہیں تو کیا
بے ترے مجھکو تو لطف اے مہ لقا ملتا نہیں

معنیِ دل کا کرے اظہار اکبر کسطرح
لفظ موزوں بہرِ کشفِ مدعا ملتا نہیں

کسقدر بے فیض ان روزوں ہوئے دہر ہے
بوئے گل کو دامنِ بادِ صبا ملتا نہیں

فیضِ باطن سے مدد لے عشق کا ہو جبا مرید
اہلِ ظاہر کے ملائے تو خدا ملتا نہیں

ڈھونڈھتے ہیں لوگ اس دنیا میں اطمینانِ دل
کچھ بھی لیکن داغِ حسرت کے سوا ملتا نہیں

تیشۂ وحشت کے گم ہونے کا ہے اکبر کو غم
آہ تیشل عزت کا اُس کو کچھ مزا ملتا نہیں

دل کی ہمدردی سے کچھ تسکین ہوتی تھی مگر
اب تو اُس مظلوم کا بھی کچھ پتا ملتا نہیں

بیکسی میری نہ پوچھ اے جادۂ راہِ طلب
کارواں کیسا کہ کوئی نقشِ پا ملتا نہیں

اُسکو اربابِ طریقت میں کروں میں کیا شمار
آپ کی زلفوں سے جسکا سلسلہ ملتا نہیں

جب کہا میں نے مرا دل مجھکو واپس کیجئے
ناز و شوخی سے وہ بولے کھو گیا ملتا نہیں

جب کہیں ملتا ہے کرتا ہے نہ ملنے کا گلا
اور جو ملنے جاتا ہوں مردِ خدا ملتا نہیں

یوں کہو مل آؤں اُنسے لیکن اکبر سچ یہ ہے
دل نہیں ملتا تو ملنے کا مزا ملتا نہیں

پھر اور کون ہوگا جو آئے ہمارے کام
ہوگے شریکِ حالِ ہمارے نہ جب تمہیں

دنیا کے انتظام پہ اکبر نہ ہو ملول
انصاف یہ نہیں ہے کہ پا جاؤ سب تمہیں

یہ فقط نہیں ہے کافی کہ مرا مزاج پوچھیں
مرے دردِ دل کو سمجھیں مری احتیاج پوچھیں

تھا زمانہ کل موافق مجھے پوچھتا تھا ہر اک
میں تو انکو دوست سمجھوں کہ جو مجھکو آج پوچھیں

جنہیں تیری لو لگی ہے وہ جہان سے بیخبر ہیں
نہ وہ مال و جاہ ڈھونڈیں نہ وہ تخت و تاج پوچھیں

جو مرض ہے ہمکو لاحق وہی شرطِ زندگی ہے
جو نہ چاہیں اپنا جینا تو کوئی علاج پوچھیں

تو خود انکو لکھ کے لفافہ نہ کر انتظار اکبر
انھیں کیا غرض ہے ایسی کہ ترا مزاج پوچھیں

موسم گل میں صبا کو جو ہوئی ناچ کی دھن
لحن بلبل سے بھی پیدا ہوئی کھماج کی دھن

یہ کلاک اچھے سروں میں تو بجا کرتی ہے
صفت پیدا ہوئی ہے آپکو کیوں واچ کی دھن

نغمہ سنجی سے بھی آتی تھی خواتیں کو شرم
ساز و ضرب سے مگر ہو گئی اب ناچ کی دھن

کبھی دل کی ترنگ کا رنگ یہ ہے کہ میں سارے جہان کو پیار کروں
کبھی طبع میں سوچ سماتی ہے یہ کہ خود اپنی خودی سے بھی عار کروں

مجھے پیاری اگرچہ ہے جان حزیں مگر اُس سے سوا یہ عزیز نہیں
وہ گھڑی بھی تو آئے کہ پاؤں اٹھیں او انھیں پہ میں اسکو نثار کروں

کبھی غنچہ ہے یہ کبھی شعلہ ہے کبھی آئینہ ہے کبھی قطرۂ خوں
یہ ہے صفحۂ دہر پہ ڈالکا جو رنگ اُسے کونسی میں شمار کروں

فتنہ نہیں فساد نہیں شور و شر نہیں
یاں زن نہیں زمین نہیں اور زر نہیں

مانا کہ ہر طرح سے میں بے اختیار ہوں
پر یہ بتاؤ تم کو خدا کا بھی ڈر نہیں

دل زیست سے بیزار ہے معلوم نہیں کیوں
سینے میں نفس بار ہے معلوم نہیں کیوں

اقرار وفا یار نے ہر اک سے کیا ہے ۔
مجھ سے ہی بس انکار ہے معلوم نہیں کیوں

ہنگامۂ محشر کا تو مقصود ہے معلوم
دہلی میں یہ دربار ہے معلوم نہیں کیوں

جس سے دل رنجور کو پہونچی ہے اذیت
پھر اُس کا طلبگار ہے معلوم نہیں کیوں

اے گل ترا نظارہ دل آویز ہے لیکن
پہلو میں ترے خار ہے معلوم نہیں کیوں

افلاس میں مستی تو مجھے خوش نہیں آتی
ساقی کو یہ اصرار ہے معلوم نہیں کیوں

انداز تو عشاق کے پائے نہیں جاتے
اکبر جگر افگار ہے معلوم نہیں کیوں

جینے پہ تو جاں اہل جہاں دیتے ہیں اکبر
پھر یہ تجھے دشوار ہے معلوم نہیں کیوں

بھولے پن سے یہ پوچھتے ہیں تیری خاطر کیا کریں
اس محل پر راز دل ہم اُن پہ یہ ظاہر کیا کریں

ہیں کلکٹر نزع میں عملے کھڑے ہیں دم بخود
جب خدا ہی ہو گیا حاضر تو ناظر کیا کریں

آنکھیں آنکھوں کی خطا کیا خود ہیں ہم الفت میں مست
منتیں کیں ہاتھ جوڑے سر قدم پر رکھ دیا

آپ ہم ایمان چھوڑیں تو یہ کافر کیا کریں
پھر بھی بیٹھے تیوری چڑھی ہم پر اب خبر کیا کریں

بحثیں فضول تھیں یہ کھلا حال دیر میں
ہے ایک ادھر تو تحفہ زدہ اس طرف یہ وعظ
ہیں نقش میں شیخ دیکھ کے حسنِ مسِ فرنگ
چھوٹا اگر میں گردشِ تسبیح سے تو کیا

افسوس عمر کٹ گئی لفظوں کے پھیر میں
کشتے وہ کھا کہ پیٹ بھرے پان سیر میں
بچ بھی گئے تو ہوش آئیں آئے گا دیر میں
اب پڑ گیا ہوں آپ کی باتوں کے پھیر میں

ہم پاسِ دفترِ گل کے بہت ورق اُلٹے
میں خاک میں بھی اگر مل گیا تو کیا امید
نیاز اپنا سا نہ فرمائے مری نسبت ؟

مگر وہ یوسفِ معانیٔ روئے یار کہاں
وہ آستانہ کہاں اور مرا اغیار کہاں
بھلا حضور کہاں اور یہ خاکسار کہاں

ہاں ہجر کی رات یوں ہوں میں تصورِ قدِ یار میں
دل ہے ملول فرقتِ قامتِ ورودِ یار میں ؟
سوز نہاں ہے فرقتِ شمع جمالِ یار میں
کیا میں خوشی سے ہوں بسا کوچۂ زلفِ یار میں
ہونے دے انقلاب چرخ کو وہ الم کو لے اٹھا
یا یا ہوا ہے دہر کو دشمنِ انبساطِ دل
کر دیا ایسا زار و خشک منزلِ عشق نے مجھے
آئی نسیم باغ میں میرے یہاں نہ آئے تم
مستیٔ عشق کا مزا عہدِ شباب ہی میں ہے
مہر و کرم نے آپ کے ذرہ نوازیاں یہ کیں
تم تو بھلا کے وعدے کو شام سے پڑ کے سو رہے
سینے سے تیرے متصل شاید اسے قرار ہو

جیسے لحد میں ہو کوئی حشر کے انتظار میں
بھاڑ میں جائیں سرو و گل آگ لگے بہار میں
آگ سی ہے لگی ہوئی رشتۂ جانِ زار میں
کوئی بلا میں کیوں پھنسے دل ہو جو اختیار میں
ورنہ مگر سبک نہ ہو دیدۂ اعتبار میں
کھلتے ہیں کب گلِ مراد گلشنِ روزگار میں
خار چبھے گا مجھ میں کیا میں ہی چھپا ہوں خار میں
لالہ و گل بہت کھلے دل نہ کھلا بہار میں
بادہ کشی کا لطف اگر ہے تو فقط بہار میں
بات تو ورنہ کچھ نہ تھی بندۂ خاکسار میں
جاگا کیا میں صبح تک حسرت و انتظار میں
گوندھ لے میرے دل کو بھی اپنے گلے کے ہار میں

زلفِ جاناں کے ساتھ عاشق میری زندگی ہو یونہیں بسر
جیسے گل و نسیم کی نبھ گئی چاہ پیار میں

دعوتِ ریشِ شیخ کو دیکھ کے یہ ہوا یقیں
خرمنِ خس بھی شعلہ ہے آتشِ اعتبار میں

کھلنے پہ آئی ہے کلی بلبلو اب ہے بے کلی
حسن تو ہے ابھار پہ عشق ہے انتظار میں

ذکر اسے کو بکو پھیلی ہے بات جا بجا رسو
آتی ہے کچھ جنوں کی بو بیٹھا ہوں کوئے یار میں

سینے میں کیوں خلش ہے یہ حیات ہے کیوں ملیشہ ہے یہ
عقل کی سرزنش ہے یہ دل کو رکھ اختیار میں

الفتِ زلف قہر ہے حق میں ہمارے زہر ہے
بحرِ بلا کی لہر ہے روح ہے انتشار میں

بھونرے ہیں مست بوئے گل تیتریاں ہیں سوئے گل
سب کو ہے جستجوئے گل موسم خوشگوار میں

سنبلِ تر پہ خوب ہے جلوۂ شبنم لطیف
زلفِ پری کے تار ہیں گوہر آبدار میں

دور شراب لالہ فام کیوں نہ ہو لالہ زار میں
کچھ تو مزا ہو زیست کا کچھ تو کھلیں بہار میں

باد صبا کا ناچ ہو نغمہ سرا ہوں بلبلیں
شاخوں کی گود میں ہوں گل وہ ہوں مرے کنار میں

ہو اثر سرورِ مے کیف میں ہو میرا ایک سا شے
دل میں ہو زمزموں کی لے بول بجیں ستار میں

آنکھ کی ناتوانیاں حسن کی لن ترانیاں
پھر بھی ہیں جانفشانیاں کوچۂ انتظار میں

عشق میں نفع ہے ضرور اشک گریں تو ہے گہر
یاں تو ہیں پارۂ جگر لعل کے اعتبار میں

عشق ہو کس طرح نہاں لب پہ ہے غم کی داستاں
کہنے میں اب نہیں زباں دل نہیں اختیار میں

بے بہرہ ہیں نور سے وہ آنکھیں جو تیرے لئے غمناک نہیں
سرمہ وہ بصر افروز نہیں جسمیں ترے در کی خاک نہیں

بیگانہ سرور سے ہے وہ دل جو تیرے لئے غمناک نہیں
سرمہ وہ بصر افروز نہیں جسمیں ترے در کی خاک نہیں

اس رخ پہ نظر کا شوق جو ہو آنکھوں کو تو اپنی اشک سے دھو
ہے اسکے طہارت دل کی نہیں ہے اسکے نگاہیں پاک نہیں

رشتہ تو بتوں سے الفت کا قائم ہی رہا دل میں مدت سے
زنار پرستی باقی ہے اسمیں بھی مجھے کچھ باک نہیں

ہے مستیٔ عشق نصیب مجھے مشغول میں رہتا ہوں اس سے
حاجت نہیں مے کی میرے لئے انگور کی مجھکو تاک نہیں

صورت کی ہیں انکی جلوہ گری معنی سے ہے بالکل بے خبری
ہیں کام تو انکے صاف بہت نیت کے مگر یہ پاک نہیں

پلٹیں یہ نگاہیں لاکھ طرح خود اپنی مشاہد ہو نہ سکیں
کیا اصل و حقیقت ہے میری ادراک کو یہ ادراک نہیں

ان مدعیوں کا طرزِ عمل اکبر یہ شہادت دیتا ہے
پڑھنے کو کتابیں پڑھ لی ہیں سمجھے یہ مگر کچھ خاک نہیں

پیش کر دیتا شکایت کا تو کچھ مشکل نہیں
لیکن ان کو رنج ہوگا مجھ کو کچھ حاصل نہیں

عاشقوں کی زیست پر کیونکر نہ رشک آئے مجھے
زندگی کے بھی مزے پھر موت سے غافل نہیں

کیا طریقِ طالبِ دنیا کی جانب رخ کروں
دل کو ہو جس میں سکوں ایسی کوئی منزل نہیں

قوم میں گو علم ہو سکے بھی ہوائے زندگی
جان کیا پیدا ہو جب دو شخص بھی یکدل نہیں

مشرقی تو سرِ دشمن کو کچل دیتے ہیں
مغربی اُس کی طبیعت کو بدل دیتے ہیں

ناز کیا اس پہ جو بدلا ہے زمانے نے تمہیں
مرد وہ ہیں جو زمانے کو بدل دیتے ہیں

حضرتِ ہوش ہیں گو دل کے وفادار رفیق
آپ کی یاد جو آتی ہے تو چل دیتے ہیں

تخت کے قابض وہی دیہیم انکے ہاتھ میں
ملک انکا رزق کی تقسیم ان کے ہاتھ میں

برق کی صورت پہونچتا ہے طبائع پہ اثر
آگیا تارِ امید و بیم ان کے ہاتھ میں

ہم کو سایہ پر جنوں وہ دھوپ میں مصروفِ کار
مس پہ ہے اپنی نظر اور سیم انکے ہاتھ میں

صبر باقی ہے نہ ہم میں باہمی اعزاز ہے
سب کی ہے تذلیل اور تعظیم ان کے ہاتھ میں

شیخ کی جانب کوئی جاتا نہیں کہتے ہیں سب
ہے فقط اب کوثر و تسنیم ان کے ہاتھ میں

مغربی رنگ و روش پر کیوں نہ آئیں اب قلوب
قوم ان کے ہاتھ میں تعلیم ان کے ہاتھ میں

خوب تر ہم سے ہیں انکے دل میں اخلاقی اصول
گو نہیں ہے دینِ ابراہیم ان کے ہاتھ میں

جج بنا کر اپنے اچھوں کا لبھا لیتے ہیں دل
ہیں نہایت خوشنما دو جیم ان کے ہاتھ میں

مغرب ایسا ہی رہا اور ہے اگر مشرق یہی
ایک دن دیکھینگے ہفت اقلیم ان کے ہاتھ میں

دلیلیں فلسفہ کو نورِ باطن کر نہیں سکتیں
کواکب کی شعاعیں رات کو دن کر نہیں سکتیں

ضروری چیز ہے اک تجربہ بھی زندگانی میں
تجھے یہ ڈگریاں بوڑھوں کا ہمسن کر نہیں سکتیں

طلب کر دین سے اے محوِ نیچر جوشِ باطنی
صدائیں مرغ کی کارِ مؤذن کر نہیں سکتیں

جہاں کی زینتیں راحت رساں ہیں چشمِ غافل میں
مگر حق جو کے مضطر دل کو ساکن کر نہیں سکتیں

اُجڑے نہ پوچھ اے ہمنشیں میرا نشیمن تھا کہاں
اب تو یہ کہنا بھی مشکل ہے کہ وہ گلشن تھا کہاں

سامنے وہ تھے تو کہتا حالتِ دل کسطرح
ہوش ہی اُسوقت میں اے مشفقِ من تھا کہاں

دل جوانی میں ہماری جان کا خواہاں ہوا
آج تک سینے میں پوشیدہ یہ دشمن تھا کہاں

کرلیا ہمنے ازل میں شوق سے عہدِ الست
پیشِ چشم اُسوقت یہ دیر برہمن تھا کہاں

دہر میں خارِ تعلق سے اُلجھتا کس طرح
کرچکا تھا میں جنوں کو نذرِ دامن تھا کہاں

سچ ہے کسی کی شان یہ اے نازنیں نہیں
تو ہر جگہ ہے جلوہ گر اور پھر کہیں نہیں

میں نے وفورِ شوق میں شاید سنا نہ ہو
یا شاید آپ ہی نے نہ کی ہو نہیں نہیں

ان تیوروں کا میں تو ہوں کشتہ شبِ وصال
دل میں ہزار شوق زباں پر نہیں نہیں

دستِ جنوں سے قطع ہوا پیرہن مرا
دامن نہیں ہے جیب نہیں آستیں نہیں

کیا ذوقِ طبع ہو کہ نہیں کوئی معترض
کیا نکتہ سنجیاں ہوں کوئی نکتہ چیں نہیں

میں تم سے کیا بتاؤں کہ اسوقت ہوں کہاں
جب تم ہو پیشِ چشم تو پھر میں کہیں نہیں

میری نگاہِ شوق کا اللہ رے اثر
معشوق بھول جاتے ہیں اپنی نہیں نہیں

جب سے گناہ چھوڑ دئے سب کھسک گئے
اب کوئی میرا دوست نہیں ہمنشیں نہیں

ہے جس کو شوق اپنی خودی کی نمود کا
سچ پوچھئے تو اُس کو خدا پر یقیں نہیں

طالب خدا کی راہ میں سر رکھے مثلِ ماہ
نور جبیں کہاں ہو جو داغِ جبیں نہیں

اکبر ہمارے عہد کا اللہ رے انقلاب
گویا وہ آسماں نہیں وہ زمیں نہیں

یہ تماشے ہیں ہمیں زیر زمیں تو کچھ نہیں
زندگی جبتک ہے سب کچھ ہے نہیں تو کچھ نہیں

وہ یہ کہتے ہیں کہ دنیا ہی میں ہے سب کچھ حضور
میں یہ کہتا ہوں کہ اے حضرت یہیں تو کچھ نہیں

کارِ دنیا شوق سے کرتے رہو اے دوستو
لیکن اسکے ساتھ بگڑا کارِ دیں تو کچھ نہیں

اُن کا گھر اور اُن کی باتیں دیکھکر کہنا پڑا
قصرِ عالیشان ہے لیکن مکیں تو کچھ نہیں

ہوائے نفس کا طوفاں ہے بحرِ زندگانی میں
خدا محفوظ رکھے کشتیٔ دل کو جوانی میں

نہیں جمتا کسی کا نقش اس دنیائے فانی میں
حباب آسا مٹا اُبھرا جو بحرِ زندگانی میں

حباب آسا رہی وقعت جو اُبھرا زندگانی میں
عبث ہے خودنمائی کی ہوا اس بحرِ فانی میں

سکونِ قلب کی دولت کہاں دنیائے فانی میں
بس اک غفلت سی ہو جاتی ہے اور وہ بھی جوانی میں

تری پاکیزہ صورت کر رہی ہے حسنِ ظن پیدا
مگر آنکھوں کی مستی ڈالتی ہے بدگمانی میں

اجل کی نیند آجاتی ہے آخر سننے والے کو
قیامت کا اثر پاتا ہوں دنیا کی کہانی میں

نسیمِ صبحگاہی نکہتِ گل سے ہے بے پروا
مگر گیسو ترے مصروف ہیں عنبر فشانی میں

حباب اپنی خودی سے بس یہی کہتا ہوا گزرا
تماشا تھا ہوا نے اک گرہ دیدی تھی پانی میں

نہ پوچھ اے ہمنشیں وہ قصۂ عیش و طرب مجھسے
کسے اب یاد ہے اک خواب دیکھا تھا جوانی میں

کمر کا کیا ہوں عاشق کھل گئیں زلفِ دراز ان کی
کمر خود پڑ گئی ہے اک بلائے آسمانی میں

اسی صورت میں دلکش خوبیِ الفاظ ہوتی ہے
کہ حسنِ یار کا پیدا کرے جلوہ معانی میں

زبانِ حال سے پروانۂ بسمل یہ کہتا ہے
حضوری ہو اگر حاصل مزا ہے نیم جانی میں

فلک نے مضمحل کر کے ہمیں خس کر دیا آخر
بہے جاتے ہیں بے مقصود بحرِ زندگانی میں

ادائے شکر کر کے احتراز اولیٰ ہے اے اکبر
ہزاروں آفتیں شامل ہیں ان کی مہربانی میں

پریشاں ہوش کو کرتے ہیں ٹکڑے دل کے کرتے ہیں
مگر عاقل بھی ہیں کرتے ہیں جو کچھ مل کے کرتے ہیں

حریفوں سے لگاوٹ کرتے ہیں آپس میں لڑتے ہیں
یونہیں بربادیاں آتی ہیں یونہیں گھر بگڑتے ہیں

خوشامد کرتے ہیں غیروں کی اور آپس میں لڑتے ہیں
یونہیں بربادیاں آتی ہیں یونہیں گھر بگڑتے ہیں

بزرگوں سے عداوت دوستی یاوہ فروشوں سے
اور اسپر مدعی تہذیب کے بن کر اکڑتے ہیں

اُلجھنا زلفِ مغرب میں دکھاتا ہے رہِ دنیا
مگر دینی مقاصد میں ہزاروں پیچ پڑتے ہیں

تعجب نخوتِ اہلِ زمیں پر مجھکو آتا ہے
یہ اسپر کیوں اکڑتے ہیں کہ جسمیں مر کے گڑتے ہیں

ہمارا جوش ہیں آنا دکھا ہی دیگا رنگ اپنا
ابھی اس میکدے میں ہم پڑے گوشے میں سڑتے ہیں

تحیر آپ کی غزلوں پہ آتا ہے مجھے اکبر
بتوں پہ آپ مرتے ہیں کہ شیطانوں سے لڑتے ہیں

ضرورت جب جنیں پھر طبع کا کیوں رخ بدلتے ہیں
چمن ہوتے ہوئے بیفائدہ کانٹوں میں چلتے ہیں

عوض قرآن کے اب ہے ڈارون کا ذکر یاروں میں
جہاں تھے حضرت آدم وہاں بندر اچھلتے ہیں

ہمارا داغ دل کرتا ہے روشن بزم معنی کو
تو کیا شکوہ اگر ہم مغربی غزنوں سے جلتے ہیں

واعظ ہمیں یہ وعظ کا دفتر سنائے کیوں
ہم پوچھتے ہیں عالم ہستی میں آئے کیوں

موسیقی و شراب و جوانی و حسن ناز
بچتا ہے کون اور خدا بھی بچائے کیوں

حال انکا کیا ایک سے جو افسانہ حسرت کہتے ہیں
قائل تو وہی ہیں اے اکبر جو سہتے ہیں او چپ رہتے ہیں

ہے شاق جدائی اپنی ایسی رات پریشاں رہتے ہیں
ہم آپ کو بیحد چاہتے ہیں دل سے ہیں خدا سچ کہتے ہیں

ہے پاس شریعت بھی ہم کو ہیں عشق کی لہریں بھی دل میں
پابند ہیں ساحل مذہب کے دریا کی طرح سے بہتے ہیں

اکبر کی برائی اچھائی تو پوچھ محلے والوں سے
نظم انکی سنی ہے البتہ ہاں شعر تو اچھے کہتے ہیں

وزن اب ان کا معین نہیں ہو سکتا کچھ
برف کی طرح مسلماں گھلے جاتے ہیں

داغ اب ان کی نظر میں ہیں شرافت کے نشاں
نئی تہذیب کی موجوں سے دھلے جاتے ہیں

علم نے رسم نے مذہب نے جو کی تھی بندش
ٹوٹی جاتی ہے وہ سب بند کھلے جاتے ہیں

شیخ کو وجد میں لائی ہیں پیانوں کی گتیں
پیچ دستار فضیلت کے کھلے جاتے ہیں

تمہیں جو دیکھ لے پھر کیا وہ سمجھے حور جنت ہو
قیامت گو کہ برحق ہے مگر تم بھی قیامت ہو

مئے گلگوں کی جانب دل بہت کھنچتا ہے اے اکبر
مگر مشکل یہی ہے شیخ جی سن لیں تو آفت ہو

جسکو سارا قصہ عہد جوانی یاد ہو
کیا عجب ہے عہد پیری میں جو وہ ناشاد ہو

شوخ ایسا ہے کہ اُس بت کو اگر کافر کہو
ہنس کے کہتا ہے کہ پیارا لفظ ہے یہ پھر کہو

جو کہو چھا جائے اُن آنکھوں پہ مستی کی طرح
فتنۂ دوراں کہو ساقی کہو ساحر کہو

قیمتِ دل سن کے کہتے ہو کہ سودا ہے تجھے
خیر سودا ہی سہی تم بھی تو کچھ آخر کہو

خوشدلی عشق میں دستور یہی ہے کہ نہ ہو
ہاں اور اُن کو بھی تو منظور یہی ہے کہ نہ ہو

مرضِ عشق بھی کیا چیز ہے جس سے صحت
آرزوئے دلِ رنجور یہی ہے کہ نہ ہو

جلایا دل کو تڑپایا جگر کو
خدا رکھے سلامت اُس نظر کو

دلِ سوزاں کی گرمی بڑھتی ہے اب
خدا کے واسطے پہلو سے سرکو

جوانی مار ہی رکھتی ہے اکبر
سنبھالو دل کو یا روکو نظر کو

آبرو چاہو اگر انگریز سے ڈرتے رہو
ناک رکھتے ہو تو تیغِ تیز سے ڈرتے رہو

ہو مصیبت تو نہیں کچھ خوف سیلِ اشک سے
عیش ہو تو نفسِ طوفاں خیز سے ڈرتے رہو

دیدِ نرگس سے چمن میں لطف اٹھاؤ بے خطر
لیکن اُس چشمِ جنوں انگیز سے ڈرتے رہو

تا بہ سینہ گردنیں جھکنے لگیں تسلیم کو
دردِ دل اٹھا خیالِ یار کی تعظیم کو

گردنِ محراب مسجد خم ہوئی تسلیم کو
اٹھی آوازِ اذاں اسلام کی تعظیم کو

طفلِ دل نے مکتبِ ادراک میں کہا جو یا رب
عشق پیدا کر دیا اللہ نے تعلیم کو

فہم و ادراک میں ہو عقل میں ہو جاں میں ہو
حق تو یہ ہے کہ تمہیں جلوہ گرِ انساں میں ہو

ہاتھ ہو کام میں اور دل ترے ارمان میں ہو
ہے یہی طرزِ عمل خوب جو امکان میں ہو

میں تو سو جان سے مرتا ہوں مری جاں تم پہ
تم مری جان بچاؤ اگر امکاں میں ہو

چاند پیارا ہے تو کیا اُس سے سوا پیارا ہے
صحن میں بیٹھوں میں کیوں یار جو دالان میں ہو

پیاری صورت پہ تو انسان کو آتا ہی ہے پیار
دل کو روکیں کوئی صاحب اگر امکان میں ہو

حسن جس چیز میں ہو دیکھ کے خوش کر دل کو
بند کر لے مگر آنکھیں اگر انسان میں ہو

جھوٹ سے نفرت کلی ہو طمع سے پرہیز
ہو نہ کچھ اور یہ اتنا تو مسلمان میں ہو

دل جہاں ہوگا وہاں عشق بھی ہوگا پیدا
خواہ افریقہ میں ہو خواہ پرستان میں ہو

ہے غلامی ہی جو قسمت میں تو ہو لطف کے ساتھ
کہہ دو ہندی سے کہ آباد پرستان میں ہو

آپ کی آنکھ میں کس شئے یہ بھرا ہے جادو
اسکا ایما ہے کہ لغزش مرے ایمان میں ہو

کاہلی اور توکل میں بڑا فرق ہے یار
اٹھو کوشش کرو بیٹھے ہوئے کس دھیان میں ہو

ٹھیک ہو دل کی جو نسبت تو اثر دیں نالے
سر میں آواز ہو اکبر تو مزا تان میں ہو

ممکن نہیں کہ عشق ہو اور دل حزیں نہ ہو
میرا ہی حال دیکھ لے جسکو یقیں نہ ہو

گرم نظارہ ہر ایک سمت سر راہ نہ ہو
رہزنِ عقل کوئی صورتِ دل خواہ نہ ہو

شارحِ معنیِ حسن جب تئیں دل خواہ نہ ہو
فہمیں قاصر نہ ہوں خلقت کہیں گمراہ نہ ہو

یار کے دل میں اثر ہو یہ ہے مقصود کلام
اس کی پروا نہیں محفل میں اگر واہ نہ ہو

یہ چمک اسکی ہے اے جاں تمہارے دم سے
تم جو پہلو میں نہ ہو لطفِ شبِ ماہ نہ ہو

قلقلِ شیشہ کو سنئے تو ذرا حضرت شیخ
دیکھئے تو کہیں اس قُل میں ہو اللہ نہ ہو

جانتا ہوں میں شبِ وصل کی کوتاہی کو
یہ دعا ہے کہ مری عمر سے کوتاہ نہ ہو

یہ ادائیں یہ لگاوٹ یہ بلا کی چتون
میں تو کیا ضبط فرشتوں سے بھی اللہ نہ ہو

اک زمانہ ہے مرے قصۂ غم سے واقف
اسکا باعث جو ہے شاید وہی آگاہ نہ ہو

بے رخی اس بتِ کمسن کی نہیں باعثِ یاس
نظرِ شوق سے شاید ابھی آگاہ نہ ہو

کیوں گلابی کے عوض پہنا ہے جوڑا کاہی
طعنہ زن گل پہ مری جاں کہیں کاہ نہ ہو

شیخ کہتا ہے برائی بتِ خوش رو کی کرو
دل دھڑکتا ہے کہ ناخوش کہیں اللہ نہ ہو

چشمِ کافر کا اشارہ ہے کہ ایمان کیسا
چہرہ ہنستا ہے کہ دیکھو کوئی گمراہ نہ ہو

اِک ترحم کی نظر یار نے کی ہے آخر
دل سے نکلے تو کہاں تک اثرِ آہ نہ ہو

ق

اپنے ہاتھوں سے جو دو تخلیہ میں جام شراب
شیخ صاحب کو ذرا عذر بھی واللہ نہ ہو

اور سوا اسکے وہ اک شخص ہیں معقول پسند
غالباً جاڑوں میں یوں بھی اُنھیں اکراہ نہ ہو

جوششِ گریۂ پیہم کا ہے باعثِ رخِ یار
جزر و مد ہو نہ سمندر میں اگر ماہ نہ ہو

ہو نمود اور حسینوں کی چلے جائیں جو آپ
رونق آجائے کواکب میں اگر ماہ نہ ہو

میں سمجھتا ہوں کہ حوریں جو نہ ہوں جنت میں
تو عزازیل پھر انسان کا بدخواہ نہ ہو

دوست کا دوست نہ ہو جو۔ وہ مرا دشمن ہے
نہ ملے مجھسے وہ۔ اُس کا جو بھی خواہ نہ ہو

سالکِ راہ محبت کو خرد سے کیا کام
وہ تو چاہے گا کہ خود ہوش بھی ہمراہ نہ ہو

خرج کیسا ہیں فقط جمع کے شایق احباب
میں تو خوش ہوں اگر افزایش تنخواہ نہ ہو

گل پہ بلبل بھی فدا بادِ صبا بھی صدقے
صورت اچھی ہو تو پھر کون ہوا خواہ نہ ہو

نرگسِ مست تری قاتلِ عالم نکلی
کہیں صیادِ اجل کی یہ کمیں گاہ نہ ہو

پھر جو آنی ہے شبِ ہجر تو آجائے اجل
ایسی تکلیف مجھے پھر مرے اللہ نہ ہو

منتوں کی اُدھر افراط اِدھر کھٹکوں کی
ڈھونڈھوں وہ شہر کہ جسمیں کوئی درگاہ نہ ہو

زلف ابجد کی کہیں نفی نہ کردے ہندی
لام کی جا کہیں لا اے مرے اللہ نہ ہو

مرد آزاد ہو مجھ سے یہ تکلف کیسا
بس مرے ساتھ تو یہ اللہ و باللہ نہ ہو

دسترس صید پہ حاصل تجھے ہو خواہ نہ ہو
شیر ہی بن کے نکل صورت روباہ نہ ہو

ذوق آرام بجا شوق تعلّی بے جا
طلبِ رزق ہو لیکن ہوسِ جاہ نہ ہو

دل کو ہے عشق حقیقی نہیں ہوتی حرکت
وہیں چلتی ہے یہ کشتی کہ جہاں تھاہ نہ ہو

خیر خواہ آج زمانے میں کہاں ملتے ہیں
ہے یہی لاکھ غنیمت کوئی بدخواہ نہ ہو

تجھ کو تمکیں رہے نفرت ہو سبک وضعی سے
صورتِ کوہ ہو انسان صفتِ کاہ نہ ہو

شرک ہے اپنی خودی کا اگر آتا ہے خیال
کفر ہے جان سے پیارا اگر اللہ نہ ہو

یا قدم منزل یوسف میں نہ رکھ اے طالب
یا نہ کر شرط کہ واں گرگ نہ ہو چاہ نہ ہو

بند کر بیٹھا ہو آنکھیں جو تمہاری دھن میں
کیا عجب شورِ قیامت سے بھی آگاہ نہ ہو

ہے اگر منزلِ راحت کی تلاش اے اکبر
وہ جگہ ڈھونڈھ تمنا کی جہاں راہ نہ ہو

تم اگر چاہو برائی نہ کسی کی اکبر
پھر تمہارا بھی جہاں میں کوئی بدخواہ نہ ہو

شکر ہے راہ ترقی میں اگر بڑھتے ہو
یہ تو بتلاؤ کہ قرآں بھی کبھی پڑھتے ہو

شیخ صاحب کا تعصب ہے جو فرماتے ہیں
اونٹ موجود ہے پھر ریل پہ کیوں چڑھتے ہو

یہ سوال انکا ہے البتہ بہت بامعنی
کہ سمجھ بوجھ کے قرآں بھی کبھی پڑھتے ہو

دیں کو سیکھ کے دنیا کے کرشمے دیکھو
مذہبی درس الف بے ہو علیگڑھ تے ہو

بہت رہتی ہے حیراں دیکھکر گو تیری قدرت کو
ادا کرتی نہیں چشم تماشا حقِ حیرت کو

بہت خوش ہے کہ قد لعبت چیں کے مطابق ہے
ہمارے طفلِ دل نے کھیل سمجھا ہے قیامت کو

سب ہو چلے ہیں اُس بتِ کافر ادا کے ساتھ
رہ جائینگے رسولؐ ہی بس اب خدا کے ساتھ

جادو کیا یہ کس بتِ کافر نگاہ نے
اسلام میں وفا نہ رہی اتقا کے ساتھ

خواب اجل ہی نیند کے بدلے اب آئے گا
دیوانہ کر دیا مجھے اک شب مسلا کے ساتھ

واعظ کے اعتراض سے تنگ آگیا ہوں میں
اُسکو بھی دیکھ لو کبھی تم اک ادا کے ساتھ

اکبر دعا کا ذوق ہو کیونکر نصیبِ دل
اُٹھے نہ دردِ دل بھی جو دستِ دعا کے ساتھ

کرتے ہو تم خوشامدِ دنیا بڑھا کے ہاتھ
اللہ کی طرف نہیں اُٹھتے دعا کے ہاتھ

اچھی نہیں شئے کوئی محبت سے زیادہ
وہ بھی ہے بُری ہو جو ضرورت سے زیادہ

اے حسن کے مائل یہ نصیحت مری سن لے
سیرت پہ نظر چاہیئے صورت سے زیادہ

سید سے علیگڈھ میں یہ جاکر کوئی کہدے
ہے تجھکو طلب قوم کی قسمت سے زیادہ

مجھ رند سے اس درجہ نہ ہو محترز اے شیخ
تو پاک نہیں ہے مری نیت سے زیادہ

اک بوسہ پہ وہ ٹال گئے ہم بھی رہے چپ
سمجھے کہ کسے ملتا ہے قسمت سے زیادہ

عشق بتاں میں اکبرِ ناداں تیری یہ حالت توبہ توبہ
ایسے مسلم فخرِ حرم کی دیر میں خلوت توبہ توبہ

دیوانوں سے شعر نہ چھینئے سب کا خلاصہ مجھ سے سنئے
آپ کی صورت سبحان اللہ میری نیت توبہ توبہ

مذہب چھوڑو ملت چھوڑو صورت بدلو عمر گنواؤ
صرف کلرکی کی امید اور اتنی مصیبت توبہ توبہ

ٹر کے کھینچی ہے دستِ تخیل سے بوئے بد بھی آتی ہے اس سے
ایسی چیز سے بھائی صاحب آپکو رغبت توبہ توبہ

خرمنِ گل کو خزاں لیجائیگی اک بار باندھ
آشیانہ یاں نہ نوائے عندلیبِ زار باندھ

شعر میں اکبر یہی مضمون تو ہر بار باندھ
اے مسلماں سبحہ لے لے برہمن زنار باندھ

سر میں سودا آخرت کا ہو یہی مقصود ہے
مغربی ٹوپی پہن یا مشرقی دستار باندھ

تعلق تجھسے بیخبر ہے ورنہ خیر خالق کہہ تو
تار برقی گر نہیں ہے آنسوؤں کا تار باندھ

بیکار شب کو یوں میرے بستر پہ آ نہ رہ
اکبر جو تجھکو نیند نہ آئے تو شعر کہہ

بچنا فضول گوئی سے ہے مقصدِ سکوت
معقول بات ذہن میں آئے تو چپ نہ رہ

تمام خدا ٹیڑھے ہیں کہیں آپ بدر سے
چودہ شبیں وہاں ہیں تو یاں سال چار دہ

یہ عمر یہ جمال یہ جادو بھری نگہ
پھر اس پہ واعظوں کا یہ کہنا کہ باز رہ

ٹٹو پہ جس طرح سے ہو تازی کا ساز بوجھ
یوں بابوانِ ہند پہ ہے اب نماز بوجھ

کپتان اپنی موج میں ہے ہم ہیں ڈوبتے
واللہ قوم پر ہے یہ قومی جہاز بوجھ

منصور سر کٹا کے سبکدوش ہو گیا
تھا سخت اُسکے دل پہ انا الحق کا راز بوجھ

اکبر کے واسطے بھی وہی شرط پاس کی
ہر ایک پر نہ لادئے بے امتیاز بوجھ

جو کر دے حسن کو مشتاقِ دیدار
غضب ہے وہ ادائے عاشقانہ

شنا خونِ جگر کھاتا ہے اکبر
مبارک یہ غذائے عاشقانہ

آئینہ رکھدے بہارِ غفلت افزا ہو چکی
دل سنوارا اپنا جوانی خودآرا ہو چکی

خانۂ تن کی خرابی پر بھی لازم ہے نظر
زینت و آرایشِ قصرِ معلّٰی ہو چکی

بیخودی کی دیکھ لذت کرکے ترکِ آرزو
ہو چکی حد ہوس مشقِ تمنا ہو چکی

حسنِ مطلق کے تصور سے بھی لے دو ایک جام
روئے زیبا ہو چکا زلفِ چلیپا ہو چکی

چل بسے یارانِ ہمدم اُٹھ گئے پیارے عزیز
آخرت کی اب کر اکبرؔ فکر دنیا ہو چکی

نکہتِ گُل سے شمیمِ زلف یاد آہی گئی
آج تو مجھکو نسیمِ صبح تڑپا ہی گئی

بادۂ عرفاں کی مستی روح کو بھا ہی گئی
عقل سر میں رہ گئی دل میں کچھ اور آہی گئی

اس جفا پر بھی طبیعت اُس پہ بس آہی گئی
اک ادا ظالم نے ایسی کی کہ وہ بھا ہی گئی

عاشقوں میں رسمِ عیشِ دنیوی رائج نہیں
قیس کب دولھا بنا لیلیٰ کہاں بیاہی گئی

اک لطافت قلب میں تھی عقل و حکمت کے سوا
رہ گئے سب وہ مگر پرتو ترا پا ہی گئی

مختلف شکلوں میں آکر ہو گئی آخر ہوا
ابر کی چھبتی مری امید پر چھا ہی گئی

عشوہ ہائے دشمنِ ایماں کا اک طوفان تھا
دیکھکر بُت کو مگر یادِ خدا آہی گئی

خوش نصیبی زالِ دنیا کی تعجب خیز ہے
چاہے جانے کے نہ تھی لایق مگر چاہی گئی

مستیِ مے سے نظر اُن کی تھی تیغِ بے نیام
نشۂ عشق و جنوں سے پھر بھی شرما ہی گئی

سیکھ لو بدلی سے تم طرزِ عمل اے عاملو
جو سمندر سے لیا تھا ہم پہ برسا ہی گئی

اپنے تمکین و تحمل پر بہت نازاں تھا میں
اک بتِ کافر کی چشمِ مست تڑپا ہی گئی

رقص کرتی ہے صبا نغمہ سرا ہے بلبل
شاہدِ گُل کے لئے ناچ بھی ہے گانا بھی

ہر رُکاوٹ کی وہ دھج ہے کہ تڑپ جاتا ہے دل
کسی اُستاد سے تم سیکھے ہو شرمانا بھی

کچھ طرزِ ستم بھی ہے کچھ اندازِ وفا بھی
کھلتا نہیں حال اُنکی طبیعت کا ذرا بھی

عشوہ بھی ہے شوخی بھی تبسم بھی حیا بھی
ظالم میں اور اک بات ہے ان سب کے سوا بھی

ایمان بھی تھا علم بھی تھا عقل رسا بھی
وہ لے گئے دل اور کوئی بولا نہ ذرا بھی

الفت ہی میں کرتے ہیں شکایت بھی گلا بھی
اب اسکو بھلا دو کہا گر میں نے کہا بھی

سچ بات کا انکار میں کیونکر کروں اے بت
بیشک مجھے آتی ہے کبھی یاد خدا بھی

سالک کو دم تیغ ہے قطع رہ توحید
وہ ہو گیا اک آن میں چوکا جو ذرا بھی

کچھ قدر نہ کی عہد جوانی کی صد افسوس
ہم رہ گئے غفلت میں یہ آیا بھی گیا بھی

تصدیق ہوئی دیکھ کے وہ قامت زیبا
سنتا تھا کہ فتنے ہیں قیامت کے سوا بھی

دیکھیں کسے حاصل ہو قدمبوسی جاناں
پسنے کو ہے موجود مرا دل بھی حنا بھی

ڈاڑھی بھی یہ واعظ کے ہے تلووں پہ بھی آنکے
چالاک مرے ہاتھوں کی صورت ہے حنا بھی

باقی نہ رہا خون بھی اب میرے جگر میں
افسوس ہوا چاہتی ہے ترک غذا بھی

کیونکر کہوں رنگینئ باطن سے ہے عزت
پامال نظر آتی ہے مجکو تو حنا بھی

چپ رہتا ہوں تو کہتے ہیں الفت نہیں تجھکو
کرتا ہوں خوشامد تو یہ فرماتے ہیں جا بھی

کہتے ہیں کہ اکبر نے کیا عشق بتاں ترک
اس بات سے تو خوش نہ ہوا ہوگا خدا بھی

نظر لطف سے بس اک ہمیں محروم رہے
اور کیا عرض کریں آپ کو معلوم رہے

چمن کی یہ کیسی ہوا ہو گئی
کہ صرصر سے بدتر صبا ہو گئی

عیادت کو آئے شفا ہو گئی
علالت ہماری دوا ہو گئی

وہ اٹھے تو لاکھوں ہی فتنے اٹھے
چلے تو قیامت بپا ہو گئی

پڑھی یاد رخ میں جو میں نے نماز
عجب حسن کے ساتھ ادا ہو گئی

تماشائے مقتل کو آئے جو وہ
تڑپنے کی لذت سوا ہو گئی

محبت کی گرمی بھی کیا چیز ہے
طبیعت مری کیا سے کیا ہو گئی

لگاوٹ بہت ہے تری آنکھ میں
اسی سے تو یہ فتنہ زا ہو گئی

میں ممنون ہوں وعدۂ یار کا
تسلی تو خیر اک ذرا ہو گئی

بتوں نے بُھلایا جو دل سے مجھے
مرے ساتھ یادِ خدا ہو گئی

انھیں نے عطا کی تھی جانِ حزیں
ہوا خوب انھیں پہ فدا ہو گئی

مری روح تن سے جدا ہو گئی
کسی نے نہ جانا کہ کیا ہو گئی

بہت دخترِ رز تھی رنگیں مزاج
نظر ملتے ہی آشنا ہو گئی

مریضِ محبت ترا مر گیا
خدا کی طرف سے دوا ہو گئی

نہیں تھی تو نامِ کمر کیوں ہوا
جو پیدا ہوئی تھی تو کیا ہو گئی

نہ تھا منزلِ عافیت کا پتا
قناعت مری رہنما ہو گئی

ملا میں بھی اک رات دنیا سے خوب
مرے گھر بھی یہ بیسوا ہو گئی

ستایا بہت حاسدوں نے مجھے
تری مہربانی جفا ہو گئی

گھٹی گو کہ رندی سے وقعت مری
طبیعت مگر بے ریا ہو گئی

گوارا نہ تھا ذکرِ خونِ جگر
مگر اب تو میری غذا ہو گئی

بتوں کو محبت نہ ہوتی مری
خدا کا کرم ہو گیا ہو گئی

اشارہ کیا بیٹھنے کا مجھے
عنایت کی آج انتہا ہو گئی

رہِ معرفت میں جو رکھا قدم
خودی بھی بس اک نقشِ پا ہو گئی

کتابِ حقیقت کرے کون ختم
کہ ہر اک خبر مبتدا ہو گئی

وہ ساری امیدیں ملیں خاک میں
جو بدلی اٹھی تھی ہوا ہو گئی

فلک سے مٹا دل کا سارا ابھار
جو بدلی اٹھی تھی ہوا ہو گئی

یہ تھی قیمتِ رزق لوٹے جو دانت
غرض کوڑی کوڑی ادا ہو گئی

پھنسی جسمِ خاکی میں روحِ لطیف
اسیرِ کمندِ ہوا ہو گئی

دوا کیا کہ وقت دعا بھی نہیں
تری حالت اکبر یہ کیا ہو گئی

عاشق جو آستانۂ مشکل کشا کی ہے — تابش مری جبین پہ نورِ خدا کی ہے
حبِّ علی سے ہو گی دلوں کو شگفتگی — کلیوں کو احتیاج نسیمِ صبا کی ہے
رو بہ مزاجیاں سگِ دنیا کی دیکھ لیں — حسرت بس اب زیارتِ شیرِ خدا کی ہے

ق

صورت شگفتہ ہر گلِ رنگیں قبا کی ہے — مستانہ چال باغ میں بادِ صبا کی ہے
آزار ہی نہیں ہے کہ پیدا ہو اشک و آہ — دنیا میں دھوم خوبیِ آب و ہوا کی ہے
پھولوں سے لو لگائے ہے بادِ صبا کی لے — دمساز تانِ بلبلِ شیریں نوا کی ہے
سبزہ لہک رہا ہے بہ صد انبساطِ طبع — سنبل میں تاب یار کی زلفِ دوتا کی ہے
مرغانِ باغ وجد میں ہیں فرطِ شوق سے — ڈوبی ہوئی مزے میں طبیعت ہوا کی ہے
آراستہ ہے ایک طرف بزمِ مومنیں — کثرت لبوں پہ حمد و درود و دعا کی ہے
پوچھا جو اس سماں کا سبب بول اٹھے ملک — پیدائشِ آج حضرتِ مشکل کشا کی ہے

دل مرا اُن پہ جو آیا تو قضا بھی آئی — درد کے ساتھ ہی ساتھ اسکی دوا بھی آئی
آئے کھولے ہوئے بالوں کو تو شوخی سے کہا — میں بھی آیا ترے گھر میری بلا بھی آئی
وائے قسمت کہ مرے کفر کی وقعت نہ ہوئی — بت کو دیکھا تو مجھے یادِ خدا بھی آئی
ہوئیں آغازِ جوانی میں نگاہیں نیچی — نشہ آنکھوں میں جو آیا تو حیا بھی آئی
ڈس لیا افعیِ شامِ شبِ فرقت نے مجھے — پھر نہ جاگوں گا اگر نیند ذرا بھی آئی

فارسی اٹھ گئی اُردو کی وہ عزت نہ رہی — ہے زباں منہ میں مگر اسکی وہ قوت نہ رہی
بند کر اپنی زباں ترکِ سخن کر اکسیر
اب تری بات کی دنیا کو ضرورت نہ رہی

روز افزوں ہو محبت وہ ملاقات اچھی — شوق ملنے کا بڑھاتی رہے وہ بات اچھی
وہ عمل کیا جو دلیری کو گھٹائے اے دوست — قوتِ دل کو بڑھاتی رہے وہ بات اچھی
موقعِ بحث نہیں صاحبِ اقبال ہیں آپ — میری ہر بات بری آپ کی ہر بات اچھی

شب برات اچھی ہے ایجان نہ اچھی شب قدر
آپ جھتے ہیں مرے آئیں وہی رات اچھی

ہم بغل شاہد دلجو ہو تو جاڑا اچھا
ہمنشین ساقی مہوش ہو تو برسات اچھی

مائل ضبط بھی ہوں شائق فریاد بھی ہوں
جو پسند آپ کو آجائے وہی بات اچھی

فتنہ اُن آنکھوں نے اٹھا تو مچی واہ کی دھوم
سچ یہ ہے صاحب اقبال کی ہے بات اچھی

ہو نمود اپنی تو اندھیر کی پروا کس کو
کوئی تاروں سے جو پوچھے تو کہیں رات اچھی

آپ کے جور و ستم بھی ہیں دل آویز مجھے
چشم عاشق میں ہے معشوق کی ہر بات اچھی

بارِ خاطر ہو تو واعظ کا بھی ارشاد بُرا
دل کو بھا جائے تو اکبر کی خرافات اچھی

آپ کا خیر طلب لائق عزت نہ سہی
رحم ہی کیجئے للہ محبت نہ سہی

ہو رہو خاک در پیر مغاں اے اکبر
زندگی لطف سے کٹ جائیگی عزت نہ سہی

کر دیا کُنج قناعت میں بسر اکبر نے
عزت دل تو سلامت رہی دولت نہ سہی

سکھ پائے طبیعت جس سے تری رکھ شغل اپنا دن رات وہی
جو دل میں سمائے من بھائے ہے تیرے لئے حق بات وہی

کیا روتا ہے اگلے وقتوں کو تہ کرلے اپنے نوحوں کو
بھٹکاتے ہیں جو ان سے ہو الگ پھر دن ہے وہی اور رات وہی

دھرتی نے جو بدلا رنگ تو کیا تو اپنی نظر اوپر کو اٹھا
داتا کے کرم میں کیا ہے کمی بدلی ہے وہی برسات وہی

مری ناکامیابی کی کوئی حد ہو نہیں سکتی
صداقت چل نہیں سکتی خوشامد ہو نہیں سکتی

مری ہستی ہے خود شاہد وجود ذات باری کی
دلیل ایسی ہے یہ جو عمر بھر رد ہو نہیں سکتی

نہیں ہاتھ آتی دولت نام رٹنے سے بزرگوں کے
بہا سے جد کے ترکیب زبرجد ہو نہیں سکتی

نہایت خوشنما پتھر پڑے ہیں عقل پر اُن کی
جنھیں تسکین بے لعل و زمرد ہو نہیں سکتی

ترنم ساز ہستی کا تجھے کیا لطف دے غافل
تری روح آشنائے صوت سرمد ہو نہیں سکتی

بہار آئی ہے اے واعظ ابھی معذور رکھ مجھکو
مخل توبہ فصل گل کی آمد ہو نہیں سکتی

بری تعلیم سے پیدا ہوں گو رائیں غلط لیکن
طبیعت فطرتاً ہے نیک تو بد ہو نہیں سکتی
نمیں کو دیکھ کر اکبر میں جھکتا ہوں کسی در پر
نظر اپنی مرید طاق و گنبد ہو نہیں سکتی

مسلمانوں کو فیض اُس بزم سے ممکن نہیں اکبر
کہ جس میں عزتِ نام محمدؐ ہو نہیں سکتی

شکر ہے تم نے مرے درد کی کچھ داد تو دی
نہ دوا کی نہ سہی رخصتِ فریاد تو دی
کیا ہوا شمعِ حرم تو نے بجھائی اے دوست
دیر کے شعلہ زبانوں نے تجھے داد تو دی

بہر رفتار میں جب کرتا ہوں تدبیر نئی
ڈال دیتا ہے فلک پاؤں میں زنجیر نئی
تو خوشامد کا ہے محو اور میں قناعت کا مرید
میری اکسیر پرانی تیری اکسیر نئی
پالسی تیرے لئے میرے لئے صبر و رضا
میری اکسیر پرانی تیری اکسیر نئی
کھوئے دیتے ہو جو تم مذہب و ملت یارو
کیا سمجھتے ہو کہ مل جائیگی تقدیر نئی

اُلفت سے تری قطع نظر ہو نہیں سکتی
یہ بات تو اچھی ہے مگر ہو نہیں سکتی
افسوس کہ دل شوق حضوری میں ہے بیتاب
دربان یہ کہتا ہے خبر ہو نہیں سکتی
اغیار کی کی آمد و شد آپ نے جاری
راحت مجھے اب آپ کے گھر ہو نہیں سکتی

ختم کیا صبا نے رقص۔ گل پہ نثار ہو چکی
جوشِ نشاط ہو چکا۔ صوتِ ہزار ہو چکی
نیک و بد زمانہ کو دیکھ کے گل نے راہ لی
لطفِ نسیم ہو چکا۔ کاوشِ خار ہو چکی
رنگِ بنفشہ مٹ گیا۔ سنبلِ تر نہیں رہا
صحنِ چمن میں زینتِ نقش و نگار ہو چکی
مستیٔ لالہ اب کہاں۔ اُسکا پیالہ اب کہاں
دورِ طرب گذر گیا۔ آمدِ یار ہو چکی
رُت وہ جو تھی بدل گئی۔ آئی اور نکل گئی
تھی جو ہوا میں نکہتِ مشک تتار ہو چکی

اب تک اُسی روش پہ ہے اکبر مست و بیخبر
کہدے کوئی عزیز من فصلِ بہار ہو چکی

بہت رہا ہے کبھی لطفِ یار ہم پر بھی
گذر چکی ہے یہ فصلِ بہار ہم پر بھی

عروسِ دہر کو آیا تھا پیار ہم پر بھی
یہ بیسوا تھی کسی شب نثار ہم پر بھی

بٹھا چکا ہے زمانہ ہمیں بھی مسند پر
ہوا کیے ہیں جواہر نثار ہم پر بھی

عدو کو بھی جو بنایا ہے تم نے محرمِ راز
تو فخر کیا جو ہوا اعتبار ہم پر بھی

خطا کسی کی ہو لیکن کھلی جو اُن کی زباں
تو ہو ہی جاتے ہیں دو ایک وار ہم پر بھی

ہم ایسے رند مگر یہ زمانہ ہے وہ غضب
کہ ڈال ہی دیا دنیا کا بار ہم پر بھی

ہمیں بھی آتشِ اُلفت جلا چکی اکبر
حرام ہو گئی دوزخ کی نار ہم پر بھی

اُن کی نگاہ دشمنِ اسلام ہی رہی
شرم و حیا کے ساتھ بھی بدنام ہی رہی

یاروں نے سو طرح کے مشاغل کیے بہم
لیکن مجھے تو فکرِ مے و جام ہی رہی

تسکینِ دل اس بزم میں واللہ نہ پائی
چاہا تھا نکل جائیں مگر راہ نہ پائی

معنی سے معرّا نظر آیا مجھے ہر نقش
آنکھوں نے کوئی صورتِ دلخواہ نہ پائی

غوّاص رہی بحرِ حقیقت کی ہمیشہ
فکرِ حکمانے بھی مگر تھاہ نہ پائی

دیکھی نہ کوئی بات سوا نام کے اس میں
کچھ لذّتِ شان و حشم و جاہ نہ پائی

بارِ دلِ پُرغم میں کمی ہوتی کچھ اس سے
فریاد کی طاقت بھی مگر آہ نہ پائی

ملّت کا ادب اُٹھ گیا جس قوم کے دل سے
اقبال کے سمت اُس نے کبھی راہ نہ پائی

کفر کی رغبت بھی ہے دل میں بتوں کی چاہ بھی
کہتے جاتے ہیں مگر منہ سے معاذ اللہ بھی

اب تو نقدی سے کوئی صاحب مراد خوش کریں
سن چکا ہوں مرحبا بھی آفریں بھی واہ بھی

واہ کیا جلوہ ہے پیشِ چشمِ ادراکِ بشر
شبہ بھی ہاں بھی نہیں بھی وہم بھی اللہ بھی

حالت تو یہ پہونچی ہے کہ دیکھی نہیں جاتی
اور دل سے محبت ہے کہ اب بھی نہیں جاتی

کیا کام چلے اُن کی توجہ نہیں اکبر
اب کہیے خوشامد کی تو وہ کی نہیں جاتی

نئی تہذیب سے ساقی نے ایسی گرمجوشی کی — کہ آخر مسلموں میں روح پھونکی بادہ نوشی کی

تمھاری پالیسی کا حال کچھ کھلتا نہیں صاحب — ہماری پالیسی تو صاف ہے ایماں فروشی کی

چھپانے کے عوض چھپوا رہے ہیں خود وہ عیب اپنے — نصیحت کیا کروں میں قوم کو اب عیب پوشی کی

پہننے کو تو کپڑے ہی نہ تھے کیا بزم میں جاتے — خوشی گھر بیٹھے کرلی ہمنے جشنِ تاجپوشی کی

شکستِ رنگِ مذہب کا اثر دیکھیں نئے مرشد — مسلمانوں میں کثرت ہو رہی ہے بادہ نوشی کی

رعایا کو مناسب ہے کہ باہم دوستی رکھیں — حماقت حاکموں سے ہے توقع گرمجوشی کی

ہمارے قافیے تو ہو گئے سب ختم اے اکبر
لقب اپنا جو دیدیں مہربانی ہے یہ جوشی کی

۴

حسن ہے بیوفا بھی فانی بھی — کاش سمجھے اسے جوانی بھی

بڑھتا جاتا ہے حسن قوم مگر — ساتھ ہی اُسکے ناتوانی بھی

سب پہ حاوی ہیں لعبتانِ فرنگ — چپ ہیں بیگم بھی بُت ہیں رانی بھی

دل مبتلائے غفلت تو ہے محوِ دیرِ فانی — جو خدا کی یاد آئے تو اُسی کی مہربانی

جو گذر گیا خودی سے تو وہ مل گیا اُسی سے — نہ ہوائے رب ارنی نہ صدائے لن ترانی

میں زباں پہ لاؤں کیونکر وہ حدیثِ حسنِ مطلق — کہ نہ بار لفظ اٹھائے گی نزاکتِ معانی

میں سمجھ گیا وہی ہے مرے پردۂ نفس میں — مجھے اب تو سانس لینا ہی ہے لطفِ زندگانی

شیخ کی بات بگڑنے سے بھی مطلق نہ بنی — بادہ خواری پہ بھی اُس شوخ سے گاڑھی نہ چھنی

گم ہوئے ہوش جو دیکھا بتِ ترسا کا جمال — اسقدر کبر۔ یہ عشوے۔ یہ دھج۔ اللہ غنی

آپ کے ہو نہیں سکتے ہیں یہ عربی زینے — دل نہ ٹھہرے تو نگل جائے ہیرے کی کنی

پاؤں کانپا ہی کئے خوف سے اُنکے دیر تک — چُست پتلوں پہننے پہ بھی پنڈلی نہ تنی

دل ہی دیتا تھا یہ۔ وہ دین بھی کرتے تھے طلب
یہی باعث تھا کہ اکبر سے بتوں سے نہ بنی

آئی ہوگی کسی کو ہجر میں موت
مجھکو تو نیند بھی نہیں آتی

عاقبت بین بشر سے ہے یہ سوا
جانور کو ہنسی نہیں آتی

حال وہ پوچھتے ہیں میں ہوں خموش
کیا کہوں شاعری نہیں آتی

ہمنشیں بک کے اپنا سر نہ پھرا
رنج میں ہوں ہنسی نہیں آتی

عشق کو دل میں دے جگہ اکبر
علم سے شاعری نہیں آتی

وحشتِ غربت ہے علالت بھی ہے تنہائی بھی
اور ان سب پہ فزوں بادیہ پیمائی بھی

خوابِ راحت ہے کہاں نیند بھی آتی نہیں اب
بس اُچٹ جانے کو آئی جو کبھی آئی بھی

یاد ہے مجھکو وہ بیفکری و آغازِ شباب
سخن آرائی بھی تھی انجمن آرائی بھی

ق

صحنِ گلزار بھی تھا ساقیِ گلفام بھی تھا
مئے گلرنگ بھی تھی نے بھی تھی اور نائی بھی

نگہِ شوق وتمنا کی وہ دلکش تھی کمند
جس سے ہو جاتے تھے رام آہوے صحرائی بھی

ہم صنم خانہ جہاں کرتے تھے اپنا قائم
پھر کھڑے ہوتے تھے واں حور کے شیدائی بھی

اب نہ وہ عمر نہ وہ لوگ نہ وہ لیل ونہار
بجھ گئی طبع کبھی جوش پر گر آئی بھی

اب تو شیشے بھی مجھے دیو نظر آتے ہیں
اُس زمانہ میں پری زاد بھی رسوائی بھی

میں تو آنکھوں میں جگہ دینے کو حاضر تھا اُسے
نیند ظالم سے یہ پوچھو کہ کبھی آئی بھی

اب تلک گوشے سے اُمید رہائی نہیں کچھ
لیجیے ہوگئی ختم آج تو جولائی بھی

کام کی بات جو کہتی ہو وہ کہہ لو اکبر
دم میں چھن جائیگی یہ طاقت گویائی بھی

عشق و مذہب میں دورنگی ہوگئی
دین و دل میں خانہ جنگی ہوگئی

سختیِ ایام کا دیکھو اثر
گلبدن کی جا پہ سنگی ہوگئی

دخترِ رز شیشہ سے نکلی بے حجاب
سامنے رندوں کے ننگی ہوگئی

علم یورپ کا ہوا میداں وسیع	رزق میں ہندی کے تنگی ہو گئی
کردیا تنبع نے واقف کہ یہ ہستی کیا تھی	ہوش آیا تو کھلا حال کہ مستی کیا تھی
رنگِ حافظ پہ بہک جاتے ہیں اربابِ مجاز	یہ سمجھتے نہیں وہ بادہ پرستی کیا تھی
فرقتِ یار میں بدلی کا مزا کچھ نہ ملا	میری نظروں میں تو روتی تھی برستی کیا تھی
میں تو بت خانے میں گاہک نہ ہوا عزت کا	دین کے بدلے میں ملتی تھی تو سستی کیا تھی
اولوالعزمی جسے سمجھے تھے ہم وہ خودکشی نکلی	گمان ہوشیاری جس پہ تھا وہ بیہوشی نکلی
غضب یہ ہے کہ فریاد و فغاں بھی کر نہیں سکتے	جو دیکھی قال تو بس اس میں پندِ خاموشی نکلی
وقتِ پیری آگیا اکبر جوانی ہو چکی	سانس لینا رہ گیا اب زندگانی ہو چکی
ہجر میں دل کی سزا اے میرے جانی ہو چکی	ملئے اب بہر خدا نامہربانی ہو چکی
ایڑیوں تک پہونچی زلف انکی تو مجھکو کیا امید	راحتِ جاں یہ بلائے آسمانی ہو چکی
وقتِ لطف و مہر ہے ایجاں عشوے چھوڑئے	کیجئے دلداریاں۔اب دلستانی ہو چکی
ضعف ایسا ہے تو قصدِ کوئے جاناں کیا کروں	ہمت عالی تو نذرِ ناتوانی ہو چکی
رنگِ گلزارِ جہاں ہے ہائے کتنا بے ثبات	دو ہی دن میں لالہ و گل کی جوانی ہو چکی
ایک عالم منتظر ہے بس اٹھایئے اب نقاب	کیجئے برپا قیامت لن ترانی ہو چکی
عاشقیِ شاہدِ کالج ہے بربادیِ عمر	پاس تک پہونچے نہیں ہم اور جوانی ہو چکی
حضرتِ دل ہو گئے اس عہد میں جزو شکم	کیجئے عرضی نویسی شعر خوانی ہو چکی
رفیقِ حرص و مکاری دلیری ہو نہیں سکتی	جو ہیں روباہ طینت انمیں شیری ہو نہیں سکتی
کسیکے ساتھ دنیا نے وفا کی ہی نہیں اب تک	تو میں کیوں ہو رہوں اسکا جو میری ہو نہیں سکتی
کہوں جھومر کے ہوتے کیوں شتیلِ زر انکی زلفوں کو	جب اتنے چاند ہوں تو رات اندھیری ہو نہیں سکتی
خدا ہی جانے کتنے قالبوں میں مشترک ہو گی	یہ خاکِ جسم بھی دنیا میں تیری ہو نہیں سکتی
محبت اپنی ہی پریوں سے رکھیں حضرتِ اندر	مسِ مغرورِ لندن آن کی چیری ہو نہیں سکتی

فرزوں ہے دلکشی مشرق کی مغرب کی لطافت سے
حریفِ بلبلِ گلشن کنیزی ہو نہیں سکتی

خدا کا ہے جو کچھ ہے آپ ہم دو دن کے مہماں ہیں
خرد مندوں میں باہم میری تیری ہو نہیں سکتی

غزل میں حالتِ دل نظم کر سکتا ہوں اے اکبر
مگر اُن سے کہوں۔ اتنی دلیری ہو نہیں سکتی

تپشِ دل مجھے ہوتی ہے کہیں اس سے سوا
بیٹھے تو رہیے ابھی آپ نے دیکھا کیا ہے

پسند آئی ہے عزلت میں سوا اب ور گھر کا گوشا ہے
خدا کی یاد منزل ہے قناعت اپنا توشا ہے

طبیعت اوج پر ہے رزق ما یحتاج ملتا ہے
ہمیں اک خوشۂ گندم یہاں پرویں کا خوشا ہے

طرح پیامِ یار

اپنا رنگ اُن سے ملانا چاہیے
آج کل پینا پلانا چاہیے

خوب وہ دکھلا رہے ہیں سبز باغ
ہم کو بھی کچھ گل کھلانا چاہیے

چال میں تلوار ہے دل کی گھڑی
توپ سے اِس کو ملانا چاہیے

قولِ بابو ہے کہ جب بل پیش ہو
پیش حاکم بلبلانا چاہیے

کچھ نہ ہاتھ آئے مگر عزت تو ہے
ہاتھ اُس مس سے ملانا چاہیے

دو عالم کی بنا کیا جانے کیا ہے
نشانِ ماسوا کیا جانے کیا ہے

مری نظروں میں ہے اللہ ہی اللہ
دلیلِ ماسوا کیا جانے کیا ہے

حقیقت پوچھ گل کی بلبلوں سے
بھلا اسکو صبا کیا جانے کیا ہے

ہوا ہوں اُنکا عاشق ہے یہ اک جرم
مگر اسکی سزا کیا جانے کیا ہے

مرے مقصودِ دل تو بس تمھیں ہو
تمہارا مدعا کیا جانے کیا ہے

لگاوٹ بھی ہے ساتھ اسکے جفا بھی
تمہارا مدعا کیا جانے کیا ہے

نہ اکبر سا کوئی ناداں نہ ذی ہوش
ہر اک شے کو کہا کیا جانے کیا ہے

ہم اُن کی خوشی کے لئے کیا کچھ نہیں کرتے
لیکن وہ جفاؤں کے سوا کچھ نہیں کرتے

وہ کہتے ہیں یہ ٹھیک ہے ہم کہتے ہیں جی ہاں
بالفعل تو ہم اس کے سوا کچھ نہیں کرتے

بت خانے میں کچھ فیض نہ ہوگا تمہیں اکبر
تم یاں بھی بجز ذکر خدا کچھ نہیں کرتے

نہ بہتے اشک تو تاثیر میں سوا ہوتے
صدف میں رہتے یہ موتی تو بے بہا ہوتے

جنونِ عشق میں ہم کاش مبتلا ہوتے
خدا نے عقل جو دی تھی تو با خدا ہوتے

لیا نہ تخلیہ میں ان کا بوسہ چوک ہوئی
بلا سے مجھ پہ وہ ہوتے اگر خفا ہوتے

ستم کا حسن ہے کس سے بیاں تیرے محوِ جمال
کبھی سنا نہیں میں نے ترا گلا ہوتے

نہ ہوتی گر یہ حسینانِ چیں کی پابندی
تو ان کی چال سے فتنے بہت بپا ہوتے

سمجھ گئے کہ یہ اپنے حواس ہی میں نہیں
ہماری بات پہ اب وہ خفا نہیں ہوتے

یہ خاکسار بھی کچھ عرض حال کر لیتا
حضور اگر متوجہ ادھر ذرا ہوتے

یہ جس نے آنکھ نہیں دی ہے وہ قابلِ دید
پھر اس کو چھوڑ کے کیا محوِ ماسوا ہوتے

مجھے ایسے رند سے رکھتے ضرور ہی الفت
جناب شیخ اگر عاشقِ خدا ہوتے

دلوں کو الفتِ دنیا نے سخت ہی رکھا
ہوائے نفس میں غنچے شگفتہ کیا ہوتے

گناہگاروں نے دیکھا جمال رحمت کو
کہاں نصیب یہ ہوتا جو بے خطا ہوتے

ہے زاہدوں کو جو وحشت جمال انساں سے
تو کاش دخترِ رز ہی کے آشنا ہوتے

وہ ظلم تم میں ہے میرے سوا کوئی بندہ
تلاش سے بھی نہ پاتے جو تم خدا ہوتے

جناب حضرتِ ناصح کا واہ کیا کہنا
جو ایک بات نہ ہوتی تو اولیا ہوتے

مذاق عشق نہیں شیخ میں یہ ہے افسوس
یہ چاشنی بھی جو ہوتی تو کیا سے کیا ہوتے

یہ آنکھ اس بے خبری ظلم سے بھی ہے افزوں
اب آرزو ہے کہ وہ مائلِ جفا ہوتے

کبھی یہ میں نے نہ چاہا کہ ہوں وہ دوست مرے
امید کیا تھی کہ ہوتے تو بے ریا ہوتے

وضو سے ہو گئی جائز نماز یاروں کی | جوازِ عشق بھی ہوتا جو دل صفا ہوتے

تمہارے حسن کے بھی تذکرے ہیں شہروں میں | مرے سخن کے بھی چرچے ہیں جابجا ہوتے

محلِ شکر ہیں اکبر یہ درفشاں نظمیں
ہر اک زبان کو یہ موتی عطا نہیں ہوتے

ضروری کام ہے پیچر کا جو ہے کرنا ہی پڑتا ہے | نہیں جی چاہتا مطلق مگر مرنا ہی پڑتا ہے

خدا کو ماننا ہی پڑتا ہے دنیا کو جب برتو | خیالِ مرگ سے انساں کو ڈرنا ہی پڑتا ہے

آپ کے قصرِ دل آویز کا کہنا کیا ہے | مگر اکبر کو غرض کیا اُسے رہنا کیا ہے

سانس لینے کو ذرا ٹھہرا ہوں میں دنیا میں | کیسا سامانِ اقامت مجھے رہنا کیا ہے

کہہ چکا اسقدر اور پھر بھی الجھن دل کی | کچھ سمجھ میں نہیں آتا مجھے کہنا کیا ہے

مسکرا کر وہ لگے کہنے کہ ذلت ذلت | جب یہ پوچھا کہ سوا رنج کے سہنا کیا ہے

امید و بیم کے جھگڑوں سے آگاہی نہیں رکھتے | سبب یہ ہے کہ ہم کوئی تمنا ہی نہیں رکھتے

تجھے اے چرخ کیا مشکل ہے ہم کو مطمئن رکھنا | فقیرِ بینوا ہیں شوکتِ شاہی نہیں رکھتے

لبِ آشنائے دعا ہوں نہ ماسوا کے لئے | پکارئیے تو خدا کو تو بس خدا کے لئے

مقامِ شوق میں اے دل وہ رنگ پیدا کر | نظر زبان بنے عرضِ مدعا کے لئے

سوائے مرگ نہیں کچھ علاجِ دردِ فراق | اجل کو ڈھونڈتے پھرتے ہیں ہم دوا کے لئے

جو ہو سکے تو انھیں لاؤ بس میں اچھا ہوں | یہ اہتمام عبث ہے مری دوا کے لئے

جو آرزوئے اجل ہو تو دل کسی سے لگاؤ | بہانہ چاہیئے آخر کوئی قضا کے لئے

شبِ فراق میں آیا خیالِ زلفِ سیاہ | یہ اور طرہ ہوا گیسوئے بلا کے لئے

حسین ہونا ہی کافی ہے ظلم کرنے کو | تلاش عذر یہ کیوں ہے تمہیں جفا کے لئے

بتوں کے واسطے جاتا ہو تمہیں تو جانبِ دیر | سدھاریں شیخ ہی جی کعبہ کو خدا کے لئے

جہاں جہاں صفتِ اُس کبریا کے لئے | کہ عالم اسکے لئے اور وہ خدا کے لئے

طریقِ عشق میں دل خضر بن کے چھپتا یا
سمجھ گیا کہ مصیبت ہے رہنما کے لئے

زبان و چشم بتاں کا نہ پوچھئے عالم
وہ شوخیوں کے لئے ہے یہ ہے حیا کے لئے

خرابِ دل کو جو اُس نے کیا تو خوب کیا
بنا بھی تھا یہ اُسی چشم فتنہ زا کے لئے

مذہب کبھی سائنس کو سجدہ نہ کرے گا
انسان اُڑیں بھی تو خدا ہو نہیں سکتے

از راہِ تعلق کوئی جوڑا کرے رشتہ
انگریز تو نیٹو کے چچا ہو نہیں سکتے

نیٹو نہیں ہو سکتے جو گورے تو ہے کیا غم
گورے بھی تو بندے سے خدا ہو نہیں سکتے

ہم ہوں جو کلکٹر تو وہ ہو جائیں کمشنر
ہم اِن سے کبھی عہدہ برا ہو نہیں سکتے

دو ہی دن میں رخِ گل زرد ہوا جاتا ہے
چمن دہر سے دل سرد ہوا جاتا ہے

علم و تقویٰ پہ بڑا ناز تھا مجھکو لیکن
آپ کے سامنے سب گرد ہوا جاتا ہے

ہو رہی ہے مری فریاد کی اُلٹی تاثیر
وہ تو کچھ اور بھی بے درد ہوا جاتا ہے

یہ بت جو دلکش ہیں آج اتنے یہ روح پر کل عذاب ہونگے
نہیں سمجھتے جو حضرتِ دل تو آپ اک دن خراب ہونگے

ہمارے حالات کی حقیقت کسی پہ بھی منکشف نہ ہوگی
جو کوئی سوچیگا وہم ہونگے جو کوئی دیکھیگا خواب ہونگے

ڈنر کا مجھکو نہیں ہے چسکا وگرنہ ہے کارڈ میں تو لکھا
شراب ہوگی کباب ہونگے حضور عالی جناب ہونگے

بگاڑ میں بھی بنے رہینگے جو مستند طرز پہ ہیں قائم
جو بے اصولی کے ہیں مقلد وہ ہو کے ابتر خراب ہونگے

خواہش تھی ہمیں نئی تہذیب کے پیرو بنے
وہ نہ ہاتھ آیا مگر گنجِ معائب ہو گئے

بوسے ہی تک ہم تو پہونچے تھے رہِ تہذیب میں
کھائی وہ منہ کی کہ اب اُس سے بھی تائب ہو گئے

ہاں ہاں عدو بھی آپ کا طالب ضرور ہے
لیکن حضور فرق مراتب ضرور ہے

بنتے ہو میری جان تو آ بیٹھو گود میں
تم جانتے ہو روح کو قالب ضرور ہے

دل کا ہے قصور آپ کا طالب تو یہی ہے
میری نہ ہو تعذیر مناسب تو یہی ہے

راتوں کو بتوں سے وہ لگاوٹ بھی چلی جاے
اور صبح کو وہ نعرۂ یارب بھی نہ چھوٹے

کرتا ہے حقارت کی نظر پیر مغاں بھی
افسوس اگر اُن سے شراب اب بھی نہ چھوٹے

قلعی بھی ریاکار کی کھلتی رہے اکبر
طعنوں سے مگر طرزِ مہذب بھی نہ چھوٹے

معنی کو بھلا دیتی ہے صورت ہے تو یہ ہے
کمرے میں جو ہنستی ہوئی آئی مسِ رعنا
یہ بات تو اچھی ہے کہ الفت ہو مسوں سے
پیچیدہ مسائل کے لئے جاتے ہیں انگلینڈ
پبلک میں ذرا ہاتھ ملا لیجئے مجھ سے

نیچر بھی سبق سیکھ لے زینت ہے تو یہ ہے
ٹیچر نے کہا علم کی آفت ہے تو یہ ہے
حور اُن کو سمجھتے ہیں قیامت ہے تو یہ ہے
زلفوں میں اُلجھ آتے ہیں شامت ہے تو یہ ہے
صاحب مرے ایمان کی قیمت ہے تو یہ ہے

عبث ہر طائف و دولت پہ مجھکو رشک و حسرت ہے،
تعجب ہے مجھے ان شاعروں کے شور و غوغا پر
مجھے تب بے چین کرتا ہے نظارہ شبنم و گل کا
فنا کا دور جاری ہے مگر مرتے ہیں جینے پر

نہ ہر طاقت میں نیکی ہے نہ ہر دولت میں راحت ہے
کوئی پوچھے کہ تم کو کیا جو کوئی خوبصورت ہے
ادھر ہے پیچ گیسو کا ادھر عارض کی رنگت ہے
طلسم زندگانی بھی عجب اک راز فطرت ہے،

کون ایسا ہے جو یوں مجھ پہ عنایت رکھے
سچ تو یہ ہے کہ سلیقہ بھی ہے ہر کام میں شرط
نہ شریعت نہ طریقت نہ محبت نہ حیا
آدمی کے لئے دنیا میں مصائب ہیں بہت

صد و سی سال خدا تم کو سلامت رکھے
بُت کو چاہیے تو برہمن کی طبیعت رکھے
جس پہ جو چاہے وہ اس عہد میں تہمت رکھے
خوش نصیبی ہے جو وہ صبر کی عادت رکھے

کیا بتاؤں تمہیں اچھائی کی پہچان اکبر
بس وہی خوب ہے جو تم سے محبت رکھے

میرے حواس عشق میں کیا کم ہیں منتشر
دل جسکے ہاتھ میں ہو نہ سوا اُسپہ دسترس
پروانہ رینگتا ہے اور شمع جل بجھے
مطلق نہیں محلِّ عجب موت دہر میں

مجنوں کا نام ہو گیا قسمت کی بات ہے
بیشک یہ اہل دل پہ مصیبت کی بات ہے
اس سے زیادہ کونسی ذلّت کی بات ہے
مجھکو تو یہ حیات ہی حیرت کی بات ہے

ترچھی نظر سے آپ مجھے دیکھتے ہیں کیوں — دل کو یہ چھیڑنا ہی شرارت کی بات ہے
راضی تو ہو گئے ہیں وہ تاثیرِ عشق سے — موقع نکال لینا سو یہ حکمت کی بات ہے

تخلیہ بھی ہے ہوا سرد ہے اور رات بھی ہے — پھر بھی انکار، مری جاں یہ کوئی بات بھی ہے
لطفِ ساقی ہو تو یہ وقت ہے مے نوشی کا — رحمتِ حق ہے گھٹا چھائی ہے برسات بھی ہے

وہ بے خبر ہے مطلقاً کائنات سے — جسکی کہ لو لگی ہے فقط تیری ذات سے

سن چکے آپ کہ پیش آئے تھے حالات ایسے — یہی باعث تھا کہ بے چین تھے ہم رات ایسے
میری غیبت کوئی کرتا تھا تو مجھ سے نہ کہو — تذکرے خوب نہیں وقت ملاقات ایسے
اُنکو واپس کیا یہ کہ کے کہ تائب ہوئے وہ — ہوتے جاتے ہیں ملازم مرے بدذات ایسے
دشمنِ دیں سے تمہیں ہوگی کچھ امید فلاح — ہم تو سنتے نہیں اقوال خرافات ایسے
اے دل اُس ابروئے و مژگان و نظر سے دب جا — صلح لازم ہے جو ہوں جنگ کے آلات ایسے
بحث سے پھیر کے طاعت پہ کریں دل کو رجوع — پیرو وہ ہیں کہ جو ہوں اہل کرامات ایسے

واہ اکبر یہ نکالا ہے عجب طرزِ سخن
حسن بندش تو یہ اور اسپہ خیالات ایسے

کٹے ملت سے جو۔ دیکھے گی دنیا اُنکو عبرت سے — گرے پتے ہیں یہ بس سبز ہیں اپنی رطوبت سے
قیامت کر رہی ہیں لعبتانِ مغربی اکبر — تھیٹر کو بڑھایا ہے انھیں حوروں نے جنت سے

مرا جس پارسی لیڈی پہ دل آیا ہے اے اکبر
جو سچ پوچھو تو حسنِ بمبئی ہے اُسکی صورت سے

نفع ہوتا ہے فقط خارجی علاج سے — واقف آپ ابھی نہیں عشق کے مزاج سے
دل ملیں تو کیا ملیں اہلِ قوم کے بہم — ایک آیا کعبے سے ایک آیا لاج سے
اکبر کچھ آرہے ہو نظر بند بند سے — آخر ضرور ہو تمہیں ناصح کی پند سے
سرا ہے دہر تو ہے رہزنِ اجل کا مقام — یہاں بھی کیا کوئی دو آن[1] کر ٹھہرتا ہے

[1] اب متروک ہے۔

دل کو مرے تم ایک نظر دیکھ تو لیتے	ہوتے نہ خریدار مگر دیکھ تو لیتے
رہ گئے اہلِ خرد دھر کے چکر میں پھنسے	وہی اچھے جو تری زلفِ معنبر میں پھنسے
دل کو مرے فروغ تمہاری نظر سے ہے	تجلی بنا ہوا یہ اسی کے اثر سے ہے
ہر طرف بننے بگڑنے کا یہاں اک دور ہے	چشمِ عبرت کے لئے دنیا محلِ غور ہے
لالہ و گل اک طرف طاعون کا غل اک طرف	ہے جنوں یاروں کو لیکن رنگ ہی کچھ اور ہے
بستاں بجوشِ شور بزن کار دھر ہے	دل اسمیں اہلِ دل جو لگائیں تو قہر ہے
بس ذکر ہی میں بادۂ گلگوں کے ہے مزا	چکھنا نہ ہمنشیں اسے واللہ زہر ہے
ملک میں مجھکو ذلیل و خوار رہنے دیجئے	آپ اپنی عزت دربار رہنے دیجئے
دل ہی دل میں باہمی اقرار رہنے دیجئے	بس خدا ہی کو گواہ اے یار رہنے دیجئے
اتقا کا آج کل اظہار رہنے دیجئے	پیجئے قبلہ یہ استغفار رہنے دیجئے
خوب فرمایا کہ اپنا پیار رہنے دیجئے	آپ ہی یہ غمزہ و انکار رہنے دیجئے
دیکھئے گا لطف کیا کیا گل کھلیں گے شوق سے	مجھکو آپ اپنے گلے کا ہار رہنے دیجئے
چاندنی برسات کی نکھری ہے چلتی ہے نسیم	آج تو للہ یہ انکار رہنے دیجئے
چشمِ بد دور آپ کی نظریں ہیں خود موجِ شراب	بس مجھے بے مے پئے سرشار رہنے دیجئے
کیجئے اپنی نگاہِ فتنہ افزا کا علاج	نرگسِ بیمار کو بیمار رہنے دیجئے
کس بلاغت سے کہا اُسنے کہ رکھئے حدِ شوق	مدعا کو قابلِ اظہار رہنے دیجئے
لن ترانی خود شرابِ معرفت ہے اے کلیم	آرزوئے شربتِ دیدار رہنے دیجئے
چھوڑنے کا ہیں نہیں اب آپکو اے جانِ جاں	ہے اگر مجھ پر خدا کی مار رہنے دیجئے
کیجئے ثابت خوش اخلاقی سے اپنی خوبیاں	یہ نمودِ جبہ و دستار رہنے دیجئے
ظالمانہ مشوروں میں ہیں نہیں ہونگا شریک	غیر ہی کو محرمِ اسرار رہنے دیجئے
کھل گیا مجھ پر بہت ہیں آپ میرے خیر خواہ	خیر چندہ دیجئے لیجئے طومار رہنے دیجئے

کیجئے رشوت ستانی سے ذرا پرہیز آپ
خیر خواہی کا یہ سب اظہار رہنے دیجئے

مل کے باہم کیجئے اغیار سے بحث و جدال
بے نتیجہ باہمی تکرار رہنے دیجئے

تشنگی میں ممکن نہیں نظارۂ موجِ فرات
ایسی خواہش کو سمندر پار رہنے دیجئے

ہمکنار اس بحرِ خوبی سے نہ ہو سکے اگر آپ
ایسے منصوبے سمندر پار رہنے دیجئے

سو رنگ تصور میں ہم اسے جان در آئے
ہر رنگ میں تم آفتِ ایمان نظر آئے

اے خضر مری راہ تو بس راہ جنوں ہے
منزل کو غرض ہو تو خود اس راہ پر آئے

دل جس طرف آیا ہے وہ معلوم ہے مجھکو
ناصح سے تو پوچھو کہ یہ حضرت کدھر آئے

یہ حسن بتوں کا یہ جنوں خیز نگاہیں
پتھر کا بھی دل ہو تو ادھر لوٹ کر آئے

بے رونقیٔ انجمنِ عشق نہ حیا ہی
خالی جو ملی کوئی جگہ آہ بھر آئے

عکس آپ کا تھا طالبِ گوہر پئے تزئیں
پڑتے ہی مری آنکھ میں آنسو بھی بھر آئے

طلب ہے حق کی تو مل آکے ہمسے مستوں سے
نہیں ہے میکدہ خالی خدا پرستوں سے

خطا معاف مروں گا میں حور ہی کے لئے
حسین بھی خوب ہیں لیکن حضور ہی کے لئے

کوئی گناہ ہو مدِ نظر معاذ اللہ
شراب پیتا ہوں میں بس سرور ہی کے لئے

خلافِ شرع کوئی قصد ہو معاذ اللہ
شراب پیتا ہوں میں بس سرور ہی کے لئے

بانکی وہی ادا بھی ہے ترچھی وہی نظر بھی ہے
جان پہ میرے بن گئی آپ کو کچھ خبر بھی ہے

ظلم کی اک ادا بھی ہے لطف کی اک نظر بھی ہے
حسن کا اقتضا بھی ہے عشق کا کچھ اثر بھی ہے

داغ مرے ہیں انکے دانت میں ہوں لب انکے چوستا
دولتِ وصلِ یار میں لعل بھی ہے گہر بھی ہے

شرط لگائی آپ نے میری امید کم ہوئی
وعدے پہ کیا خوشی کروں اسمیں جب اک اگر بھی ہے

دنیا میں بے خبر ہے جو پروردگار سے
شائد ہے زندہ اپنے ہی وہ اختیار سے

اے صانعِ ازل تری قدرت کے میں نثار
کیا صورتیں بنائیں ہیں مشتِ غبار سے

تری باتوں سے گو دل میں ملال اے یار آتا ہے
مگر جب دیکھتا ہوں تیری صورت پیار آتا ہے

جو چلتا ہے دلِ سوزاں کا انجن راہِ الفت میں
خبر دینے کو فوراً آنسوؤں کا تار آتا ہے

جو راہِ عشق میں دل پر مصیبت کوئی پڑتی ہے
خبر دینے کو فوراً آنسوؤں کا تار آتا ہے

دل ہو خرابِ دین پہ جو کچھ اثر پڑے
اب کارِ عاشقی تو بہرکیف کر پڑے

عشقِ بتاں کا دین پہ جو کچھ اثر پڑے
اب تو نباہنا ہے جو اک کام کر پڑے

مذہب چھڑایا عشوۂ دنیا نے شیخ سے
دیکھی جو ریل اونٹ سے آخر اتر پڑے

بیتابیاں نصیب ہیں تھیں ورنہ شیخ میں
یہ کیا ضرور تھا کہ انھیں پر نظر پڑے

بہتر یہی ہے قصد ادھر کا کریں نہ وہ
ایسا نہ ہو کہ راہ میں دشمن کا گھر پڑے

ہم چاہتے ہیں سیلِ وجود و عدم میں ہو
ممکن تو ہے جو بیچ میں ابھی کمر پڑے

دانا وہی ہے دل جو کرے آپکا خیال
بینیا وہی نظر ہے کہ جو آپ پر پڑے

ہونی نہ چاہیئے تھی محبت مگر ہوئی ۴
پڑنا نہ چاہیئے تھا غضب میں مگر پڑے ۴

شیطان کی نہ مان جو راحت نصیب ہو
اللہ کو پکار مصیبت اگر پڑے ۴

اے شیخ اِن بتوں کی یہ چالاکیاں تو دیکھ
نکلے اگر حرم سے تو اکبر کے گھر پڑے ۴

ادھر ہماری تو یہ لگاوٹ حضور ایسے حضور ایسے
اُدھر یہ فرما کے مسکرانا کہ ہونگے کم اہلِ زور ایسے

خدا کی ہستی میں شبہ کرنا اور اپنی ہستی کو مان لینا
پھر اُس پہ طرہ اس ادّعا کا کہ ہم ہیں اہلِ شعور ایسے

ہمیں یہ چاہا نہ قرب انکا فریبِ دنیا سے دوں ہیں اگر
وگرنہ ایمان کی جو پوچھو نہ تھے وہ کچھ ہم سے دور ایسے

ہمارے مصحفِ ایماں کا نہ اول ہے نہ آخر ہے
خدا کی شان آیت ہے مذاقِ دل معتبر ہے

قرآن چھوڑ بھاگے شیطان کے مقابل
اس معرکہ میں اکثر احباب ہیز نکلے

بوڑھے ہنسی کو اپنی ثابت کریں تو کیونکر
جب دانت ہی نہیں ہے پھر کون چیز نکلے

مجنوں نے نام پایا اور کوہکن بھی ابھرا
اس مدرسے کے لڑکے سب خوش تمیز نکلے

جو قانع ہے کسی دن اُنکی قسمت لڑہی جاتی ہے
جو اہلِ حرص ہیں اُن پر مصیبت پڑہی جاتی ہے

حسینانِ جہاں سے آنکھ اپنی لڑہی جاتی ہے
دل آہی جاتا ہے آخر مصیبت پڑہی جاتی ہے

جوانی میں ہلاکت دل کی ہے اُسکا دبا رکھنا
کہ ایسی چیز دب کر گرمیوں میں سڑہی جاتی ہے

گلستاں میں گلِ رنگیں کو زینت کی ضرورت کیا
مگر اس لعل پر الماسِ شبنم جڑہی جاتی ہے

ہے قوم جسم سلطنت اُسمیں ہے مثلِ روح
جب یہ نہیں تو قوم نہیں بلکہ لاش ہے

سعیِ شغال ہو گرگ سے جنبش ہوئی اگر
نافہم سمجھے قوم یہ خود انتعاش ہے

البتہ زندگانیِ شخصی کا ہے وجود
قانون میں ہر اک کے لئے زندہ باش ہے

پیمانہائے ساختۂ شاہِ وقت پر
محدود طالبین کی فکرِ معاش ہے

بے علم مذہبی کے ہیں اخلاق نادرست
اسکی خرابیوں سے تو دل پاش پاش ہے

کچھ خاک میں ملیں گے تو کچھ ہونگے جزوِ غیر
یہ مسئلہ صحیح ہے گو دل خراش ہے

اپنی یہ احتیاط کہ بوسے پر اکتفا
اُس پر بھی یہ عتاب کہ تو بدمعاش ہے

اپنے برتاؤ سے گو وہ مجھے ناخوش رکھے
ہے دعا میری یہی اُسکو خدا خوش رکھے

منہ چھپا لیتے ہیں زلفوں سے ہیں گو ہوں ناخوش
ہنس کے کہتے ہیں تجھے میری بلا خوش رکھے

واہ کس چال سے غنچوں کو ہنسایا تو نے
لطفِ باری تجھے اے بادِ صبا خوش رکھے

ان بتوں کو نہیں کچھ صدق و صفا سے مطلب
بس خوشامد سے کوئی ان کو ذرا خوش رکھے

باغ و صحرا میں بھی بے لطف رہا کرتا ہوں
رنج دے چرخ تو کیا آب و ہوا خوش رکھے

اُس مسِ شوخ سے راحت نہ ملے گی مجھکو
عمر بھر خیر وہ اک شب تو بھلا خوش رکھے

آپ فرماتے ہیں اکبر سے مجھے خوش رکھو
خود جو مغموم ہو وہ اور کو کیا خوش رکھے

مثلِ بلبل زمزمون کا خود یہاں اک رنگ ہے
ارغنون اس انجمن میں خارج از آہنگ ہے

ہر خیال اپنا ہے یاں اک مطربِ شیریں نوا
ہر نفس سینے میں یک موجِ صدائے چنگ ہے

ہر تصور ہے مرا عکسِ جمالِ روے دوست
میرا ہر مجموعۂ وہم اک گلِ خوش رنگ ہے

لوحِ دل ہر جنبشِ مژگاں سے ہے معنی پذیر
ہر رگِ اندیشہ نقشِ خامۂ ارژنگ ہے

ہر حبابِ بحرِ جوشِ طبع ہے اک آسماں
دشتِ دل کا ذرہ ذرہ کوہ کا ہمسنگ ہے

عکس تیرا پڑ کے اس میں ہو گیا پاکیزہ تر
اے بتِ کافر مری آنکھوں میں فیضِ گنگ ہے

نظمِ اکبر سے بلاغت سیکھ لیں اربابِ عشق
اصطلاحاتِ جنوں میں بے بہا فرہنگ ہے

داخل ہوئے حرم میں بتوں کو نکال کے
اسلام کو قبول کیا دیکھ بھال کے

اُلجھا نہ مرے آج کا دامن کبھی کل سے
مانگی نہ مرے دل نے مدد طولِ امل سے

اُن کی نگہِ مست ہے لبریزِ معانی
ملتی ہوئی تاثیر میں حافظ کی غزل سے

ادراک نے آنکھیں شبِ اوہام میں کھولیں
واقف نہ ہوا روشنیِ صبحِ ازل سے

قرآن ہے شاہد کہ خدا حسن سے خوش ہے
کس حسن سے یہ بھی تو سنو حسنِ عمل سے

حکم آیا خموشی کا تو بس حشر تلک چپ
عظمت مرے پیغام کی ظاہر ہے اجل سے

درجہ متحیر کا ہے بے خود سے فروتر
ہے روح کو امید ترقی کی اجل سے

بحثِ کہن و نو میں سمجھتا نہیں اکبر
جو ذرہ ہے موجود ہے وہ روزِ ازل سے

ہو دعویِ توحید مبارک تمہیں اکبر
ثابت بھی کرو اسکو مگر طرزِ عمل سے

مذہب ہی سے حفاظتِ قومی ہے اے عزیز
نادان ہے کواڑ ہٹائے جو چول سے

اتنا ہی آدمی میں سمجھئے کمالِ فہم
جتنا کہ احتراز کرے وہ فضول سے

جو کام آئے میرے کروں اس طرف کو رخ
تخصیص سرو سے ہے نہ وحشت ببول سے

ہرگز اس انجمن کو نہ سمجھو مفسدِ قوم
خالی ملے جو ذکرِ خدا و رسول سے

نئی تہذیب میں بھی مذہبی تعلیم شامل ہے
مگر یونہیں کہ گویا آبِ زمزم مے میں داخل ہے

کہاں تک داد دوں تیری بلاغت کی میں اے اکبر
یہ تیرا ایک مطلع لاکھ مضمونوں کا حاصل ہے

دین و ملت کی ترقی کا خیال اچھا ہے
اصل مضبوط ہو جس کی وہ نہال اچھا ہے

بخدا ہند کے پرزے بھی غضب ڈھاتے ہیں
یہ غلط ہے کہ ولایت ہی کا مال اچھا ہے

گھر کے خط میں ہے کہ کل ہو گیا چہلم اُسکا
پائنیر لکھتا ہے بیمار کا حال اچھا ہے

طائرِ رنگِ چمن اُڑنے کو پر کھولے ہے
آشیاں ایسے گلستاں میں نہ بلبل باندھے

ہوئے مطلوب جسے زادِ رہِ منزلِ فقر
گرہِ صبر میں وہ نقد توکل باندھے

نظر آئے شبِ تاریک میں جگنو کی چمک
وہ جو تعویذ طلائی تہِ کاکل باندھے

کبھی ہے صبح عید انہیں کبھی شامِ محرم ہے
یہ عالم چشمِ بینا کے لئے عبرت کا عالم ہے

دوا ہے کالج اور کونسل سو اسکی ہے فراوانی
غذا ہے (راحت دل اور دولت) بہت کم ہے

تمہاری بحثوں سے میرے شبہے خدا کی ہستی میں کم نہ ہوتے
مگر یہ بات آگئی سمجھ میں خدا نہ ہوتا تو ہم نہ ہوتے

یہ حُسن ہی سے ہے عشق پیدا یہ عشق ہی سے مصیبتیں ہیں
جو یہ نہ ہوتا تو دل نہ ہوتا جو دل نہ ہوتا تو غم نہ ہوتے

تمہارے عشوے تمہارے غمزے نگاہِ ساقی کے ہیں مؤید
وگرنہ تقویٰ کے ٹوٹ جانیکے اتنے ساماں بہم نہ ہوتے

کہا سکندر نے یہ بحسرت جب آگیا اسکا وقت رحلت
کہ سہل تر ہوتی نزع ہمپر جو محوِ جاہ و حشم نہ ہوتے

بلندیاں ہوتی ہیں مخالف جو پستیوں پر ہو میل دل کا
زمیں کے فتنوں میں گر نہ پھنستے فلک کے جور و ستم نہ ہوتے

مذاقِ فطرت میں بس نہ جاتے جو قامت و گیسوئے حسیناں
یہ راستی سرو میں نہ ہوتی یہ سنبلِ تر میں خم نہ ہوتے

تری ترقی مرا تنزل تری جفائیں مرا تحمل
فلک کی گردش کا لطف کیا تھا جو تو نہ ہوتا جو ہم نہ ہوتے

یہ موجودہ طریقے راہیئے ملکِ عدم ہونگے
نئی تہذیب ہوگی اور نئے ساماں بہم ہونگے

نئے عنوان سے زینت دکھائینگے حسیں اپنی
نہ ایسا پیچ زلفوں میں نہ گیسو میں یہ خم ہونگے

نہ خاتونوں میں رہ جائیگی پردے کی یہ پابندی
نہ گھونگھٹ اسطرح سے حاجبِ روئے صنم ہونگے

بدل جائیگا انداز طبائع دورِ گردوں سے
نئی صورت کی خوشیاں اور نئے اسباب غم ہونگے

نہ پیدا ہوگی خطِ نسخ سے شانِ ادب آگیں
نہ نستعلیق حرف اس طور سے زیبِ رقم ہونگے

خبر دیتی ہے تحریکِ ہوا تبدیلِ موسم کی
کھلیں گے اور ہی گل زمزمے بلبل کے کم ہونگے

عقائد پر قیامت آئیگی ترمیمِ ملت سے
نیا کعبہ بنے گا مغربی پتلے صنم ہونگے

بہت ہونگے مغنی نغمۂ تقلیدِ یورپ کے
مگر بے جوڑ ہونگے اسلئے بے تال سم ہونگے

ہماری اصطلاحوں سے زباں ناآشنا ہوگی
لغاتِ مغربی بازار کی بھاکا سے ضم ہونگے

بدل جائیگا معیارِ شرافت چشمِ دنیا میں
زیادہ تھے جو اپنے زعم میں وہ سب سے کم ہونگے

گذشتہ عظمتوں کے تذکرے بھی رہ نہ جائینگے
کتابوں ہی میں دفن افسانۂ جاہ و حشم ہونگے

کسی کو اس تغیر کا نہ حس ہوگا نہ غم ہوگا
ہوے جس ساز سے پیدا اسی کے زیر و بم ہونگے

تمہیں اس انقلابِ دہر کا کیا غم ہے اے اکبر
بہت نزدیک ہیں وہ دن کہ تم ہوگے نہ ہم ہونگے

موت سے وحشت بشر کا اک خیالِ خام ہے
اصلِ فطرت میں فقط آرام ہی آرام ہے

اس تجارت گاہ دنیا کا کہوں کیا تم سے حال
کارخانے سب خدا کے ہیں ہمارا نام ہے

پیشِ نظر صنم ہے بس عاشقی کا غم ہے
دنیا کی فکر کم ہے اللہ کا کرم ہے

یہ گیسوے معنبر یہ چشمِ سحر آگیں
کیا پوچھتے ہو صاحب اندھیر ہے ستم ہے

سید کی روشنی کو اللہ رکھے قائم
بتی بہت ہے موٹی روغن بہت ہی کم ہے

کیا خوب پڑھ رہے تھے مصرع مہنت صاحب
بھنڈار تو ہے خالی بھاری مگر بھرم ہے

یہی خوشیاں رہینگی دہر میں ایسے ہی غم ہونگے
مگر اک وقت آئیگا نہ تم ہوگے نہ ہم ہونگے

امیدیں ٹوٹتی ہیں تو بہت صدمہ پہونچتا ہے
جو امیدیں کریگا کم اُسے صدمے بھی کم ہونگے

اسبابِ انتشار و جنوں مجھ سے چھن گئے
مطلب یہ ہے کہ عشق و جوانی کے دن گئے

جانے کی اس گلی میں قسم کھائی تھی مگر
مچلا یہ دل کہ بن نہ پڑی مجھ سے بن گئے

انداز قیامت کے ہیں اے جان تمہارے
سو دل ہوں تو سو دل سے ہوں قربان تمہارے

ایمان ہے جو یا کفر ہو سچی بات تو یہ ہے
اسلام تمہارا ہے مسلمان تمہارے

مصرع طرح پیام یار

اس میں عکس آپکا اتاریں گے
دل کو اپنے یونہیں سنواریں گے

بحث میں مولوی نہ ہاریں گے
جان ہاریں گے جی نہ ہاریں گے

آپ ناحق پہ اور ہم حق پر
آپ سے ہم کبھی نہ ہاریں گے

ہم سے کرتی ہے یہ بہت غمزے
ہم بھی دنیا پہ لات ماریں گے

رزق مقسوم ہے ملے گا اُسے
کوئی دنیا میں دوڑے یا رینگے

عشق کہتا ہے لطف ہونگے بڑے
ہجر کہتا ہے جان ماریں گے

لیجئے جان۔ ہے یہی جو خوشی
کیجئے ظلم۔ دم نہ ماریں گے

دل کی افسردگی نہ جائے گی
ہاں وہ چاہینگے تو اُبھاریں گے

مبتلائے بلا تو ہوں غافل
یہ بھی اللہ کو پکاریں گے

لائیے بھی تو خدا کہیں وہ گھڑی
کہتے ہیں تجھ کو خوب ماریں گے

دل نہ دوں گا میں آپ کو ہرگز
مفت میں آپ جان ماریں گے

سطحِ قوم میں رہا کیا ہے
صرف شیخی ہی اب بگھاریں گے

پند اکبر کو دیں گے کیا ناصح
گل کو کیا باغباں سنواریں گے

ضد ہے انھیں پورا مرا ارماں نہ کریں گے
منہ سے جو نہیں نکلی ہے اب ہاں نہ کریں گے

کیوں زلف کا بوسہ مجھے لینے نہیں دیتے
کہتے ہیں کہ واللہ پریشاں نہ کریں گے

ہے ذہن میں اک بات تمہارے متعلق
خلوت میں جو پوچھو گے تو پنہاں نہ کریں گے

واعظ تو بناتے ہیں مسلمان کو کافر
افسوس یہ ہے کافر کو مسلماں نہ کریں گے

کیوں شکر گذاری کا مجھے شوق ہے اتنا
سنتا ہوں وہ مجھ پر کوئی احساں نہ کریں گے

دیوانہ نہ سمجھے ہمیں وہ سمجھے شرابی
اب چاک کبھی جیب و گریباں نہ کریں گے

وہ جانتے ہیں غیر مرے گھر میں ہے مہماں
آئیں گے تو مجھ پہ کوئی احساں نہ کریں گے

اہلِ غرور و حرص کو کیا علم سے شرف
تا چرخ بھی پہونچ کے وہ شیطان ہی رہے

اٹھی نگاہ دیر میں لیکن جھکا نہ سر
پیشِ صنم بھی ہم تو مسلماں ہی رہے

بتِ ستمگر کی کچھ نہ پوچھو حسین بھی ہے ذہین بھی ہے
نہیں ہے دل ہی پہ صرف آفت یہاں تو خطرے میں دین بھی ہے

اگرچہ مغرب سے سازِ دل ہے مرید آہنگ مشرقی ہوں
اگر پیا تو ہے انجمن میں محلِ خلوت میں بین بھی ہے

رعایتِ لعلِ لب سے میں نے کہا اسے مالکِ بدخشاں
تو بولا تیوری چڑھا کے دیکھو جبیں کے قبضہ میں چین بھی ہے

ہمارے جھگڑوں کی کچھ نہ پوچھو تمام دنیا ہے اور ہم ہیں
کہ جیب میں زر ہے گھر میں زن ہے خراج پہ کچھ زمین بھی ہے

ہمارا خنجر بھی بدنما ہے اور اسکی سوئی بھی ہے وہ آفت
کہ صاف بھی ہے حجاب بھی رکھتی ہے گول بھی ہے مہین بھی ہے

دعا کو بھی وہ کبھی ہے اٹھتا ہے ہر دن رات صرف چکر
خدا کی قدرت کے کارخانے میں ہاتھ بھی ہے مشین بھی ہے

ہے وہم نقشِ ہستی ہر چند دل نشیں ہے
دیکھو اسے تو سب کچھ سوچو تو کچھ نہیں ہے

دیکھا نہیں کسی نے اس یارِ نازنیں کو
لیکن سنا یہی ہے بے انتہا حسیں ہے

روحانیت کے بدلے آنکھوں میں خاک ہے اب
اسمیں وہی وہی تھا اسمیں یہیں یہیں ہے

تصدیق سے قریں ہے کیونکر ترا تصور
اک نقطۂ بے صدا ہے اک نقش بے نگیں ہے

کھڑے ہیں یار ششدر حیرت و عبرت کا مضموں ہے
نہ جنگل ہے نہ ناقہ ہے نہ لیلا ہے نہ مجنوں ہے

وہ رنگِ بزمِ اکبر اب کہاں ٹھہرے ہے اٹھ جاؤ
یہی بس ایک تدبیر سکونِ جانِ محزوں ہے

فتنہ اٹھے کوئی یا گھات میں دشمن بیٹھے
کارِ الفت پہ تو اب حضرتِ دل ٹھن بیٹھے

کیوں نہ اس سے مرا دل اے بتِ بدظن بیٹھے
ہم کھڑے بھی نہ رہیں بزم میں دشمن بیٹھے

بزم میں وہ جو دبا کر مرا دامن بیٹھے
اٹھ گئے رشک سے پھر پاس نہ دشمن بیٹھے

شیخ کعبہ میں کلیسا میں برہمن بیٹھے
ہم تو کوچے میں ترے مار کے آسن بیٹھے

شوخیاں شوق سے کر مجھکو بھی لطف آتا ہے
سچ کہا تو نے کہ بیجا مرا دشمن بیٹھے

سوئے دولت نظر آئی نہ جو راہ اعزاز
مسندِ صبر و توکل ہی پہ ہم تن بیٹھے

نظر اٹھی تو اٹھائے گئے نظروں سے گرے
غلطی کی تری پاس سے ثابت بد ظن بیٹھے

ہوں میں وہ رند اگر حشر میں ملزم ٹھہروں
فیصلے کے لئے حوروں کا کمیشن بیٹھے

انقلاب روشِ چرخ کو دیکھ اے اکبر
کل جو تھے دوست مرے آج عدو بن بیٹھے

ہند سے آپ کو ہجرت ہو مبارک اکبر
ہم تو گنگا ہی پہ اب مار کے آسن بیٹھے

کیا ملا عرض آں و ایں کر کے
چلدئے وہ چناں چنیں کر کے

فائدہ کیا کہ پھر کہوں ان سے
کر چکے ہاں وہ اب نہیں کر کے

فتنے مسجد میں اٹھے ہیں اکبر
دیر میں بیٹھ ترک دیں کر کے

وہ ہوا نہ رہی وہ چمن نہ رہا وہ گلی نہ رہی وہ حسیں نہ رہے
وہ فلک نہ رہا وہ سماں نہ رہا وہ مکاں نہ رہے وہ مکیں نہ رہے

وہ گلوں میں گلوں کی سی بو نہ رہی وہ عزیزوں میں لطف کی خو نہ رہی
وہ حسینوں میں رنگِ وفا نہ رہا کہیں اور کی کیا وہ ہمیں نہ رہے

نہ وہ آن رہی نہ امنگ رہی نہ وہ رندی و زہد کی جنگ رہی
سوئے قبلہ نگاہوں کے رخ نہ رہے در دیر پہ نقش جبیں نہ رہے

نہ وہ جام رہے نہ وہ مست رہے نہ فدائی عہد الست رہے
وہ طریقۂ کار جہاں نہ رہا وہ مشاغلِ رونقِ دیں نہ رہے

ہمیں لاکھ زمانہ لبھائے تو کیا نئے رنگ جو چرخ دکھائے تو کیا
یہ محال ہے اہلِ وفا کیلئے غم ملت و الفتِ دیں نہ رہے

ترے کوچۂ زلف میں دل ہے مرا اب اسے میں سمجھتا ہوں دام بلا
یہ عجیب ستم ہے عجیب جفا کہ یہاں نہ رہے تو کہیں نہ رہے

یہ تمہارے ہی دم سے ہے بزم طرب ابھی جاؤ نہ تم نہ کرو یہ غضب
کوئی بیٹھ کے لطف اٹھائیگا کیا کہ جو رونقِ بزم ہمیں نہ رہے

جو تھیں چشمِ فلک کی بھی نورِ نظر وہی جن پہ نثار تھے شمس و قمر
سو اب ایسی مٹی ہیں وہ انجمنیں کہ نشان بھی انکے کہیں نہ رہے

وہی صورتیں رہ گئیں پیشِ نظر جو زمانہ کو پھیریں ادھر سے ادھر
مگر ایسے جمالِ جہاں آرا جو تھے رونقِ روئے زمیں نہ رہے

غم و رنج میں اکبر اگر ہے گھرا تو سمجھ لے کہ رنج کو بھی ہے فنا
کسی شے کو نہیں ہے جہاں میں بقا وہ زیادہ ملول و حزیں نہ رہے

پراگندہ بہت ہے دل مرا دنیا کے دھندوں سے[۱]
چھڑا دے مجھکو یارب نوکری کے سخت پھندوں سے

غلامانہ طریقوں پہ مجھے مجبور کرتے ہیں
خدایا بے نیازی دے مجھے ان خود پسندوں سے

کباب آیا تو کیا جب دل ہوا جلکر کباب اپنا
مجھے نانِ جویں بہتر ہے بس ایسے پسندوں سے

یہ خواہش ہے کہ ذکرِ حق سے دل تازہ رہے ہردم
خداوندا ملادے مجھکو اپنے نیک بندوں سے

مسلمانوں کی خوشحالی کی بیشک دھن ہے سید کو
مگر یہ کام نکلیگا نہ لکچر سے نہ چندوں سے

درستی تختِ عزت کی کہاں ان کیل کانٹوں میں
توقع شہسواری کی نہ رکھو نعل بندوں سے

کجا وہ گیسوے مشکیں کجا یہ ڈھیلی اینچیں
دلِ وحشی اکبر پھنس چکا ایسی کمندوں سے

ترچھی نظر سے کیجیے عشاق کا شکار
کیا احتیاج آپ کو تیر و کماں کی ہے

ڈیر فرنڈ نہ کہیئے جناب من تو ہے
حضور مجھ سے کوئی صورتِ سخن تو ہے

جو زر نہیں ہے نہ ہو دولتِ سخن تو ہے
نہیں جو بنگ تو کیا غم مئے کہن تو ہے

رسائی اپنی ہے ان تک نہیں ہے غیر کو دخل
پھر اپنا اپنا طریقہ تو ہے چلن تو ہے

سینے سے لگائیں تمہیں ارمان یہی ہے
جینے کا مزا ہے تو مری جان یہی ہے

صبر اسلئے اچھا ہے کہ آئندہ ہے امید
موت اسلئے بہتر ہے کہ آسان یہی ہے

تو دل میں تو آتا ہے سمجھ میں نہیں آتا
بس جان گیا میں تری پہچان یہی ہے

گیسو کے شریک اور بھی تھے قتل میں میرے
کیا وجہ ہے اس کی کہ پریشان یہی ہے

دل تیری محبت میں دو عالم کو بھلا دے
مذہب ہے یہی اور مرا ایمان یہی ہے

اس بت نے کہا بوسۂ بے اذن پہ ہنسکر
بس دیکھ لیا آپ کا ایمان یہی ہے

کرتے ہیں بتدریج وہ ظلموں میں اضافہ
مجھ پر اگر انکا ہے کچھ احسان یہی ہے

ہم فلسفہ کو کہتے ہیں گمراہی کا باعث
وہ پیٹ دکھاتے ہیں کہ شیطان یہی ہے

اکبر کو دعا دیتے ہیں احباب یہ کہکر
اب اپنی جماعت میں مسلمان یہی ہے

[۱] یعنی دنیا کے دھندے

سدھاریں شیخ کعبہ کو ہم انگلستان دیکھیں گے
وہ دیکھیں گھر خدا کا ہم خدا کی شان دیکھیں گے

جوانوں کو ذرا پروا نہیں بے اعتدالی کی
بڑھاپے میں نتیجے اسکے یہ نادان دیکھیں گے

حسینانِ عدو سے اتقا کا سامنا ہوگا
میں دیکھوں گا آنکھیں اور وہ مرا ایمان دیکھیں گے

تمہاری دیوانگی پر رحم آتا ہے ہمیں اکبر
کوئی دن وہ بھی ہوگا ہم تجھے انسان دیکھیں گے

عقل ہے ایمان ہے دل ہے جان ہے
لیجئے سب آپ پر قربان ہے

خوبیٔ مذہب دمِ آخر کھلی
نزع میں مونس فقط ایمان ہے

دل کے یاروں سے ہوا شوقِ گناہ
آدمی کا آدمی شیطان ہے

کیا مجھے کرتے ہو زندوں میں شمار
سانس لیتا ہوں بس اتنی جان ہے

خود بنا ہے کیا وہ بت اتنا حسیں
لطفِ فطرت ہے۔ خدا کی شان ہے

سعی بازو سے کرے جو کسبِ رزق
بس وہی اللہ کا مہمان ہے

لطفِ ساقی سے نہ چھلکے جامِ دل
ظرفِ عالی کی یہی پہچان ہے

دل جسے سمجھا ہے سامانِ وقار
غور سے دیکھو تو اک طوفان ہے

یہ تو فن ہے تعجب موت پر
عقل تو جینے ہی پہ حیران ہے

ق

عالمِ ہستی پہ حیرت ہے مجھے
کس لئے آخر یہ سب سامان ہے

یا مصیبت امرِ معنی خیز ہے
یا یہ نیچر خود بہت نادان ہے

ابھی نادانی مگر مانے گا کون
ذرہ ذرہ عاقلی کی جان ہے

پھر اٹھی ہے آپ کی تیغِ ستم
مجھ میں کیا باقی ابھی کچھ جان ہے

حکمِ خاموشی ہے اور میری زباں
آپ کی باتیں ہیں میرا کان ہے

لطف تھا جن سے نظارے کا حسیں وہ نہ رہے
جن سے رونق تھی مکانوں کی مکیں وہ نہ رہے

میں جو روتا ہوں کہ افسوس زمانہ بدلا
مجھ پہ ہنستا ہے زمانہ کہ تمہیں وہ نہ رہے

طلب ہو صبر کی اور دل میں آرزو آئے
غضب ہے دوست کی خواہش ہو اور عدو آئے

بہار ہیں کبھی نہ راحت ملے جو فرقت ہو
صبا سے بھی گل داغ جگر کی بو آئے

بتوں کے ظلم کو کردوں میں ہر طرح ثابت
مگر خدا نہ کرے ایسی گفتگو آئے

کیا ہے نشۂ الفت نے مائل گریہ
شراب پینے کو آخر کنار جو آئے

تم اپنا رنگ بدلتے رہو فلک کی طرح
کسی کی آنکھ میں اشک آئے یا لہو آئے

کبھی جدائی سے ہے روح پہ یہ ظلم حواس
میں اپنے آپ میں پھر کیوں رہوں جو تو آئے

ریا کا رنگ نہ ہو مستند ہیں وہ اعمال
کلام پختہ ہے جب درد دل کی بو آئے

لبوں کا بوسہ جسے مل گیا ہو وہ جانے
قدم تو اس بت بیدیں کے ہم بھی چھو آئے

کھلی جو آنکھ جوانی میں عشق آ پہونچا
جو گرمیوں میں کھلیں در تو کیوں نہ لو آئے

وہ مے نصیب کہاں ان ہوس پرستوں کو
کہ ہو قدم کو نہ لغزش نہ منہ سے بو آئے

بہت دن محتسب کے ہاتھ سے مے کے سبو ٹوٹے
شکایت کیا اگر دست سبو سے اب وضو ٹوٹے

کچھ ایسا بڑھ گیا ہے حسن لطف ساقی دوراں
ہزاروں شیشۂ تقوی پڑے ہیں چار سو ٹوٹے

شکست نیت طوف حرم تجھ سے ہوئی اے دل
سزا ہے اس بت ظالم کے ہاتھوں سے جو تو ٹوٹے

ہوتا ہے نفخ یورپیں نان پاؤ سے
میں خوش ہوں ایشیا کے خیالی پلاؤ سے

تنہا وہ رہ گئے تھے تو میں خود نہ بیٹھتا
ناحق مجھے ذلیل کیا چاؤ چاؤ سے

ایمان بیچنے پہ ہیں اب سب تلے ہوئے
لیکن خرید ہو جو علی گڈھ کے بھاؤ سے

بے نالۂ فریاد و فغاں رہ نہیں سکتے
قہر اس پہ یہ ہے اس کا سبب کہہ نہیں سکتے

موجیں ہیں طبیعت میں مگر اٹھ نہیں سکتیں
دریا ہیں مرے دل میں مگر بہہ نہیں سکتے

پتوار شکستہ ہے نہیں طاقت ترمیم
ہے ناؤ میں سوراخ مگر کہہ نہیں سکتے

کہدو گے کہ ہے تجربہ اس بات کے برعکس
کیونکر یہ کہیں ظلم و ستم سہ نہیں سکتے

عزت کبھی وہ تھی کہ جھلانے سے نہ بھولے
تحقیر اب ایسی ہے جسے سہہ نہیں سکتے

ہمنے یہ نکتہ سنا اک مردِ حق آگاہ سے
پھر گیا اُس سے زمانہ جو پھرا اللہ سے

ضعفِ مذہب ہو گیا ہے باعثِ طولِ سخن
گفتگو عامی سے ہو یا بحث ہو ذیجاہ سے

ایک لکچر کی ضرورت ہوتی ہے ہر بات سے
کام مطلق اب نہیں چلتا معاذ اللہ سے

آپ فرماتے ہیں تجھ سے مجھکو الفت ہے بہت
اور شکایت کرتے ہیں اسکو فقط اللہ سے

اِن بتانِ بیوفا کے حسن کا دلدادہ ہے
فکر ہے اکبر کی رنگیں دل نہایت سادہ ہے

رقص پروانے کا گردِ شمع دیکھیں اہلِ ذوق
کس خوشی سے جان دینے کے لیئے آمادہ ہے

مائلِ خالق مجھے کرتی ہے یاں رفتارِ خلق
چشمِ بینا کے لیئے ہر نقشِ پا سجادہ ہے

کہاں تسکینِ خاطر نالۂ جانکاہ کرنے سے
بھڑکتی آتشِ دل اور بھی ہے آہ کرنے سے

یہ دورِ آسماں خضرِ طریقت ہو نہیں سکتا
خدارا اے خرد بازآ مجھے گمراہ کرنے سے

وہ کون ایسی نظر ہے جو نہ ہو محو ایسی صورت پر
وہ کون ایسی زباں ہے رک سکی جو آہ کرنے سے

مصیبت سخت تھی لیکن زمانہ دیکھکر دل نے
کہا کیا فائدہ احباب کو آگاہ کرنے سے

[illegible]

بتوں کے سامنے کیا مذہبی بہانہ چلے
چلیں گے ہم بھی اسی رخ جدھر زمانہ چلے

میں جانتا ہوں نہ چھوڑینگے آپ چال اپنی
کسی کا کام چلے اے حضور یا نہ چلے

خدا کے واسطے ساقی یہی نگاہ کرم
چلا ہے دور تو پھر کیوں رکے چلا نہ چلے

کھلا ہے باغِ قناعت میں غنچۂ خاطر
خدا بچائے کہیں حرص کی ہوا نہ چلے

نصیب ہو نہ سکی دولتِ قدمبوسی
ادب سے چوم کے حضرت کا آستانہ چلے

فروغِ عشق کا بے آہ کے نہیں ممکن
نہ پھیلے بوئے گلستاں اگر ہوا نہ چلے

کھلے کواڑ جو کمرے کے پھر کسیکو کیا
یہ حکم بھی تو ہوا ہے کہ راستا نہ چلے

امیدِ حور میں مسلم تو ہو گیا ہوں مگر
خدا ہی ہے کہ جو مجھ سے یہ پنجگانہ چلے

خودی کی حس سے بھی ہوتا ہے انتشار اکبر
کہاں رہوں کہ مجھے بھی مراقبہ نہ چلے

حضور اوروں کے خوش کرنیکی فکر البتہ فرمائیں
ہماری کیا ہے شاعر کے لئے اک واہ کافی ہے

خوشی ہے ماسوا پر آپ قبضہ کیجیے اپنا
مری تسکینِ دل کیواسطے اللہ کافی ہے

نہایت ناپسند آنکو ہے یادِ مرگ اے اکبر
مگر اسکے بھلا دینے کو حبِ جاہ کافی ہے

وصفِ قدِ یار میں مصروف میرا خامہ ہے
میری جو تحریر ہے وہ اک قیامت نامہ ہے

میرے دل کو وہ محبت دل خواہ جو چاہے کرے
اب تو دے ڈالا اسے اللہ جو چاہے کرے

حضرتِ اکبر سا ضابط اور یہ بیتابیاں
آپ کی ترچھی نظر واللہ جو چاہے کرے

منزلِ صدق و صفا ہے ہر طرح خطروں سے پاک
نیکبختوں ہیں سے طے یہ راہ جو چاہے کرے

قاضی و مفتی ہیں غرقِ بادۂ مستی و کبر
قوم کا ضعف اور حبِّ جاہ جو چاہے کرے

شیخ کی منطق ہو یا چشمِ فسوں سازِ بتاں
سیدھا سادہ ہوں مجھے گمراہ جو چاہے کرے

دیکھکر یوں بھی برہمن کہتے ہیں اس عہد میں
شادی تو آسان نہیں ہے بیاہ جو چاہے کرے

خرچ کی تفصیل پوچھوں گا نہ مانگوں گا حساب
لیلے وہ محبت کل مری تنخواہ جو چاہے کرے

اچھے اچھے پھنس گئے ہیں نوکری کے جال میں
سچ یہ ہے افزونئ تنخواہ جو چاہے کرے

یا اثر ہونا تو ہے موقوف دل کے رنگ پر
جوش میں یوں آکے اکبر آہ جو چاہے کرے

جھکتا نہیں بندہ کسی بدخواہ کے آگے
کیا غم ہے توکلت علی اللہ کے آگے

منطق بھی ہے قانونِ شہادت بھی جرح بھی
سب ہیچ مگر آپ کی واللہ کے آگے

اُنکی نظر کا آخر کیا کر لیا کسی نے
بس رہ گئے یہ کہکر مارا ہمیں اسی نے

چمکے ہیں ترے جسم میں اب گیسوئے طلائی
سکہ نیا بٹھایا گردون کی پالیسی نے

کیا حالِ دل سنائیں کیا سر قدم پہ رکھیں
مایوس کردیا ہے اس بت کی بے حسی نے

جلوہ ہے آسماں پر ابر و شفق کا گویا
اچھا سماں دکھایا لب پر تری مسی نے

۴

وہ خوب سمجھتے ہیں یہ کیوں مجھکو غشی ہے
یہ بھی اک ادا ہے جو یہ بیگانہ وشی ہے

افکار دو عالم نے کیا ہے مجھے بیمار
سنتا ہوں علاج اسکا فقط بادہ کشی ہے

محبوبہ بھی رخصت ہوئی ساقی بھی سدھارا
دولت نہ رہی پاس تو اب ہی[1] ہے نہ شی[2] ہے

میں کونسا منہ لے کے انھیں شکل دکھاؤں
گورے کو کہا جب یہ نگوڑا حبشی ہے

اِدھر ہے جلوۂ مضموں اُدھر حسنِ قوافی ہے
یہی اک شغل میرے دل کے بہلانیکو کافی ہے

جنابِ شیخ ہی کو فکرِ استادِ معانی ہے
ہماری طبع موزوں کو زمینِ شعر کافی ہے

۴

تیری زلفوں میں کافری ہے
تیری آنکھوں میں ساحری ہے

اللہ رے مصائبِ شبِ ہجر
گویا ہر سانس آخری[3] ہے

کہنے لگے سن کے نظم میری
دقیانوسی یہ شاعری ہے

اُٹھ گیا دنیا سے دل عزلت گزینی کے لئے
یاد تیری مل گئی ہے ہمنشینی کے لئے

مطیع و تابعِ فرمان کو عذر ہی کیا ہے
کھلے تو حال کہ مرضی حضور کی کیا ہے

جنابِ شیخ کو ہے میرے حال پر افسوس
کہو کہ اس سے بھی ہوگا سوا ابھی کیا ہے

صدائے صور کی ہے ابتدا زمانے میں
بڑھے گی اسکی بتدریج لے ابھی کیا ہے

وہ عشق کیا جو نہ ہو ہادیِ طریقِ کمال
جو عقل کو نہ بڑھائے وہ شاعری کیا ہے

ہر ایک کو ہے زمانے میں زندگی مقصود
کسے خبر ہے کہ مقصودِ زندگی کیا ہے

بتوں کو دیتے ہیں ہم جان دل لگی کے لئے
مگر یہ جان گنوانا ہے دل لگی کے لئے

مرید لوگ بھی اب اعتنا نہیں کرتے
جو دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں شیخ جی کیا ہے

جو تیرے محو ہیں اُنکو بتوں سے کیا مطلب
وہ حور کی نہیں سنتے تو پھر پری کیا ہے

اس انقلاب کو حیرت سے دیکھتا ہوں میں
زمانہ کہتا ہے دیکھا کرو ابھی کیا ہے

گلِ تر کو بھلا اس عارضِ رنگیں سے کیا نسبت
کہ اس پر اوس پڑتی ہے یہاں خوبی ٹپکتی ہے

تمہارے کان کی بجلی عیاں ہے قربِ عارض میں
یہی وہ برق ہے سورج کے پہلو میں چمکتی ہے

---

[1] ضمیر مذکر غائب [2] ضمیر مونث غائب [3] یہ لفظ آخر میں ہے ضرورت قافیہ کے لئے نون گرایا گیا ہے جیسے زمین سے زمی

اپنے پہلو سے وہ غیروں کو اُٹھا ہی نہ سکے
اُن کو ہم قصۂ غم اپنا سنا ہی نہ سکے

ذہن میرا وہ قیامت کہ دو عالم پہ محیط
آپ ایسے کہ مرے ذہن میں آ ہی نہ سکے

دیکھ لیتے جو اُنھیں تو مجھے رکھتے معذور
شیخ صاحب مگر اُس بزم میں جا ہی نہ سکے

عقل مہنگی ہے بہت عشق خلافِ تہذیب
دل کو اس عہد میں ہم کام میں لا ہی نہ سکے

ہم تو خود چاہتے تھے چین سے بیٹھیں کوئی دم
آپ کی یاد مگر دل سے بھلا ہی نہ سکے

عشق کامل ہے اُسی کا کہ پتنگوں کی طرح
تاب نظارۂ معشوق کی لا ہی نہ سکے

دامِ ہستی کی بھی ترکیب عجب رکھی ہے
جو پھنسے اس میں وہ پھر جان بچا ہی نہ سکے

مظہرِ جلوۂ جاناں ہے ہر اک شے اکبر
بے ادب آنکھ کسی سمت اُٹھا ہی نہ سکے

ایسی منطق سے تو دیوانگی بہتر اکبر
کہ جو خالق کی طرف دل کو جھکا ہی نہ سکے

جو زاہد ان کی طرف سے تیری نگاہِ فتاں پھری نہیں ہے
تو کیا سبب ہے ہنوز اُنکی بنائے تقویٰ گری نہیں ہے

اگرچہ عاشق بتوں کا ہوں میں نظر خدا سے پھری نہیں ہے
جو آنکھ رکھتے ہیں جانتے ہیں کہ عاشقی کافری نہیں ہے

جمالِ دلکش کا محو ہونا نہیں ہے ہرگز خلافِ طاعت
خدا کی قدرت کی قدر کرنا ثواب ہے کافری نہیں ہے

بس اک اشارے میں لے گئی تو وہ سب ایمان و صبر و تقویٰ
بتا تو اے چشمِ مستِ کافر یہ کیا ہے گر ساحری نہیں ہے

ہماری دولتِ ایماں بتِ کافر نے لوٹی ہے
اُمیدِ عیش پر خوش تھے مگر اب وہ بھی ٹوٹی ہے

مری تقریر طبعِ یار کو بیچین کرتی ہے
سبب کیا ہے وہی کہتا ہوں جو دل پر گزرتی ہے

ٹھہرتا ہی نہ ہو جو دل وہ ہے انمول دنیا میں
یہ کیا پوچھا کہ تیرے دل کی کیا قیمت ٹھہرتی ہے

سلیقہ عاشقی کا دل میں پیدا کرتی ہے فطرت
خدا جانے عنایت کرتی ہے یا ظلم کرتی ہے

یقیں قوتِ تدبیر ہمت پرستی ہے
غرورِ رفعتِ دنیا نظر کی پستی ہے

حدیثِ زلف و کمر معرفت کی غزلوں میں
خدا کے عشق میں بھی لطفِ بت پرستی ہے

مسلمانوں کو لطف و عیش سے جینے نہیں دیتے
خدا دیتا ہے کھانا شیخ جی پینے نہیں دیتے

شیخ جی اپنی سی بکتے ہی رہے
وہ تھیئٹر میں تھرکتے ہی رہے

دف بجایا ہی کئے مضموں نگار
وہ کمیٹی میں تھرکتے ہی رہے

سرکشوں نے طاعتِ حق چھوڑ دی
اہلِ سجدہ سر پٹکتے ہی رہے

گائیں سبزہ پا گئیں کر کے کلیل
اونٹ کانٹوں پر لپکتے ہی رہے

جو غبارے تھے وہ آخر گر گئے
جو ستارے تھے چمکتے ہی رہے

مرے اجداد بھی ڈرتے تھے اکبر میں بھی ڈرتا ہوں
مگر ان کو گناہوں سے تھا ڈر اور مجھ کو مرنے سے

نشانِ اللہ کا اس راہ میں دیتا نہیں واعظ
بجا ہے ہمتِ مسلم جو رکتی ہے ابھرنے سے

سعادت کا جو طالب ہے کھلا رکھ چشمِ عبرت کو
اثر دکھلائیگا یہ نقشِ ہستی آہ بھرنے سے

سرائے دہر کو جس نے محلِ خوف سمجھا ہے
اسے کیا لطف آئیگا یہاں دل کے ٹھہرنے سے

خدا کے نام میں لذت نہ پائی اہلِ غفلت نے
تعجب اسمیں کیا دل مر گیا دنیا پہ مرنے سے

خدا کے خوف کو کچھ تو جگہ دے دل میں اے اکبر
بتوں کی کافری بڑھتی ہے تیرے واہ کرنے سے

اگر ملنا نہیں منظور آنکھیں کیوں ملاتے ہو
نہ تڑپانے سے حاصل فائدہ بے چین کرنے سے

نہ رہنے دیگا مجھکو جوشِ دل اب کشمکش ہرگز
قیامت ہو گیا ہے آپکا سینہ ابھرنے سے

جوانی کی ہے آمد شرم سے جھک سکتی ہیں آنکھیں
مگر سینے کا فتنہ رک نہیں سکتا ابھرنے سے

اور بھی دورِ فلک ہیں ابھی آنے والے
ناز اتنا نہ کریں ہم کو مٹانے والے

سیکڑوں دورِ جنوں ہیں ابھی آنے والے
مطمئن کیا ہیں مجھے ہوش میں لانے والے

اٹھتے جاتے ہیں اب اس بزم سے اربابِ نظر
گھٹتے جاتے ہیں مرے دل کے بڑھانے والے

خاتمہ عیش کا حسرت ہی پہ ہوتے دیکھا
رو ہی کے اٹھے ہیں اس بزم سے گانے والے

حدِ ادراک میں داخل نہ ہوا اسرارِ ازل
کچھ سمجھ ہی نہ سکے ہوش میں آنے والے

موجِ معنی ہوئی گم بندھ گئے الفاظ کے پل
کچھ خبر ہے تجھے اے بات بنانے والے

آپ اندھیرے میں ہیں بجلی سے مدد لیتے ہیں
چاند سورج ہیں ہمیں راہ دکھانے والے

بار احسان جسے کہتے ہیں وہ ہے کوہِ جفا
کاش نادم ہوں یہ احسان جتانے والے

آپ منکر ہیں غلامی بھی نہیں ملتی ہے
سلطنت کر گئے عقبیٰ سے ڈرانے والے

قدم شوق بڑھے انکی طرف کیا اکبر
دل سے ملتے نہیں یہ ہاتھ ملانے والے

رہ گئے ہم ہاتھ ہی ملتے ہوئے
دل ہمارا لے کے وہ چلتے ہوئے

کیوں نہ ہوتا دیبِ کالج بے ثمر
کس نے دیکھا بید کو پھلتے ہوئے

سب میں وحشت ہے زمانے کے بدل جانے سے
دل الجھنے سے نہ ملتا ہے نہ بیگانے سے

رحم کر قوم کی حالت پہ تو اے ذکرِ خدا
بے ادب ہو گئی مجلس ترے اٹھ جانے سے

جب ہمیں وہ نہ رہے پھر یہ بدلنا کیسا
یہ کھو مٹ گئے دنیا کے بدل جانے سے

نقصِ تعلیم سے اب اسکی سمجھ ہی نہ رہی
دل تو بڑھ جاتا تھا اجداد کے افسانے سے

شیخ مرحوم کا قول اب مجھے یاد آتا ہے
دل بدل جائینگے تعلیم بدل جانے سے

حکم اکبر کو ہوا ہے کہ کرو ترک سخن
خواجہ حافظ بھی نکالے گئے میخانے سے

دم لبوں پر تھا دل زار کے گھبرانے سے
آ گئی جان میں جان آپ کے آجانے سے

تیرا کوچہ نہ چھٹے گا ترے دیوانے سے
اسکو کعبے سے نہ مطلب ہے نہ بتخانے سے

بچتا ہوں کوے حسیناں کی ہوا کھانے سے
فائدہ کیا ہے دبی آگ کے بھڑکانے سے

رقص کرتی ہے صبا گرم نوا ہے بلبل
کشتہ اس ناچ کا ہوں مست ہوں اس گانے سے

جو کہا میں نے کرو کچھ مرے رونے کا خیال
ہنس کے بولے مجھے فرصت ہی نہیں گانے سے

جان بلب یکھ کے سینے سے لگایا اس نے
گھٹ گئی شرم مرے شوق کے بڑھ جانے سے

خیر جیب رہیئے مزا ہی نہ ملا بوسے کا
میں بھی بے لطف ہوا آپ کے جھنجلانے سے

خوش کرے کیا مجھے غنچوں کا شگفتہ ہونا | رنج ہوتا ہے بہت پھولوں کے کمھلانے سے
اپنے دل ہی کی رفاقت میں بسر کی ہم نے | شکر اللہ کا ہے بچ گئے دیوانے سے
شیخ نافہم ہیں کرتے جو نہیں قدر اس کی | دل فرشتوں کے ملے ہیں ترے دیوانے سے
مضطرب عشق بتاں میں ہوں عبث میں اتنا | رام ہو جائینگے کیا وہ مرے گھبرانے سے
میہماں چرخ ستمگر کا کیا قسمت نے | کوئی چارہ نہیں اب خوں جگر کھانے سے
خوانِ الوانِ جہاں پر یہ ہوا ہم کو یقیں | حفظ ایمان ہے فقط خوں جگر کھانے سے
میں جو کہتا ہوں کہ مرتا ہوں تو فرماتے ہیں | کار دنیا نہ رکے گا ترے مر جانے سے
رونق عشق بڑھا دیتی ہے بیتابیِ دل | حسن کی شان فزوں ہوتی ہے شرمانے سے
دلِ صد چاک سے کھل جائینگے ہستی کے یہ پیچ | بل نکل جائینگے اس زلف کے اس شانے سے
کون ہمدرد کسی کا ہے جہاں میں اکبر | ایک ابھرتا ہے یہاں ایک کے مٹ جانے سے
صفحۂ دہر یہ ہیں نقش مخالف اکبر | ایک ابھرتا ہے یہاں ایک کے مٹ جانے سے

کل تک محبتوں کے چمن تھے کھلے ہوئے | دو دل کبھی آج مل نہیں سکتے ملے ہوئے
اچھے وہی ہیں آج جو سوتے ہیں زیرِ گل | افسوس ہے انھیں کے ہزاروں گلے ہوئے
آنکھیں دکھا رہی ہیں کہ ہے دل میں بیٹری[1] | عارض اگرچہ گل کی طرح ہیں کھلے ہوئے

آنکھیں مجھے تلووں سے وہ ملنے نہیں دیتے | ارمان مرے دل کا نکلنے نہیں دیتے
خاطر سے تری یاد کو ٹلنے نہیں دیتے | سچ ہے کہ ہمیں دل کو سنبھلنے نہیں دیتے
کس ناز سے کہتے ہیں وہ جھنجھلا کے شبِ وصل | تم تو ہمیں کروٹ بھی بدلنے نہیں دیتے
پروانے کے فانوس کو دیکھا تو یہ بولے | کیوں ہمکو جلاتے ہو کہ جلنے نہیں دیتے
حیران ہوں کس طرح کروں عرضِ تمنا | دشمن کو تو پہلو سے وہ ٹلنے نہیں دیتے
دل وہ ہے کہ فریاد سے لبریز ہے ہر وقت | ہم وہ ہیں کہ کچھ منہ سے نکلنے نہیں دیتے
گرمیِ محبت میں وہ ہیں آہ کے مانع | پنکھا نفسِ سرد کا جھلنے نہیں دیتے

[1] لغت انگریزی بجلی پیدا کرنے کے آلہ کو کہتے ہیں۔

دورِ دوم

غمزہ نہیں ہوتا کہ اشارا نہیں ہوتا
آنکھ ان سے جو ملتی ہے تو کیا کیا نہیں ہوتا ۴

جلوہ نہ ہو معنی کا تو صورت کا اثر کیا
بلبل گلِ تصویر کا شیدا نہیں ہوتا

اللہ بچائے مرضِ عشق سے دل کو
سنتے ہیں کہ یہ عارضہ اچھا نہیں ہوتا ۵

تشبیہ ترے چہرے کو کیا دوں گلِ تر سے
ہوتا ہے شگفتہ مگر اتنا نہیں ہوتا ۴

میں نزع میں ہوں آئیں تو احسان ہے ان کا
لیکن یہ سمجھ لیں کہ تماشا نہیں ہوتا

ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں بدنام
وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چرچا نہیں ہوتا ۴

نہاں ہے مثلِ بوئے گل جو رنگ اس روئے زیبا کا
مری چشمِ تماشا چشمہ ہے خونِ تمنا کا

سیہ بختی کے پڑتے ہیں جو میرے پیچ قسمت میں
تو یاد آتا ہے بل کھانا کسی زلفِ چلیپا کا

ہوا ہے امتحانِ ضبط پر مائل محبت کا فر
خدا حافظ دلِ بے صبر و جانِ ناشکیبا کا

بڑھا کر آرزو اتنا گھٹایا عشق نے مجھکو
کہ کانٹا رہ گیا میں اپنے گلزارِ تمنا کا

نہ ہو چشمِ تمنا کس طرح محوِ رخِ روشن
رخِ روشن تمہارا نور ہے چشمِ تمنا کا

مری آنکھوں سے ہے کیفیتِ مستیِ دل پیدا
لبِ ساغر سے افشا ہو رہا ہے رازِ مینا کا

کمالِ یاس حاصل ہو گیا آخر مجھے اکبر
بہت روزوں سے دل کو شغل تھا مشقِ تمنا کا

غمِ فراق کا صدمہ اٹھا نہیں سکتا
اب اپنی جاں میں اسے جاں بچا نہیں سکتا

کسی کو رنگِ محبت دکھا نہیں سکتا
جو دل میں ہے وہ زباں پر میں لا نہیں سکتا

حیائے حسن انہیں ہے حجابِ عشق مجھے
غرض وہ آ نہیں سکتے میں جا نہیں سکتا

یہ کہکے اٹھ گئے ہنگام نزع سے رفیق
یہ راہ وہ ہے کوئی ساتھ جا نہیں سکتا
لگائے سینے سے یا قتل کر مجھے ظالم
ترے قدم سے میں اب سر اٹھا نہیں سکتا
تمہیں ملو تو ملو ورنہ اور سے کیا کام
میں اپنے دل کو کہیں اب لگا نہیں سکتا
نظر لگائے ہیں لیر ہر اک طرف سے حسیں
کسی طرح سے میں پہلو بچا نہیں سکتا

گذر چکا ہے مرا کام ضبط سے اکبر
میں رازِ عشق اب اپنا چھپا نہیں سکتا

تم نے بیمارِ محبت کو ابھی کیا دیکھا
جو یہ کہتے ہوئے جاتے ہو کہ دیکھا دیکھا
طفلِ دل کو مرے کیا جانے لگی کسکی نظر
میں نے کمبخت کو دو دن بھی نہ اچھا دیکھا
ق
لے گیا تھا طرفِ گورِ غریباں دلِ زار
کیا کہیں تم سے جو کچھ واں کا تماشا دیکھا
وہ جو تھے رونقِ آبادیِ گلزارِ جہاں
سر سے پا تک انھیں خاکِ رہِ صحرا دیکھا
کل تلک محفلِ عشرت میں جو تھے صدر نشیں
قبر میں آج انھیں بیکس و تنہا دیکھا
بسکہ نیرنگیِ عالم پہ اسے حیرت تھی
آئینہ خاکِ سکندر کو سراپا دیکھا
سرِ جمشید کے کاسے میں بھری تھی حسرت
یاس کو معتکفِ تربتِ دارا دیکھا

وصلِ جاناں کی دلِ زار کو حسرت ہی رہی
پر میسر نہ ہوا
عمر بھر جان پہ فرقت کی مصیبت ہی رہی
تھا یہ قسمت کا لکھا

تم نے جو بات کہی میں نے دل و جان سے وہ کی
نہ کیا عذر کبھی
تم کو اس پر بھی مگر مجھ سے شکایت ہی رہی
پھل یہ خدمت کا ملا

چشمۂ چشم سے اشکوں کی بھی موجیں نکلیں
ٹھنڈی سانسیں بھی بھریں
آتشِ غم کی مگر دل میں حرارت ہی رہی
نہ ہوا فرق ذرا

کھائیں سو مرتبہ قسمیں کہ ہوں عاشق تجھ پر
نہیں اوروں پہ نظر
بدگمانی مگر اس شوخ کی عادت ہی رہی
صاف مجھ سے نہ ہوا

ایک تم ہو کہ ہزاروں ہی کئے مجھ پہ ستم — مل کے غیروں سے بہم
ایک میں ہوں کہ مجھے تم سے محبت ہی رہی — کبھی شکوہ نہ کیا

دشمنوں نے تو بہت بات بنائی جا کر — کہ وہ بگڑیں مجھ پر
حال پر میرے مگر انکی عنایت ہی رہی — کچھ کسی سے نہ ہوا

ہے تمہاری بھی عجب سخت طبیعت بخدا — رحم دل میں نہ مزا
منتیں کرتے رہے ہم تمہیں وحشت ہی رہی — پاس بیٹھے نہ ذرا

منزلِ گور میں تنہا مجھے سب چھوڑ چلے — اپنے بیگانے جو تھے
ساتھ دینے کو فقط اسکی عنایت ہی رہی — اور کوئی نہ رہا

ہمنشیں اٹھ گئے اس بزم سے اپنے **اکبر** — تم بھی بس باندھو کمر
نہ وہ جلسے ہی رہے اب نہ وہ صحبت ہی رہی — کیا ہے جینے کا مزا

مائل دلِ وحشی ہے کسی زلف دوتا کا — سودا مرے دیوانے کو ہے دام بلا کا
انکارِ وصال انکے لبوں پر یہ نہیں ہے — پیغام میں سنتا ہوں مسیحا سے قضا کا

یار نے کچھ خبر نہ لی دل نے جگر نے کیا کیا — نالۂ شب سے کیا ہوا آہِ سحر نے کیا کیا
دونوں کو پا کے بےخبر کر گئے کام حسن و عشق — دل لئے ہمارے کیا کیا انکی نظر نے کیا کیا
صاحبِ تاج و تخت بھی موت سے یاں نہ بچ سکے — جاہ و حشم سے کیا ہوا کثرتِ زر نے کیا کیا
کھل گیا سب حال دل ہنستے ہیں دوست برملا — ضبط کیا نہ راز عشق دیدۂ تر نے کیا کیا
اکبرِ خستہ دل کا حال قابلِ رحم ہو گیا
اس سے سلوک کیا کہوں تیری نظر نے کیا کیا

ہجومِ غم سے ان روزوں ہے دل زیر و زبر اپنا — بحق احمدِ مرسل الٰہی فضل کر اپنا
نصیحت واعظوں کی اب کرے گی کیا اثر اپنا — زمانہ ہو چکا ہے یونہیں رندی میں بسر اپنا
نہ روؤں کس طرح غربت میں میں دل کھو کر اپنا — حجاب اب ہے یہاں کس کا نہ شہر اپنا نہ گھر اپنا

رہے در سیم محبتاں جستیوں سے نہیں کیا رکھوں
جہاں تک دیکھتا ہوں نفع انکا ہے ضرر اپنا

رہے آوارہ یوں اک عمر دنیا میں تو کیا حاصل
مزا تب تھا بنا لیتے کسی کے دل میں گھر اپنا

محل غیرت کا ہے چہرے پہ نکلا ہار قاتل کے
مجھے اس معرکہ میں منہ نہ دکھلائے سپر اپنا

محبت کھل سکے گر اپنی پیارے شگفتے دیتے ہیں
عجب عالم ہے غیرت سے اُدھر انکا اِدھر اپنا

محبت میں یہ ناصح اور بھی اک قہر ڈھاتے ہیں
کہیں کیا ناک میں دم ہے اُدھر انکا اِدھر اپنا

گلستانِ فضا میں بسکہ ہے قدِ نظر اپنا
گل تر سے لطافت میں فزوں ہے شعر تر اپنا

ہوا ہے بیخودی کے کوچہ میں عجب سے گذر اپنا
نگاہِ شوق سے میں خود ہوں منظورِ نظر اپنا

اٹھاتا تھا ہزاروں سختیاں لیکر اسے رکھ کر
مرے سنگِ لحد پر آرزو ٹپکے گی سر اپنا

عروجِ ہستیِ فانی پہ کیا سرگرمِ عشرت ہوں
فروغِ چند ساعت ہے یہاں مثلِ شرر اپنا

کچھ ہے آمد آمد ہے نویدِ وصلِ جاناں کی
اٹھا لے سینہ سے بستر تو اے دردِ جگر اپنا

نہیں کچھ آج ہی سے میری قسمت میں پریشانی
ازل سے حصّہ سودائے گیسو میں ہے سر اپنا

لحد کی فکر بھی لازم ہے منعم قصرِ عالی میں
مآلِ کار بھی کچھ سوچ لے اے بیخبر اپنا

امانت عشق کی بعد اپنے کیا جانے ملے کس کو
نہیں معلوم جائے کس کے سر پہ دردِ سر اپنا

غرض کیا انکو ہے پاپوش انکی پانو دھوتی ہے
لئے پھرتا ہے کیوں مہرِ فلک یہ طشتِ زر اپنا

نگاہِ شوق پر دستِ ہوس کو کیوں نہ رشک آئے
کہ یہ مجبور ہیں وہ کام کرتی ہے اُدھر اپنا

کہیں دیکھا نہ ہستی و عدم کا اشتراک ایسا
جہاں میں مثل رکھتی ہی نہیں آن کی کمر اپنا

نہایت جلد آکر باعثِ تسکینِ خاطر ہو
سراپا منتظر سمجھے مجھے آن کی خبر اپنا

نہیں پاتی نہیں پاتی رسائی گوشِ جاناں تک
بدلتی ہے طریقہ سو طرح میری خبر اپنا

غزل ایسی پڑھو ملو جو ہو عالی مضامیں سے
گرداب دو مرے گوچے میں اے اکبر گذر اپنا

حباب آسا اٹھایا بحرِ ہستی میں جو سر اپنا
بنایا بس وہیں موجِ فنا نے ہمسفر اپنا

بسر تیرہ دروں میں ہو کیونکر اہلِ بینش کی
اندھیرے میں نہیں کچھ کام کر سکتی نظر اپنا

پہونچ جاؤنگا سجدوں سے مقامِ قربِ باری میں
قدم کے بدلے میں اس راہ میں کھونگا سر اپنا

خطِ موہوم کو ہے نقطۂ فرضی سے اک نسبت
تمہیں اپنے دہن سے کچھ کرو وصفِ کمر اپنا

تصور بھی کبھی مرقد کا آتا تھا نہ دنیا میں
یہ غفلت تھی کہ ہم بھولے ہوئے بیٹھے تھے گھر اپنا

رہِ توحید میں کھٹکا نہیں ہے غیر کا مجھکو
خودی کا خوف ہے لیکن رہا کرتا ہے ڈر اپنا

نزاکت کے اثر سے شعر میں بھی بندھ نہیں سکتا
بچا جاتا ہے پہلو مجھ سے مضمونِ کمر اپنا

ہماری سرخیِ داغِ جگر سے زرد ہونگے
جمائینگے وہاں کیا رنگِ الفت اہلِ زر اپنا

تردد کچھ نہیں ایذا دہندوں کو رسائی میں
تمنا بے تکلف دل میں کر لیتی ہے گھر اپنا

نسیمِ عیش ہو یا صرصرِ غم ہم نہیں ہٹتے
جما ہے پائے استقلال یہاں مثلِ شجر اپنا

جو پیشِ چشمِ معنی جلوۂ حسنِ بشر آیا
تماشا پرتوِ انوارِ خالق کا نظر آیا

رہا دم بھر فروغ اُسکو کبھی جو اوج پر آیا
مرے حصے میں شاید اخترِ بختِ شرر آیا

تصور جلوۂ توحید کا ہے مثلِ آئینہ
کیا شوقِ تماشا جب کبھی میں خود نظر آیا

تصور آنکے عارض کا زبس رنگین و نازک تھا
پری بنکر ہمارے شیشۂ دل میں اُتر آیا

ملا ہے ہمکو یہ مضمونِ روشن چشمِ بینا سے
کہ چھوڑی جس نے خود بینی اُسے سب کچھ نظر آیا

گیا تھا ہو کے رخصت صورتِ تسکینِ دل مجھسے
بہ رنگِ ہوش واں سے پھر کے اپنا نامہ بر آیا

حسینوں کو ترے بھولے ہوئے اے بت میں کیا دیکھوں
مجھے تو حسن تیرا خود تماشائی نظر آیا

ہوا ہے باعثِ ایجادِ عالم حسن یہ کسکا
یہ کس کے دیکھنے کو مجمعِ اہلِ نظر آیا

جگہ بھی بیٹھنے کی اب مجھے ملتی نہیں صاحب
وہی اچھا رہا اس بزم میں جو پیشتر آیا

سوا افسانۂ دل کے کہا بھی کچھ نہیں میں نے
یہ غصہ آپ کو فرمایئے کس بات پر آیا

ہوئے سرسبز لاکھوں نخل اس گلزارِ ہستی میں
نہ لیکن رنگ پہ اپنی تمنا کا شجر آیا

نہ حاصل ہوا صبر و آرام دل کا
نہ نکلا کبھی تم سے کچھ کام دل کا

محبت کا نشہ رہے کیوں نہ ہردم — بھرا ہے مئے عشق سے جام دل کا

پھنسایا تو آنکھوں نے دام بلا میں — مگر عشق میں ہو گیا نام دل کا

ہوا خوب رسوا یہ عشق بتاں میں — خدا ہی ہے اب میرے بدنام دل کا

یہ بانکی ادائیں یہ ترچھی نگاہیں — یہی لے گئیں صبر و آرام دل کا

دھواں پہلے اٹھتا تھا آغاز تھا وہ — ہوا خاک اب یہ ہے انجام دل کا

جب آغاز الفت ہی میں جل رہا ہے — تو کیا خاک بتلاؤں انجام دل کا

خدا کے لئے پھیر دو مجھکو صاحب — جو سرکار میں کچھ نہ ہو کام دل کا

پس مرگ اُن پر کھلا حال الفت — گئی لے کے روح اپنا پیغام دل کا

تڑپتا ہوا یوں ہیں پایا ہمیشہ — کہوں کیا میں آغاز و انجام دل کا

دل اُس بے وفا کو جو دیتے ہو اکبر
تو کچھ سوچ لو پہلے انجام دل کا

فروغِ کم بضاعت رونقِ عالم نہیں ہوتا — مہِ نو بدر ہو کر نیرِ اعظم نہیں ہوتا

بتوں کے قول سے شادانِ دلِ پُرغم نہیں ہوتا — دل اُنکا سنگ ہے پر عہد مستحکم نہیں ہوتا

خدا محفوظ رکھے الفتِ مژگانِ خوباں سے — یہ ذوقِ نشترِ دل مرتے مرتے کم نہیں ہوتا

مقامِ بیخودی میں آرزو کیا عرض مطلب کیا — وہاں یہ دل نہیں ہوتا ہے یہ عالم نہیں ہوتا

صفائے سینہ تک دست تصور کسطرح پہونچے — وہ سینہ آشنائے دستِ نامحرم نہیں ہوتا

تمہارے وعظ میں تاثیر تو ہے حضرتِ واعظ — اثر لیکن نگاہِ ناز کا بھی کم نہیں ہوتا

تمنائے وصالِ یار میں ہر وقت روتا ہوں — فراق آستیں و دیدۂ پُرنم نہیں ہوتا

شکستہ۔ سوختہ۔ مجروح آسیر یہ تمنائیں — دلِ عاشق سا دنیا میں کوئی بے غم نہیں ہوتا

اگر دل واقفِ نیرنگیِ طبعِ صنم ہوتا — زمانہ کی دورنگی کا اسے ہرگز نہ غم ہوتا

یہ پابندِ مصیبت دل کے ہاتھوں ہم تو رہتے ہیں — نہیں تو چین سے کٹتی نہ دل ہوتا نہ غم ہوتا

آنکھیں کی بیوفائی کا یہ ہے آنکھوں پہ ہمدم
وہی ہوتے جو قابو میں تو پھر کا ہیکو غم ہوتا

لب و چشم صنم گر دیکھنے پاتے کہیں شاعر
کوئی شیریں سخن ہوتا کوئی جادو رقم ہوتا

بہت اچھا ہوا آئے نہ وہ میری عیادت کو
جو وہ آتے تو غیر آتے جو غیر آتے تو غم ہوتا

اگر قبریں نظر آتیں نہ دارا و سکندر کی
مجھے بھی اشتیاقِ دولت و جاہ و حشم ہوتا

لئے جاتا ہے جوشِ شوق ہمکو راہِ الفت میں
نہیں تو ضعف سے دشوار چلنا دو قدم ہوتا

نہ رہنے پائے دیواروں میں روزن شکر ہے ورنہ
تمہیں تو دلگی ہوتی غریبوں پہ ستم ہوتا

نہ پروانے سے محفل اور نہ بلبل سے چمن چھوٹا
مجھی سے جلسۂ رنگیں یارانِ وطن چھوٹا

وہ ترچھی نظروں سے دیکھا کئے اور میں رہا بسمل
نہ بیتابی گئی میری نہ انکا بانکپن چھوٹا

روشن دلِ عارف سے فزوں ہے بدن انکا
رنگیں ہے طبیعت کی طرح پیرہن انکا

محروم ہی رہ جاتی ہے آغوشِ تمنا
شرم آکے چرا لیتی ہے سارا بدن انکا

جن لوگوں نے دل میں ترے گھر اپنا کیا ہے
باہر ہے دو عالم سے مری جاں وطن انکا

ہر بات میں وہ چال کیا کرتے ہیں مجھ سے
الفت نہ نبھی گی جو یہی ہے چلن انکا

عارض سے غرض ہمکو عنادل کو ہے گل سے
ہے کوچۂ معشوق ہمارا چمن انکا

ہے صاف نگاہوں سے عیاں جوشِ جوانی
آنکھوں سے سنبھلتا نہیں مستانہ پن انکا

یہ شرم کے معنی ہیں حیا کہتے ہیں اسکو
آغوشِ تصور میں نہ آیا بدن انکا

غیروں ہی پہ چلتا ہے جو ابناز کا خنجر
کیوں پیچ میں لایا تھا مجھے بانکپن انکا

غیروں نے کبھی پاک نظر سے نہیں دیکھا
وہ اسکو نہ سمجھیں تو یہ ہے حسنِ ظن انکا

اس زلف و رخ و لب پہ انھیں کیوں نہو نخوت
تاتار ہے انکا حلب انکا یمن انکا

اللہ رے فریبِ نظرِ چشمِ فسوں ساز
بندہ ہے ہر اک شیخ ہر اک برہمن انکا

آیا جو نظر حسنِ خداداد کا جلوہ
بت بن گیا منھ دیکھ کے ہر برہمن انکا

مرقد میں اتارا ہمیں تیوری کو چڑھا کر
ہم مر بھی گئے پر نہ چھٹا بانکپن انکا

گذری ہوئی باتیں نہ مجھے یاد دلاؤ
اب ذکر ہی جانے دو بس اے جانِ من اُنکا

دلچسپ ہے آفت ہے قیامت ہے غضب ہے
بات اُنکی ادا اُن کی قد اُن کا چلن اُنکا

پوشیدہ آنکھوں میں کبھی دل میں نہاں رہا
برسوں خیالِ یار مرا میہماں رہا

فریاد کرکی بھی نہیں دیوار رات بھر
کیا مجھ سے پوچھتے ہو تو کل شب کہاں رہا

بیجا مرے سفر پہ ہیں یہ بدگمانیاں
پیشِ نظر نہیں تو ہے بس جہاں رہا

مصحفِ رخسارِ یوسف میں ہو جب تفسیرِ خواب
کیا زلیخا کو عزیزِ مصر دے تعبیرِ خواب

اگلی باتیں حسن کے عبرت کے عوض غفلت بکر
غافلوں کے واسطے افسانہ ہے تدبیرِ خواب

کوچۂ جاناں سے اٹھتا ہوں تو سو جاتے ہیں پاؤں
ہے طلسمِ تازہ بیڑی کے عوض زنجیرِ خواب

خواب بخشیں بیداریاں اس ہستی موہوم کی
گور میں خواب فنا سے مل گئی تعبیرِ خواب

برق کا جلوہ نظر آیا ہے مجھکو خواب میں
قرب آن سے ہوگا اتنی ہے اگر تعبیرِ خواب

وصل میں شوق تماشا تجھ پہ اشکوں کا جوش
عاشقی میں الغرض ممکن نہیں تدبیرِ خواب

قتل کرتا ہے ترا بیباختہ سونا مجھے
اس ادائے خواب کو کہتا ہوں میں شمشیرِ خواب

اس زمیں میں اور بھی پڑھتے غزل اکبر کوئی
پڑ گئی ہو گر نہ پائے فکر میں زنجیرِ خواب

ہم یہ سمجھے تھے نہ وہ حاصل ہوئی تعبیرِ خواب
خواب میں بھی پھر نظر آئی نہ وہ تصویرِ خواب

عالمِ ایجاد بھی اک عالمِ موہوم ہے
جتنی تعبیریں ہیں یاں کی ہیں یہ سب تعبیرِ خواب

خواب میں دیکھا کہ وہ دامن چھڑا کر چل دیے
حشر کے دن ہونگے یارب ہم گریباں گیرِ خواب

کون ایسا ہے جو ہر شب چین سے سوتا نہیں
اک ہمیں محروم ہیں اے فیضِ عالمگیرِ خواب

حضرتِ یوسف کو لپٹا کر زلیخا نے کہا
آپ کے ملنے سے مجھکو مل گئی تعبیرِ خواب

خواب میں شاید کہی ہے تم نے اکبر یہ غزل
سارے مضموں ہیں خیالی ہے یہ سب تقریرِ خواب

نظر آتی نہیں جب انمیں اثر کی صورت
فائدہ کیا جو ہوے اشک گہر کی صورت

خانۂ دل کو کیا عشق بتاں نے برباد
کیا سے کیا ہو گئی اللہ کے گھر کی صورت

حسن کے واسطے لازم ہے تلوّن شاید
دیکھیے روز بدلتی ہے قمر کی صورت

جسنے مخلوق میں خالق کی تجلی پائی
دیکھ لی آئینہ میں آئینہ گر کی صورت

دل رنگیں بھی عجب دل ہے مگر قہر ہے یہ
خون ہو جاتا ہے مصروف تمنا ہو کر

مرض عشق سے صحت نہیں ہوتی تو نہو
کام ہی کیا ہے کروں گا جسے اچھا ہو کر

عالم اُسکے رخ زیبا کا بیاں ہو کس سے
حسن حیرت میں ہے خود محو تماشا ہو کر

بتوں کی مجھکو یہ ترچھی نظر نہیں منظور
خرابی دل و جان و جگر نہیں منظور

وہ ٹالتے ہیں عبث آجکل پہ وعدہ وصل
جواب صاف یہ دیدیں اگر نہیں منظور

یہاں تک آنے میں تکلیف ہو گی انکو کہاں
اسی سے جذبۂ دل کا اثر نہیں منظور

وہ خود رقیبوں سے ملنا جو ترک کرتے نہیں
تو خیر مجھکو بھی اب اُنسے شر نہیں منظور

مرض ہزار بلا خیز ہو پسند ہے وہ
دوا میں لاکھ شفا ہو مگر نہیں منظور

ہزار بے اثری ہو رہیگا ضبط مجھے
فغاں میں لاکھ اثر ہو مگر نہیں منظور

نہ ہو عروج نہ ہو بیفروغ ہوں تو رہیں
یہ سرکشی تو بسان شرر نہیں منظور

قبول سایۂ دیوار یار میں رہنا
ہما کا سایہ مگر فرق پر نہیں منظور

ہزار نوک سناں سینہ پر گوارا ہے
مگر یہ کاوش تیر نظر نہیں منظور

اُداس ہوتے ہو کیوں بیٹھو پھر چلے جانا
تمہارا روکنا کچھ رات بھر نہیں منظور

جو گھر سے نکلا تو ظالم مرے دکھانے کو
اُدھر چلا ہے کہ جانا جدھر نہیں منظور

عدم کو جاتا ہوں احباب دیکھ لیں آکر
وہیں رہونگا اب آنا ادھر نہیں منظور

ازل میں خالق برحق سے روح کا تھا یہ قول
بغیر عشق لباس بشر نہیں منظور

وہ دل پسند نہیں جسمیں جائے درد نہو
ہوائے غم نہو جسمیں وہ سر نہیں منظور

مخلِّ امن یہی ہے کہ سب بھلائے رہیں
کسی کے دل میں مجھے اپنا گھر نہیں منظور

خیالِ وصلِ بتاں چھوڑ دو بس اے اکبر
تڑپنا روح کا آٹھوں پہر نہیں منظور

سنہ ۱۸۷ء

آ گیا وقتِ اجل اے شوق دنیا الوداع
الوداع اے حسرتِ دل اے تمنا الوداع

الوداع اے ساقیِ مینا نۂ طولِ امل
اے سرورِ بادۂ امیدِ فردا الوداع

اے خمِ محرابِ ایوانِ خوش آئینِ السلام
اے شکوہِ رفعتِ قصرِ معلّیٰ الوداع

الوداع اے مسند و فرش قبا و پیرہن
اے حریر و اطلس و کمخواب و دیبا الوداع

الوداع اے رنگ وحشت الوداع اے فرطِ شوق
رخصت اے جوشِ جنوں لے سیرِ صحرا الوداع

الوداع اے جلوۂ نیرنگیِ حسنِ بتاں
اے خیالِ عارض و زلفِ چلیپا الوداع

الوداع اے عالمِ نیرنگیِ باغِ جہاں
اے نگاہِ دیدۂ محوِ تماشا الوداع

عازمِ ملکِ عدم ہے اکبرِ خونیں جگر
الوداع اے عمر اے بزمِ احبّا الوداع

ہوا پھر قیدیِ زلفِ دوتا دل
بلا میں ہو گیا پھر مبتلا دل

نگاہیں چیتونیں عشوے کرشمے
اُدھر اتنے ادھر تنہا مرا دل

نہ چھوڑا آتشِ الفت نے پیچھا
جگر جلنے لگا جب جل چکا دل

لگاوٹ غیر سے ہم سے رکھائی
انھیں باتوں سے تجھ سے پھر گیا دل

یہ وقتِ نزع ہے دم بھر تو ٹھہرو
نہ توڑو عاشقِ رنجور کا دل

بڑے صدمے اٹھائے تم نے اکبر
بتوں کو اب نہ دو بہرِ خدا دل

عہدِ طفلی سے ہے مذہب میں گرفتاریِ دل
ساتھ ساتھ اپنے بڑھا کی ہے یہ بیماریِ دل

نئے انجام مبارک رہیں تو خیزوں کو
میں ہوں اور آرزوے مرگ وفاداریِ دل

زلفِ اسلام میں الجھے ہوئے مدت گذری
اب کہاں چھوڑتی ہے مجھکو وفاداریِ دل

میں تو شیدائے رسولِ عربی ہوں اکبر
بخدا ہے بس انھیں کے لئے سرداریِ دل

حاصلِ عمر سوا موت کے جب کچھ بھی نہیں
چار دن کے لئے یہ عیش و طرب کچھ بھی نہیں

وجہ کیا تمسے کہوں اسکی طبیعت ہی تو ہے
دل کو اک جوش ہے روتا ہوں سبب کچھ بھی نہیں

زندگی میں تو رہا کرتے تھے کیا کیا ساماں
قبر میں بعد فنا آئے تو اب کچھ بھی نہیں

نہ تو خلوت ہی میسر ہے نہ کچھ لطف کی بات
کیوں بلایا ہے مجھے آپ نے جب کچھ بھی نہیں

نہ وہ احباب نہ وہ لوگ نہ وہ شمع نہ بزم
صبحدم وہ اثرِ جلسۂ شب کچھ بھی نہیں

کوئی اکبر سا بھی دیوانہ نظر آیا ہے کم
پھر وہ روتا ہے جو پوچھو تو سبب کچھ بھی نہیں

سنبھالیں دل کو کہ ہم حالتِ جگر دیکھیں
تمام آگ لگی ہے کدھر کدھر دیکھیں

کریں نہ لطف و کرم وہ تو کیا وفا نہ کروں
یہی سمجھ ہے تو اچھا ستم بھی کر دیکھیں

یہ کہکے روح نے دل کو کیا سپرد انکے
کہ ہم تو جاتے ہیں اب آپ اپنا گھر دیکھیں

تڑپ کے جان ابھی دوں کہ ہوں خجل اغیار
خدا کرے کہ مجھے بھی وہ اک نظر دیکھیں

کبھی تو بوسۂ سیبِ ذقن عنایت ہو
نہال عیش کو اک دن تو بارور دیکھیں

زہادِ خشک حسنِ بتاں سے ہیں بے نصیب
آنکھیں خدا نے دی ہیں مگر دیکھتے نہیں

میں جنکے دیکھنے کو سمجھتا ہوں زندگی
اُن کا یہ حال ہے کہ ادھر دیکھتے نہیں

تاثیرِ انتظار نے یہ حال کر دیا
آنکھیں کھلی ہوئی ہیں مگر دیکھتے نہیں

بیخوف دل کو کرتے ہو پامال اے بتو
یہ شوخیاں خدا کا بھی گھر دیکھتے نہیں

ڈورے تو ڈالنے دو ذرا چشمِ شوق کو
دیکھیں گے کس طرح وہ ادھر دیکھتے نہیں

زخمی تری نظر سے بھی ہو ضبط بھی کرے
اتنا ہم اپنے دل کا جگر دیکھتے نہیں

میری جو پوچھتے ہو تو دیتا ہوں اُنپہ جاں
اُنکا یہ حال ہے کہ ادھر دیکھتے نہیں

ہے انقلاب حسن کے عالم میں کسقدر
دو دن بھی ایک شکل قمر دیکھتے نہیں

اکبر نہ سینک شعلۂ حسنِ بتاں پہ آنکھ
عاقل جو لوگ ہیں وہ ادھر دیکھتے نہیں

رقیبِ تیرہ باطن کو جگہ دے رکھی ہے دل میں
نہیں کچھ اور عیب اسکے سوا اُس ماہ کامل میں

نہ پوچھو وسعتِ اندیشۂ عشاقِ قامت کو
یہ وہ ہیں سو قیامت گم ہے اُنکے گوشۂ دل میں

بہت عاشق مگر صورت سے معنی بھی تو پیدا ہوں
بہت مجنوں مگر جلوہ تو ہو لیلیٰ کا محمل میں

زبانوں کو نہیں کھلنے کی طاقت بزم میں تیری
نگاہوں کو نہیں یارا کہ اُٹھیں تیری محفل میں

بہت آساں ہے تشریح منطق کے نتیجوں کی
بہت مشکل ہے لیکن فرق کرنا حق و باطل میں

سو جاں سے محوِ رُخ جاناں ہیں تو ہم ہیں
اس آئینہ خانہ میں جو حیراں ہیں تو ہم ہیں

گلگشت کریں پھول چنیں اُنکو ہے کیا غم
آوارۂ صحرائے مغیلاں ہیں تو ہم ہیں

بھڑکی ہوئی ہے آتشِ گل اپنے ہی دم سے
سوزِ جگرِ بلبل نالاں ہیں تو ہم ہیں

شور اپنے ہی جلوے کا ہے یہ دیر و حرم میں
مقصودِ دلِ گبر و مسلماں ہیں تو ہم ہیں

اے برق تڑپنے میں ہمیں ہیں ترے ساتھی
اے ابر ترے ساتھ جو گریاں ہیں تو ہم ہیں

دن رات رقیبوں پہ ہے صاحب کی عنایت
بس ایک غمِ ہجر میں نالاں ہیں تو ہم ہیں

آ چکی بس مرے حصہ میں شبِ وصل اے دل
گردشِ چرخ میں ایسے مرے مقسوم نہیں

بعد مدت کے جو تقریر بھی کی تم نے تو وہ
جس کے مطلب نہیں معنی نہیں مفہوم نہیں

کمرِ یار ہے باریکی سے غائب ہر چند
مگر اتنا تو کہوں گا کہ وہ معدوم نہیں

ترچھی چتوں سے خدا جانے وہ دیکھیں مجھے کب
موت کا وقت کسی شخص کو معلوم نہیں

میرا احوال جو یاروں نے کہا کچھ اُنسے
ہنسکے فرمایا کہ ہوگا مجھے معلوم نہیں

دم نکلتا ہے ہمارا خبر اُن کو نہیں کچھ
جانِ جاتی ہے ہماری اُنھیں معلوم نہیں

جب کہا میں نے مرے حصہ میں آؤ گے کبھی
ہنس کے فرمایا کہ ایسے ترے مقسوم نہیں

خوب کرتا ہوں رقیبوں کی برائی اُن سے
مذہبِ عشق میں غیبت کہیں مذموم نہیں

حرم کیا دیر کیا دونوں یہ ویراں ہوتے جاتے ہیں
تمہارے معتقد گبر و مسلماں ہوتے جاتے ہیں

الگ سب سے نظر نیچی خرام آہستہ آہستہ
وہ مجھکو دفن کرکے اب پشیماں ہوتے جاتے ہیں

سوا طفلی سے بھی ہیں بھولی باتیں اب جوانی میں
قیامت ہے کہ دن پر دن وہ ناداں ہوتے جاتے ہیں

کہاں سے لاؤنگا خونِ جگر انکے کھلانے کو
ہزاروں طرح کے غم دل کے مہماں ہوتے جاتے ہیں

خرابی خانہائے عیش کی دورِ گردوں میں
جو باقی رہ گئے ہیں وہ بھی ویراں ہوتے جاتے ہیں

بیاں میں کیا کروں دل کھول کر شوقِ شہادت کو
ابھی سے آپ تو شمشیرِ عریاں ہوتے جاتے ہیں

غضب کی یاد ہیں عیاریاں واللہ تم کو بھی
غرض قاتل تمہارے ہم تو بے جاں ہوتے جاتے ہیں

ادھر ہم سے بھی باتیں آپ کرتے ہیں لگاوٹ کی
ادھر غیروں سے بھی کچھ عہد و پیماں ہوتے جاتے ہیں

غم ہے اتنا کہ دلِ زار پہ قابو بھی نہیں
ضبط یہ ہے کہ کہیں آنکھ میں آنسو بھی نہیں

کیا مرے عہد میں بدلی ہے گلستاں کی ہوا
رنگ کیسا کہ کسی پھول میں خوشبو بھی نہیں

جفائیں جھیل کر تاثیر اُلفت کی دکھاتے ہیں
حنا کی طرح پس لیتے ہیں تب ہم رنگ لاتے ہیں

فدا سو جان سے ہوتا ہوں پروانوں کی ہمت پر
جلے جاتے ہیں لیکن شمع سے لپٹے ہی جاتے ہیں

کھلایا غم پلایا خونِ دل مہماں نوازی کی
ترے احسان مند اے چرخ ہم دنیا سے جاتے ہیں

خودی و بیخودی دونوں ہیں عکسِ صورتِ جاناں
اُسیکو جلوہ گر پاتے ہیں جس عالم میں جاتے ہیں

سحر کو در پہ جاتا ہوں تو فرماتے ہیں اندر سے
ابھی سو کر اُٹھے ہیں ہاتھ منہ دھوتے ہیں آتے ہیں

چرخ نے برہم کیا جس کو وہ صحبت خوب تھی
مٹ گئی جو قسمتِ بد سے وہ رنگت خوب تھی

صحبتِ باہم میں تو اب روز رہتا ہے فساد
ہمسے اُٹھنے دور کی صاحب سلامت خوب تھی

مار ڈالا رنجِ تنہائی نے غربت میں ہمیں
اب خیال آیا کہ یاروں ہی کی صحبت خوب تھی

جان دی شیریں نے اُسپر اسپہ لیلیٰ مر گئی — عشق میں فرہاد و مجنوں کی بھی قسمت خوب تھی

غم نہیں اسکا جو شہرت ہو گئی — ہو گئی اب تو محبت ہو گئی
اب کہاں اگلے سے وہ راز و نیاز — مل گئے صاحب سلامت ہو گئی
ہائے کیا دلکش ہے اُسکی چشم مست — آنکھ ملتے ہی محبت ہو گئی
چودھواں سال اُنکو ہے نام خدا — عمر آفت تھی قیامت ہو گئی
ناز سے اُسنے جو دیکھا شیخ کو — اُنکی دینداری ہی رخصت ہو گئی

خدا کا گھر بنانا ہے تو نقشہ لے کسی دل کا — یہ دیواروں کی کیا تجویز ہے زاہد یہ چھت کیسی

یہ کار عاشقی ہے دل جدھر لیجائے جا اکبر
یہ بحثیں اسمیں کیا ہیں مشورہ کیا مصلحت کیسی

تمہیں سے ہوئی مجھکو اُلفت کچھ ایسی — نہ تھی ورنہ میری طبیعت کچھ ایسی
جہاں دل دکھا بس نکل آئے آنسو — بگاڑی محبت نے عادت کچھ ایسی
حیا کی نگاہوں نے مارا ہے مجھکو — نہیں چتونوں کی شرارت کچھ ایسی
گرے میرے نظروں سے خوبانِ عالم — پسند آگئی تیری صورت کچھ ایسی
میں رونے لگا حالِ دل کہتے کہتے — یکایک بھر آئی طبیعت کچھ ایسی
یہ غیروں نے اب اُنکو برہم کیا ہے — نہ تھی ورنہ رنجش کی صورت کچھ ایسی

بسر کیوں نہو عشق خوباں میں اکبر
خدا ہی نے دی ہے طبیعت کچھ ایسی

۱۸۷۰ء

حسینوں کے گلے سے لگتی ہے زنجیر سونے کی — نظر آتی ہے کیا چمکی ہوئی تقدیر سونے کی
نہ دل آتا ہے قابو میں نہ نیند آتی ہے آنکھوں میں — شبِ فرقت میں کیونکر بن پڑے تدبیر سونے کی
یہاں بیداریوں سے خوں دل آنکھوں میں آتا ہے — گلابی کرتی ہے آنکھوں کو واں تاثیر سونے کی

بہت چپ چپ ہوں نیند آ رہی ہے اٹ جاتی ہے — خدا کے واسطے جلد اب کرو تدبیر سونے کی
یہ زر وہ چیز ہے جو ہر جگہ ہے باعث شوکت — سستی ہے عالم بالا میں بھی تعمیر سونے کی
ضرورت کیا ہے رکنے کی مرے دل سے نکل نالہ — ہوس تجھکو نہیں اے نالۂ شبگیر سونے کی
چھپر کھٹ یاں جو سونے کی بنائی اس نے کیا حاصل — کرو اے غافلو کچھ قبر میں تدبیر سونے کی

نظر لطف و کرم یار کی اب وہ نہ رہی — پہلے اک بات جو تھی پیار کی اب وہ نہ رہی
ناامیدی سے ہوئی دیکھکے غیروں کا ہجوم — آرزو تیرے طلبگار کی اب وہ نہ رہی
وہ لگاوٹ تھی فقط دل کے لبھانیکے لیے — مہربانی بتِ عیار کی اب وہ نہ رہی

یہ دردِ دل بھی نہ تھا سوزشِ جگر بھی نہ تھی — ان آفتوں کی تو الفت میں کچھ خبر بھی نہ تھی
زمانہ ساز ہی ہے اب یہ کہ منتظر تھا میں — ہمارے آنے کی تم کو تو کچھ خبر بھی نہ تھی
فلک نے کیوں شبِ فرقت مجھے ہلاک کیا — جمال یار نہیں تھا تو کیا سحر بھی نہ تھی
تمہارے دل کی نزاکت پہ اسکو رحم آیا — نہیں تو آہ مری ایسی بے اثر بھی نہ تھی
سمجھ میں کچھ نہیں آتا طلسم حسن بتاں — دہن کو سمجھے تھے معدوم واں کمر بھی نہ تھی
جو آپ ہوتے ہیں منکر تو خیر ہیں جھوٹا — مرا جگر بھی نہ تھا آپ کی نظر بھی نہ تھی
گزر ہو گیا کیونکر دلِ پریشاں کا — جگہ تو کوچۂ گیسو میں بال بھر بھی نہ تھی
لپٹ گئے وہ گلے سے مرے تو حیرت کیا — وہ سنگ بھی نہ تھے آہ بے اثر بھی نہ تھی
نگاہِ قہر سے دیکھا یہی غنیمت ہے — مجھے تو آپ سے امید اسقدر بھی نہ تھی
شہید جلوۂ مستانہ ہو گیا شبِ وصل — خوشی نصیب میں عاشق کے رات بھر بھی نہ تھی

تیری نظروں سے ہماری جب نظر ملتی نہ تھی — ہمکو ایسی لذتِ دردِ جگر ملتی نہ تھی
ہر گلی کوچہ میں چرچا میری بیماری کا تھا — کیا کسی سے آپ کو میری خبر ملتی نہ تھی
وہ بھی کیا دن تھے تری شرم و حیا کے لیے ہی — آئینہ میں چشم جوہر سے نظر ملتی نہ تھی

میں اپنے آہ کئے جاؤں واں اثر نہ سہی — مجھے تو بیخبری ہے انھیں خبر نہ سہی

یہ بے حجاب سرِ شام بام پر آنا
حیا بھی تو کوئی شے ہے کسی کا ڈر نہ سہی

اثر وہی ہے محبت کا گو ہے ضبط مجھے
جگر میں درد تو رہتا ہے چشم تر نہ سہی

نکال لینے دے اے چرخ حوصلے دل کے
شباب تک تو رہے عیش عمر بھر نہ سہی

خدا کے واسطے تشریف لائیں آج ضرور
رہیں وہ دو ہی گھڑی پاس رات بھر نہ سہی

حسیں جتنے ہیں خواہاں ہیں سب ترے اے دل
بس ایک اُنکی توجہ نہیں اگر نہ سہی

یہ سوچ کیا ہے تجھے رنج کا ہے کون محل
تمام شہر پڑا ہے اک اُن کا گھر نہ سہی

سنہ ۱۸۷۱ء

نہ خود رہے نہ حکومت رہی سلیماں کی
کہانی ہو گئی وہ سلطنت پرستاں کی

اسی کے سایہ میں ہوتی ہے میرے دل کی بسر
خدا دراز کرے عمر زلفِ پیچاں کی

خزاں میں بلبل و گل کا نشان تک نہ رہا
ہوا بدل گئی دو روز میں گلستاں کی

جمائی ہے لبِ نازک پہ اُن کے رنگ اپنا
یہ شوخیاں تو ذرا دیکھو سرخیِ پاں کی

نگاہِ ناز بتاں سے خدا بچائے رہے
یہ وہ نظر ہے کہ رہزن ہے دین و ایماں کی

میں اپنی راست روی کو کبھی نہ چھوڑونگا
حضور وضع کو سیدھی بنائیں یا بانکی

طریقِ عشق میں ہے بیخودی کو منصبِ خضر
کہ رہنمائی یہ کرتی ہے کوئے جاناں کی

فریب میں بتِ کافر کے آگیا ہوں میں
نظر نہیں ہے خرابی پہ دین و ایماں کی

تعجب ہے مجھکو وہ کیوں شرم سے نہیں جھکتیں
جو گردنیں متحمل ہیں بارِ احساں کی

غذائے خونِ جگر عاشقوں کو کافی ہے
ہوس نہیں مجھے اے چرخ خوں الواں کی

ہمیں نہیں ہیں ہوا خواہ اس چمن میں ترے
صبا بھی اک متوسل ہے تیرے داماں کی

نہیں ہے سیب کی خواہش پئے علاج دماغ
یہ آرزو ہے کہ بو سونگھئے زنخداں کی

ق
عجیب رنگ نظر آیا کوئے قاتل میں
کسی کو دل کی ہے پروا نہ قدر ہے جاں کی

کھڑی ہے سینہ سپر تیغ ناز کے آگے
کسی کی روح نشانہ ہے تیرِ مژگاں کی

نہیں ہے ظلمت اعمال کا کچھ اندیشہ
کہ روشنی ہے مرے دل میں نور ایماں کی

وہ پونچھیں آنسو مرے آکے اپنے دامن سے
ہے قسمت ایسی کہاں میری چشم گریاں کی

وہ چشم ہوں کہ جو ہے محوِ جلوۂ توحید
وہ دل ہوں جس میں تجلّے ہے نور عرفاں کی

وہ حال ہوں کہ بیاں جسکا دل دکھاتا ہے
وہ شکل ہوں کہ نشانی ہے درد پنہاں کی

وہ ذرّہ ہوں کہ بیاباں ہے گرد جسکے حضور
وہ قطرہ ہوں کہ حقیقت نہ سمجھے طوفاں کی

وہ درد ہوں جو پیام اجل ہے دل کے لئے
طپش وہ ہوں کہ جو بجلی ہے خرمن جاں کی

سکوت کیوں نہ ہو مہرِ لبِ سخن اکبر
زمانہ میں نہ رہی قدر اب سخن داں کی

ہو گیا بدر ہلال اس کا سبب روشن ہے
روز گھستا تھا ترے در پہ جبیں تھوڑی سی

منزلِ گور میں کیا خاک ملے گا آرام
خوش تڑپنے کی وہی اور زمیں تھوڑی سی

آپ کو غیر کی راحت کا مبارک ہو خیال
خیر تکلیف اٹھا لیں گے ہمیں تھوڑی سی

طلسم کالبد میں ہے مقیّد روح انساں کی
نہیں اربع عناصر چار دیواری ہے زنداں کی

اسے سودائے گیسو ہو گیا جسنے مجھے دیکھا
پریشانی مری تصویر ہے زلف پریشاں کی

نہیں کچھ رنج اس ظلمت کدے میں بے فروغی کا
تجلی پیشِ چشم اپنے ہے شمع نور ایماں کی

صبا سے کیوں نہ رو رو کر کہوں میں حال دل اپنا
یہی قاصد ہوا کرتی ہے اکثر کوئے جاناں کی

وہ تھا اک وقت جب سیرِ چمن میں پھول چنتے تھے
زمانہ ایک یہ ہے خاک اڑاتے ہیں بیاباں کی

پھر آئی فصل گل پھر جوش سودا ہو گیا مجھکو
اڑائیں دھجیاں دستِ جنوں نے پھر گریباں کی

وہی میں ہوں کہ غیروں کو وہاں آنے نہ دیتا تھا
وہی میں ہوں کہ پھروں منتیں کرتا ہوں درباں کی

تمام حسرتیں پیری میں ہوگئیں رخصت
بس ایک رہ گئی مرنے کی آرزو باقی

جو ذبح کرتا ہے پر کھول دے مرے صیاد
کہ رہ نہ جائے تڑپنے کی آرزو باقی

ہمارے شہر پہ یارب یہ کیا پڑی آفت
نہ خوبرو رہے باقی نہ خوش گلو باقی

پروانہ جل کے خاک ہوا شمع رو چکی
تاثیرِ حسن و عشق جو ہونی تھی ہو چکی

دنیا میں کون خانۂ دل کی کرے گا قدر
آبادی اسکی ایسے خرابے میں ہو چکی

بیگانہ وار رہتی ہے اب کیوں نگاہِ یار
دونوں جہاں سے بھی تو یہ مجھکو کھو چکی

اب جانِ ناتواں بھی طبیعت کی نذر ہے
ایمان و دل تو پہلے ہی الفت میں کھو چکی

تھک تھک گئی زباں دمِ شرحِ دردِ دل
یہ داستاں مگر نہ کبھی دوستو چکی

اکبر عروسِ دہر سے چشمِ وفا نہ رکھ
دارا و جم کی جب نہ ہوئی تیری ہو چکی

خفا ہو بے سبب مجھسے کہو میری خطا کیا ہے
چھوا بھی زلفِ مشکیں کو تو آفت کیا بلا کیا ہے

قیامت ہے طبیعت آ گئی اس آفتِ جاں پر
جسے اتنا نہیں معلوم الفت کیا وفا کیا ہے

اٹھیں بھی جوشِ الفت ہو تو لطف اٹھے محبت کا
ہمیں دن رات اگر تڑپے تو پھر اسمیں مزا کیا ہے

مصیبت میں راحت ہے اگر ہو عاشقِ صادق
کوئی پروانے سے پوچھے کہ جلنے میں مزا کیا ہے

کوئی دن کا ہوں مہماں آ چکی ہے جان ہونٹوں پر
وہی خود دیکھ لیں آکر کہ اب مجھ میں رہا کیا ہے

طبیبوں سے میں کیا پوچھوں علاجِ دردِ دل اپنا
مرض جب زندگی خود ہو تو پھر اسکی دوا کیا ہے

سنبھالو دل کو اکبر ہجر میں رو کو طبیعت کو
یہ رونا یہ تڑپنا خیر ہے تم کو ہوا کیا ہے

آج آرائشِ گیسوئے دوتا ہوتی ہے
پھر مری جان گرفتارِ بلا ہوتی ہے

شوقِ پابوسیِ جاناں مجھے باقی ہے ہنوز
گھاس جو اگتی ہے تربت پہ حنا ہوتی ہے

پھر کسی کام کا باقی نہیں رہتا انساں
سچ تو یہ ہے کہ محبت بھی بلا ہوتی ہے

جو زمیں کوچۂ قاتل میں نکلتی ہے نئی
وقف وہ بہرِ مزارِ شہدا ہوتی ہے

جس نے دیکھی ہو وہ چتون کوئی اس سے پوچھے
جان کیونکر ہدفِ تیرِ قضا ہوتی ہے

ق

نزع کا وقت برا وقت ہے خالق کی پناہ
ہے وہ ساعت کہ قیامت سے سوا ہوتی ہے

روح تو ایک طرف ہوتی ہے رخصت تن سے
آرزو ایک طرف دل سے جدا ہوتی ہے

خود سمجھتا ہوں کہ رونے سے بھلا کیا حاصل
پر کروں کیا یونہیں تسکین ذرا ہوتی ہے

روندتے پھرتے ہیں وہ مجمع اغیار کے ساتھ
خوب توقیر مزار شہدا ہوتی ہے

مرغ بسمل کی طرح لوٹ گیا دل میرا
نگہ ناز کی تاثیر بھی کیا ہوتی ہے

نالہ کرلینے دیں للہ نہ چھیڑیں احباب
ضبط کرتا ہوں تو تکلیف سوا ہوتی ہے

جسم تو خاک میں ملجاتے ہوئے دیکھتے ہیں
روح کیا جانے کدھر جاتی ہے کیا ہوتی ہے

ہوں فریب ستم یار کا قائل اکبر
مرتے مرتے نہ کھلا یہ کہ جفا ہوتی ہے

اثر دکھانے پہ یہ جذب دل جو آتا ہے
کنوئیں سے حضرت یوسف کو کھینچ لاتا ہے

فلک جو روز نیا داغ اک دکھاتا ہے
ہمارے حوصلۂ دل کو آزماتا ہے

کبھی جو دعوئے منصور میں شک آتا ہے
خیال یار مجھے آئینہ دکھاتا ہے

وہ بات ہوں کہ جو لاتی ہے جوش میں دل کو
وہ حال ہوں کہ جسے سن کے وجد آتا ہے

جو بیخودی میں مجھے چھوڑ کر وہ جاتے ہیں
تو میرے حال پہ رونے کو ہوش آتا ہے

الٰہی خیر ہو اس بت کے ناز بیجا کی
دل غریب کو میرے بہت ستاتا ہے

زیادہ جان سے کیونکر نہ رکھوں دل کو عزیز
یہ آئینہ تیری صورت مجھے دکھاتا ہے

وہ دو ہی ہاتھ میں سمجھے کہ آرزو نکلی
دہان زخم اسی پر تو مسکراتا ہے

ہمیں تو آٹھ پہر رہتی ہے تمہاری یاد
کبھی تمہیں بھی ہمارا خیال آتا ہے

نہ جانے کا تو نہیں جانتے بہانہ کچھ
ہزار حیلہ نہ آنے کا تم کو آتا ہے

وہ میکدہ ہے ہمارا کہ جس میں مستوں سے
ہزار ساغر جم روز ٹوٹ جاتا ہے

خدا پناہ میں رکھے کشاکش غم سے
اسی سے تار نفس جلد ٹوٹ جاتا ہے

مصائب شب فرقت اٹھا چکا ہوں میں
عذاب گور سے واعظ کسے ڈراتا ہے

نہ پوچھئے ستمِ جوشِ حسرتِ دیدار — یہ جانِ زار کو آنکھوں میں کھینچ لاتا ہے
دوئی کا دخل نہیں بزمِ وصل میں منظور — وگرنہ آپ میں آتا تو مجھکو آتا ہے
فنا کا خوف کچھ اہلِ حیات ہی کو نہیں — ہوا سے شمع کا شعلہ بھی کانپ جاتا ہے
مقامِ شکر ہے غافل مصیبتِ دنیا — اسی بہانے سے اللہ یاد آتا ہے

خدا کے واسطے یادِ خدا کر اے اکبر
بتوں کے عشق میں جان اپنی کیوں گنواتا ہے

کیا پوچھتے ہو مجھسے پہلو میں تیرے کیا ہے — اب تو نہیں ہے کچھ بھی دل تھا سو کھو گیا ہے
پایا عجیب عالم قاتل تری گلی میں — ہر زخم یاں ہے مرہم ہر درد یاں دوا ہے
مجھ زار و ناتواں کا رہتا ہے میل خاطر — سختیِ دل تمہاری ہمسنگ کہربا ہے
برسوں کا چھوڑتی ہے دم بھر میں ساتھ ظالم — کہتے ہیں عمر جسکو معشوق بے وفا ہے
گنجینۂ محبت وحشت میں کیا ہو خالی — داغِ جنوں کا سکہ سرمایۂ وفا ہے
صرصر نے لاکھ چاہا اٹھا نہ اُس گلی سے — اب تک غبار اپنا خاکِ رہِ وفا ہے
رنگیں تری ادا نے دل خوں کیا چمن کا — جو گل ہے داغِ دل ہے جو برگ ہے حنا ہے
ہو جس طرف طبیعت لازم ہے شوق کامل — ہر بات میں اثر ہے ہر رنگ میں مزا ہے
ایسا مٹا دیا ہے الفت میں دل کو میں نے — رنگِ رخِ تمنّا گردِ رہِ وفا ہے
کل کی تھی بیخودی میں دم بھر کو سیرِ دل کی — کس لطف کی ہوا ہے کیا باغ خوش فضا ہے
کیا شرحِ آرزو میں وا ہو زبان اپنی — افسانۂ دو عالم آغازِ مدعا ہے
اظہارِ شوق میں ہے رسوائیِ محبت — ہے حرفِ آبرو پر جو حرفِ مدعا ہے
اہلِ عدم نہ پوچھو کچھ ہمسے حالِ دنیا — رہ آئے ہم بھی دو دن اک میہماں سرا ہے

کیونکر نہ شعر اکبر آئے پسند سب کو
یہ رنگ ہی نیا ہے کوچہ ہی دوسرا ہے

بس گئی ہے دل میں وہ زلفِ دوتا کیا کیجئے | جان آفت میں ہوئی ہے مبتلا کیا کیجئے

نزع میں پوچھا جو اکبر سے کہ کیوں دیتا ہے جان
آہ سرد اک بھر کے وہ کہنے لگا کیا کیجئے

اضافۂ حال

دم لبوں پر آگیا ہے اب دوا کا ذکر کیا | اک بت کافر کی الفت ہے دعا کیا کیجئے
جس کے صدمے سے بمشکل کل بچی تھی میری جان | پھر وہی درد آج سینے میں اٹھا کیا کیجئے

وہ اٹھے تو بہت گھر سے اپنے مرے گھر میں مگر کبھی نہ آسکے | وہ نسیم مراد چلے بھی تو کیا کہ جو غنچۂ دل کو کھلا نہ سکے
ترے عشق سے بھی باز آ نہ سکے ترے ظلم و ستم بھی اٹھا نہ سکے | جو نصیب میں لکھی ہوئی تھی قضا کسی طور سے جان بچا نہ سکے
شب و روز جو تھے ہمیں پیش نظر تھی جن سے لذت ہوتی تھی جن پہ بسر | یہ خبر نہیں جا کے بسے وہ کدھر کہ ہم انکا نشان بھی پا نہ سکے
کبھی جن کے خیال میں ہجر کی شب مجھے نیند نہ آتی تھی ہائے غضب | وہ تو مڑ کے بھی آ کے مزار پہ اب مجھے خواب لحد سے جگا نہ سکے
یہ مرے ہی نہ آنے کا سبب اثر رقیبوں سے پینے ہو آٹھ پہر | ہے حال یہ چشم کرم جو رہے کوئی آپ سے آنکھ ملا نہ سکے
کیا جذبۂ عشق نے میرے اثر رہی غیرت حسن پہ انکی نظر | پس پردہ صدا تو سنائی مجھے مگر اپنا جمال دکھا نہ سکے
رہا شہرۂ عشق کا یاں سے مجھے ڈر نہیں اپنے پرائے کا خوف و خطر | رہیں دل ہی میں حسرتیں دونوں طرف جو میں جا نہ سکا تو وہ آ نہ سکے
وہی دل کی تڑپ ہی درد جگر ہوا تو یہ عشق کا کچھ نہ اثر | تری شکل جو آنکھوں میں پھرتی رہی تری یاد بھی دل سے بھلا نہ سکے
تری بانکی ادا ہے وہ ہوش ربا کہ ہوں خضر و مسیح بھی جس پہ فدا | وہ فریب بھرا ہے نظر میں تری کہ فرشتہ بھی دل کو بچا نہ سکے

ہے خدا کی جناب میں صبح و مسا یہی اکبر خستہ جگر کی دعا
کہ ہمارے سوا بت ہوش ربا کوئی سینے سے تجھ کو لگا نہ سکے

تری زلفوں میں دل الجھا ہوا ہے | بلا کے پیچ میں آیا ہوا ہے
نہ کیونکر بوئے خوں نامے سے آئے | اسی جلاد کا لکھا ہوا ہے
چلے دنیا سے جس کی یاد میں ہم | غضب ہے وہ ہمیں بھولا ہوا ہے
کہوں کیا حال اگلی عشرتوں کا | وہ تھا اک خواب جو بھولا ہوا ہے

جفا ہو یا وفا ہم سب میں خوش ہیں — کریں کیا اب تو دل اٹکا ہوا ہے
ہوئی ہے عشق ہی سے حسن کی قدر — کہاں سے آپ کا شہرا ہوا ہے
بتوں پر رہتی ہے مائل ہمیشہ — طبیعت کو خدا یا کیا ہوا ہے

پریشاں رہتے ہو دن رات اکبر
یہ کس کی زلف کا سودا ہوا ہے

دل کو غفلت نے کدورت میں چھپا رکھا ہے — بخل نے زر کو تہِ خاک دبا رکھا ہے
شور کیوں گبر و مسلماں نے مچا رکھا ہے — دیر میں کچھ بھی نہیں کعبہ میں کیا رکھا ہے
بے زری میں کوئی معشوق تو پہلو میں کہاں — داغِ افلاس کو سینہ سے لگا رکھا ہے
آپ کو پردہ نشینی ہی جو آئی ہے پسند — مجھکو کیوں مفت میں دیوانہ بنا رکھا ہے
جوششِ فصلِ بہاری ہے کہ ہنگامۂ حشر — بلبلوں نے تو غضب شور مچا رکھا ہے
دیکھیے صبح تلک دیدے وہ کیا کیا پہلو — منتوں سے اُسے یاں آج سلا رکھا ہے
آپ کے شہرۂ رحمت نے تو ڈھایا ہے غضب — ایک عالم کو گنہگار بنا رکھا ہے

آرزو مرگ کی اکبر نہ کر اللہ سے ڈر
تجھ سے عاصی کے لئے قبر میں کیا رکھا ہے

کسکی قسمت میں زہر غم ہے کسیکو حاصل مئے طرب ہے — وہی بگاڑے وہی بنائے اُسکی قدرت کا کھیل سب ہے
نظر جو آئے وہ آفتِ جاں تو دلکو کیونکر بچائے انساں — ادا ہے بانکی نگاہ ترچھی ستم ہے عشوہ حیا غضب ہے
جلا چکی آتش محبت تمام میرے دل و جگر کو — تمہیں نہیں ہے یقیں ابتک یہی تو اے میری جاں غضب ہے
گزر گیا ہے جو عہدِ عشرت نہ رکھ تو ناداں پھر اسکی حسرت — قیام اسکا سمجھ غنیمت جو وقت پیشِ نگاہ اب ہے
یہ اُنکی جتنی لگاوٹیں ہیں یہ ظاہری سب بناوٹیں ہیں — یہ جی لبھانیکی اک ادا ہے یہ لگ کے لپٹنے کا ایک ڈھب ہے
دلاتے ہیں نزع میں جو پیہم خدا کی یاد آکے یار و ہمدم — بھلا میں بھولونگا اسکو کیونکر وہ میرا مالک ہے میرا رب ہے
یہاں بھی آرام پائیگا کہاں اب اسوقت جائے گا — اندھیرا چھایا ہے ابر طاری ہے مینہ برستا ہے وقتِ شب ہے

دعا ہے اکبرؔ یہ اپنی ہر دم لحد میں نکلے زباں سے یہ ہم
محمدؐ اپنا رسول برحق خدا ہے برتر ہمارا رب ہے

سنتا ہوں کہ تاثیرِ محبت ہے کبھی کچھ ہے
کیونکر نہ کہوں اُن کی طبیعت میں بھی کچھ ہے

تسخیرِ بتاں ہوتی ہے گو نقشِ درم سے
تاثیر مگر دل کی محبت میں بھی کچھ ہے

بیچین ہوئے سُن کے مرے شوق کا قصہ
صد شکر ذرا اُن کی طبیعت میں بھی کچھ ہے

جب کہتا ہوں اُن سے کہ مرے دل میں ہے حسرت
کس ناز سے کہتے ہیں کہ حسرت میں بھی کچھ ہے

واعظ ہیں غضب ہی کا سزاوار نہیں ہوں
حصّہ مرا گنجینۂ رحمت میں بھی کچھ ہے

رندوں میں تو ہے لطفِ مئے و ساقی و مطرب
واعظ یہ بتا تو تری صحبت میں بھی کچھ ہے

وہ کوچۂ جاناں کے مزے ایک نہ پائے
ہم پہلے سمجھتے تھے کہ جنت میں بھی کچھ ہے

بگڑے ہوئے تیوری سے ثابت نہیں رنجش
اِن روزوں تو فرق آپکی طبیعت میں بھی کچھ ہے

فرماتے ہیں وہ سُنکے مرے رونے کا احوال
یہ بات تو داخل تری عادت میں بھی کچھ ہے

گو راز محبت کا چھپانا ہے بہت خوب
لیکن بخدا لطف تو شہرت میں بھی کچھ ہے

افسانۂ حسرت مرا سُن کے وہ بولے
ہے سب یہ زبانی کہ طبیعت میں بھی کچھ ہے

خوش وصل سے کوئی کوئی نظارہ سے دل شاد
اے گردشِ گردوں مری قسمت میں بھی کچھ ہے

بالائے زمیں پاس سکندر کے تھا سب کچھ
اب جا کے ذرا دیکھئے تربت میں بھی کچھ ہے

تم آنے نہ دو یاد بھی کیا کرنے نہ دو گے
دخل آپ کو بندے کی طبیعت میں بھی کچھ ہے

قیدِ احساں سے تری اے فلک آزاد رہے
بے کسی کا ہو بھلا بے طستی شاد رہے

مئے گلگوں سے چھلکے مست ہوئے شاد رہے
ساقیا خانۂ احساں ترا آباد رہے

اجل آتی ہے غمِ ہجر میں اللہ رے نصیب
ملک الموت کو کس طرح یہ ہم یاد رہے

ہے یہ حسرت تری حسرت کے سوا سب ہو فنا
دونوں عالم نہ رہیں شہرِ دل آباد رہے

حشر برپا جو ہوا بھول گیا ایک کو ایک
ایسی آفت میں بھلا کون کسے یاد رہے

گوشۂ خاطرِ عالی ہیں جو پائے نہ جگہ
کہئے پھر جا کے کہاں عاشقِ ناشاد رہے

شرع میں نام لیا قبر میں مذکور آیا
کون سی جا تھی جہاں وہ نہ مجھے یاد رہے

زخمی کیا سینے کو نظر ہے کہ غضب ہے
خوں ہو کے بھی قائم ہے جگر ہے کہ غضب ہے

وہ کہتے ہیں مے پینے کو تو پی نہیں سکتا
اے شیخ یہ اللہ کا ڈر ہے کہ غضب ہے

گذری ہے شبِ وصل کہ آئی ہے مری موت
وہ ہوتے ہیں رخصت یہ سحر ہے کہ غضب ہے

لپٹا کے مجھے سینہ سے وہ آج یہ بولے
اکبر تری آہوں کا اثر ہے کہ غضب ہے

دل شکستہ ہوں مگر دل میں خدا کا نور ہے
یہ وہ ویرانہ ہے روشن جسمیں شمعِ طور ہے

آپ کی پیاری ادا پر دل نہ دیتا میں کبھی
بس یہی کہئے قضا سے آدمی مجبور ہے

کون ایسا ہے نہیں ہے موت کی جسکو خبر
پھر جو غفلت ہے تو یہ دنیا کا اک دستور ہے

گونج سے بالے کی زلف اُلجھا میں عاشق ہو گیا
یہ نہ خوف آیا کہ وہ افعی ہے یا زنبور ہے

شعر گوئی کی وکالت میں مجھے فرصت کہاں
یہ بھی اکبر خاطرِ احباب گورکھپور ہے

کہوں کس سے قصۂ درد و غم کوئی ہمنشیں ہے نہ یار ہے
جو انیس ہے تری یاد ہے جو شفیق ہے دلِ زار ہے

تو ہزار کرتا لگاوٹیں میں کبھی نہ آتا فریب میں
مجھے پہلے اسکی خبر نہ تھی ترا دو ہی دن کا یہ پیار ہے

یہ نوید اور انکو جا سنا ہم اسیرِ دام ہیں اے صبا
ہمیں کیا چمن ہو جو رنگ پر ہمیں کیا جو فصلِ بہار ہے

جسے دورِ چرخ میں ہو خوشی تو ضرور ہے اسے رنج بھی
شبِ ہجر میں ہے جو دردِ سر مئے وصل کا یہ خمار ہے

وہ نظر جو مجھ سے ملا گئے تو لیا اور آفتیں ڈھا گئے
کہ حواس و ہوش و خرد ہے اب نہ شکیب ہے صبر و قرار ہے

مجھے رحم آتا ہے دیکھکر ترا حال اکبر نوحہ گر
تجھے وہ بھی چاہے خدا کرے کہ تو جسکا عاشقِ زار ہے

۳۵ سال بعد

مری چشم کیوں نہ ہو خوں فشاں نہ رہی وہ بزم نہ وہ سماں
نہ وہ طرزِ گردشِ چرخ ہے نہ وہ رنگِ لیل و نہار ہے

جہاں کل تھا غلغلۂ طرب ہاں ہائے آج ہے یہ غضب
کہیں اک مکان ہے گرا ہوا کہیں اک شکستہ مزار ہے

غم و یاس و حسرت و بیکسی کی ہوا کچھ ایسی ہے چل رہی
نہ دلوں میں اب وہ اُمنگ ہے نہ طبیعتوں میں اُبھار ہے

ہوئے مجھ پہ جو ستم فلک کہوں کس سے اسکو کہاں تلک
نہ مصیبتوں کی ہے کوئی حد نہ مرے غموں کا شمار ہے

مرا سینہ داغوں سے ہے بھرا مرے دل کو دیکھئے تو ذرا
یہ شہید عشق کی ہے لحد پڑا جس پہ پھولوں کا ہار ہے

میں سمجھ گیا وہ ہیں بیوفا مگر انکی راہ میں ہوں فدا
مجھے خاک میں وہ ملا چکے مگر اب بھی دل میں غبار ہے

اب تو ہیں نام خدا آپ کے انداز نئے
نئے نخرے ہیں نئے عشوے ہیں اور ناز نئے

اُن سے ملنے کا نکل آتا ہے ہر شب اک طور
روز ہو جاتے ہیں سامان خدا ساز نئے

کل جو باتیں تھیں وہی ہوں یہ تکلف کیسا
آج کیا ہو گئے ہم اے بتِ طناز نئے

یہ آج وجہ توقف ہے کیا اجل کے لئے
طبیب لکھتے ہیں نسخہ مرا جو کل کے لئے

یہ اضطراب یہ بے چینیاں یہ بے تابی
مجھے ہمیشہ ہے بجلی کو ایک پل کے لئے

ہوا مقامِ فنا میں ہیں اپنا خود عاشق
سمجھ گیا یہی موقع تھا اس محل کے لئے

جو دل میں دردِ محبت اُٹھا تو ہم نے بھی
مزے تڑپنے کے پہلو بدل بدل کے لئے

نہیں ہے منزلِ ہستی میں فکرِ زادِ سفر
کہ آج کے لئے ہے صبر امید کل کے لئے

خیالِ صورتِ جاناں کا شغل دل کو رہے
عجیب حسن ہے یہ چہرۂ عمل کے لئے

ہوا ہوں خلق میں جینے کو جھوٹے وعدوں پر
زبان اُسکے دہن میں ہے آج کل کے لئے

میں گھر میں غیر کے کیا اُن سے حالِ دل کہتا
زبان ہی نہ کھلی عرضِ بے محل کے لئے

میں کروں لاکھ ارادہ تو وہ کس کام کا ہے
بس بھروسا مرے اللہ ترے نام کا ہے

طالبِ وصل ہوا یہ تو عجب کیا اس کا
حوصلہ ہی تو مری جان دلِ ناکام کا ہے

بار اب پہلو میں رکھنا دلِ ناکام کا ہے
خبر اپنی نہ ہو جس کو وہ کسی کام کا ہے

خط عبث لکھتے ہیں آنا ہو تو آئیں وہ جلد
نزع میں ہوں یہ محل نامہ و پیغام کا ہے

شوق سے آنکھیں دکھاؤ مجھے کچھ رنج نہیں
شعبدہ یہ بھی تو اک گردشِ ایام کا ہے

دل کیا نذر جو میں نے تو وہ ہنس کر بولے
آپ رکھ چھوڑئے اسکو مرے کس کام کا ہے

دل مرا ہاتھ میں لیکر وہ یہ فرماتے ہیں
اسکو پامال کروں اور یہہ کس کام کا ہے

لگاوٹ کی ادا سے اُنکا کہنا پان حاضر ہے
قیامت ہے ستم ہے دل فدا ہے جان حاضر ہے

کہو جو چاہو سن لینگے بگر مطلق نہ سمجھیں گے
طبیعت تو خدا جانے کہاں ہے کان حاضر ہے

نگاہیں ڈھونڈھتی ہیں جن کو اُنکا دو نشاں یارو
اسے میں کیا کروں لگا یہ جو سب سامان حاضر ہے

بیٹھا کر غیر کی محفل میں مجھکو اُس نے فرمایا
سنو اکبر کی غزلیں دیکھو یہ دیستان حاضر ہے

اک بوسہ دیجئے مرا ایمان لیجئے
گو بُت ہیں آپ بہر خدا مان لیجئے

دل لیکے کہتے ہیں تری خاطر سے لے لیا
اُلٹا مجھی پہ رکھتے ہیں احسان لیجئے

غیروں کو اپنے ہاتھ سے ہنسکر کھلا دیا
مجھسے کبیدہ ہو کے کہا پان لیجئے

مرنا قبول ہے مگر الفت نہیں قبول
دل تو نہ دونگا آپکو میں جان لیجئے

حاضر ہوا کروں گا میں اکثر حضور میں
آج اچھی طرح سے مجھے پہچان لیجئے

اپنی ہستی جو حجاب رخ جاناں نہ رہے
واں رہیں ہم کہ جہاں پھر کوئی ارماں نہ رہے

صورتِ یار جو سو پردوں میں پنہاں نہ رہے
بحث پھر تم میں یہ اے گبر و مسلماں نہ رہے

سامنا جلوۂ معشوق کا اللہ اللہ
ہے یہی وقت کہ بس آپ میں انساں نہ رہے

مانگتا ہوں جو دعا صبح کی کہتی ہے اجل
یہ بھی ممکن ہے رہو تم شب ہجراں نہ رہے

آپ ہی نے تو کیا ہے مجھے دیوانۂ عشق
آپ ہی کہتے ہیں اب آپ تو انساں نہ رہے

میں تو عشقِ بُتِ ظالم سے نہ باز آؤں گا
عقل چھٹ جاے جگر ٹکڑے ہو ایماں نہ رہے

آئینے کو ہے یہ حسرت کہ سکندر ہوئے خاک
ہوش پریوں کے اُڑے ہیں کہ سلیماں نہ رہے

چشم نرگس سے کوئی حال چمن کا پوچھے
دیکھتے دیکھتے کیا کیا گل خنداں نہ رہے

صبح تک ہجر صنم میں یہ دعا تھی اپنی
میں رہوں یا نہ رہوں یہ شب ہجراں نہ رہے

اُن کا یہ ناز کہ آجائیں گے جلدی کیا ہے
اپنا یہ حال کہ دم بھر کے بھی مہماں نہ رہے

منہ نہ موڑو ستم و جورِ بتاں سے اکبر
بندگی کیسی اگر تابعِ فرماں نہ رہے

قابلیت تو بہت بڑھ گئی ماشاء اللہ
مگر افسوس یہی ہے کہ مسلماں نہ رہے

مصیبت عشق کی تنہا مجھی پر کیا گذرتی ہے
تمہارے حسن عالمگیر پر اک خلق مرتی ہے

خبر ملتی نہیں کچھ مجھکو یارانِ گذشتہ کی
خدا جانے کہاں ہیں کسطرح ہیں کیا گذرتی ہے

مری آنکھوں میں تو اسکا گذر بھی ہو نہیں سکتا
یہ آنکھیں آپ کی ہیں نیند جنمیں چین کرتی ہے

محبت کا اثر ہے عاشق و معشوق پر یکساں
جو مجنوں سر پٹکتا ہے تو لیلی آہ کرتی ہے

اثر کچھ ہو چلا ہے سوزشِ الفت کا سینے میں
الٰہی خیر ہو دل کانپتا ہے روح ڈرتی ہے

پریشاں رکھتی ہے دن رات آکر ہیوقاؤں پرؤ
طبیعت آدمی کو کس قدر بے چین کرتی ہے

کیا قہر ہے اجل مرے سر پر کھڑی رہے
غیروں کی تم کو فکر عیادت پڑی رہے

اے شورِ حشر شہرِ خموشاں کی لے خبر
اب کب تلک اُجاڑ یہ بستی پڑی رہے

جدت ہو فکر میں تو توارد کبھی نہ ہو
مضمون کیوں لڑیں جو طبیعت لڑی رہے

ہے عشق میں ہر لحظہ ترقی مرے دل کی
ہر داغ بڑھاتا ہے تجلّی مرے دل کی

کیا اور سے ممکن ہو تسلّی مرے دل کی
جب آپ ہی نے کچھ نہ خبر لی مرے دل کی

روتا ہے جو فرقت میں یہی دیدۂ تر کا
طوفان میں آجائے گی کشتی مرے دل کی

مہماں ہے جس روز سے سینے میں تری یاد
آباد ہے اُجڑی ہوئی بستی مرے دل کی

آخر کو یہ جلنے بھی لگا شعلۂ غم سے
فکر آپ کو ہوتی نہیں اب بھی مرے دل کی

یا اسکی خبر بھی نہیں لیتے کبھی اب تم ؤ
یا فکر تمہیں رہتی تھی کتنی مرے دل کی

نظروں سے تری گر کے ہوا عشق دوبالا
ہوتی ہے تنزل میں ترقی مرے دل کی

دکھلا کے جھلک اور بھی تڑپا گئے اسکو
کی واہ دوا آپ نے اچھی مرے دل کی

جب قولِ وفا ہار چکا ہیں تو پھر اب کیا
جیتے ہوئے ہیں آپ تو بازی مرے دل کی

باطن سے ہوں نظارگیِ جلوۂ جاناں
آئینۂ معنی ہے صفائی مرے دل کی

رنگینی میں نرمی میں صفائی میں ضیا میں
ہے ایک سی خلقت ترے رخ کی مرے دل کی

نابود ہوئے جل کے خیالاتِ دو عالم
اللہ رے ترے عشق میں گرمی مرے دل کی

سو جان سے کیونکر نہ ہوں قربانِ تمنا
کرتی ہے بڑی قدرشناسی مرے دل کی

ملتا ہے مزا اُن کو مرے جوشِ جنوں کا
سرخوش انھیں کر دیتی ہے مستی مرے دل کی

یا ہجر تھا یا وصل میں اب ہو گئے بے خود
وہ خوبیِ قسمت تھی یہ خوبی مرے دل کی

وہ ترچھی نگاہوں سے مجھے دیکھ رہے ہیں
اسوقت میں ہو خیر الٰہی مرے دل کی

تسکین کے لئے رہتے تھے سینے پہ جو ہر دم
اب ہے انھیں ہاتھوں سے خرابی مرے دل کی

کیوں مکتبِ غم میں سبقِ عشق نہ پڑھتا
تقدیر میں لکھی تھی خرابی مرے دل کی

کیا پوچھتے ہو عشق نے ڈھائی ہے مصیبت
اب روح بھی دیتی ہے دہائی مرے دل کی

مقطع
کہتا تو بہت کچھ ہے مگر کیا کہوں اکبر
افسوس کہ سنتا نہیں کوئی مرے دل کی

بیچین ہے دل سینے میں مرا رہ رہ کے تری یاد آتی ہے
وہ چشمِ سیہ جادو کی بھری آنکھوں میں مری پھر جاتی ہے

اے حسرتِ وصل خدا کے لئے بیچین نہ کر اتنا مجھکو
کیوں تم نے کیا ہے گھر دلمیں مرے کیوں روح کو یوں تڑپاتی ہے

تم اُسکے جدا ہو جائیگا اکبر نہ کرو کچھ رنج و الم
ہر جان سے پیاری کونسی شئے انساں سے یہی چھٹ جاتی ہے

ہو گا کیا رنجش جو تجھ سے اے پری ہو جائے گی
جس سے دل لگ جائیگا اک دل لگی ہو جائے گی

ٹال دیتے ہیں یہی کہکر مرے مطلب کی بات
آج پر کیا منحصر ہے پھر کبھی ہو جائے گی

آئے گا آغوش میں میرے جو وہ رشکِ چمن
نکہتِ گل کی طرح سے بیخودی ہو جائے گی

روح کو قالب میں آنے سے بڑا انکار تھا
یہ نہ سمجھی تھی کہ آخر دوستی ہو جائے گی

نزع میں ہوں اب بھی آ جائیں وہ دم بھر کے لئے
اور تو کیا اک نگاہِ آخری ہو جائے گی

جو اُس سرو قد سے جدائی ہوئی ہے
قیامت مرے سر پہ آئی ہوئی ہے

ذرا دیکھنا پھر انھیں چتونوں سے
یہ پیاری ادا دل کو بھائی ہوئی ہے

نہیں روے رنگیں پہ زلفوں کا جلوہ
گلستاں پہ بدلی یہ چھائی ہوئی ہے

کسی کا نہیں ہے گذر اُس گلی میں
یہ قسمت سے اپنی رسائی ہوئی ہے

مرا سوز دل آپ کیا دیکھتے ہیں
یہ آگ آپ ہی کی لگائی ہوئی ہے

نہ دیکھیں گے وہ اسطرف آنکھ اُٹھاکر
کچھ اور اُن کے دلمیں سمائی ہوئی ہے

دکھاتے نہ تھے آپ یوں مجھکو آنکھیں
یہ شوخی کسیکی سکھائی ہوئی ہے

مکدر کیا تھا رقیبوں نے اُن کو
بڑی مشکلوں سے صفائی ہوئی ہے

جو چاہیں کریں بیوفائی وہ اکبر
طبیعت مری اُن پہ آئی ہوئی ہے

سلہ بحضرت نون گزین - مطرن شاذ - ۱۲

دورِ اوّل

عمر اکیس سال یعنی سنہ ۱۸۶۶ء کی تصنیف

الفت جو کیجئے تو غرض آشنا سے کیا
وعدہ جو لیجئے تو بتِ بے وفا سے کیا

موسیٰ نے کوہِ طور پر باتیں خدا سے کیں
رتبہ بشر کا دیکھئے ہوتا ہے کیا سے کیا

مرتا ہوں جان جاتی ہے اب ہجر میں مگر
اظہار اس کا کیجئے اُس بے وفا سے کیا

لطفِ چمن ہے بادۂ گلگوں ہے یار ہے
اب موسمِ بہار میں مانگوں خدا سے کیا

قاتل تمہیں کہیں گے جہاں میں ہمیں شہید
اے یار اور ہوگا تمہاری جفا سے کیا

دارِ فنا سے لے نہ چلے کچھ تو غم نہیں
فرمائیے تو لائے تجھے ملکِ بقا سے کیا

تیرے مریضِ غم کو جو کرتی اثر نہیں
کچھ کہدیا ہے آکے قضا نے دوا سے کیا

کیا کیا صفت لکھی تری زلفِ دراز کی
مضمون ہاتھ آئے ہیں فکرِ رسا سے کیا

لیتا ہے یاں غمِ شبِ ہجراں تو اپنی جاں
امید صبح دیتی ہے ہمکو دلاسے کیا

صد چاک مثلِ شانہ کرے عاشقوں کا دل
ہوگا بس اور آپ کی زلفِ دوتا سے کیا

دل میں جو ہے وہ ہوگا شبِ وصل میں ضرور
ہوگا حضور آپ کی شرم و حیا سے کیا

میں حالِ دل تمام شب اُن سے کہا کیا
ہنگامِ صبح کہنے لگے کس ادا سے کیا

بہرِ نمودِ خیمہ گوارا ہو اپنا خوں
مضمون ہاتھ آیا ہے برگِ حنا سے کیا

عمر تئیس سال

جلوۂ رفتارِ جاناں ہے نمونا حشر کا
حق بجانب ہے جو ہے زاہد کو دھڑکا حشر کا

سیکھے تامل تیری قامت سے جو مضموں مل گئے
شاید اب نزدیک آپہونچا زمانہ حشر کا

جلوۂ قامت نے کچھ ایسا ہمیں گھبرا دیا
جیتے جی ہم سمجھے آپہونچا زمانا حشر کا

میری آنکھیں نوح کے طوفاں کی دکھلاتی تھیں سیر
اُن کی چتوں نے تو دکھلایا تماشا حشر کا

یادِ قامت نے کیا ہے وعظوں کا معتقد
روز میں سننے کو جاتا ہوں فسانا حشر کا

لوحِ قسمت کے مطابق نامۂ عصیاں ہے جب
پھر بھلا ہونے لگا کیوں مجھکو کھٹکا حشر کا

ہے شبِ ہجراں درازی میں بسانِ زلفِ یار
طول میں روزِ جدائی دن ہے گویا حشر کا

یادِ قامت سے جو اُس دن مل گئی فرصت ہمیں
دیکھ لیں گے دور سے ہم بھی تماشا حشر کا

ہجر جو ایک کے احوال سے ہے دوسرا
آپ کی محفل بھی گویا ہے نمونا حشر کا

جنسِ عصیاں نفعِ خاطر خواہ پر بیچیں گے ہم
اے غمِ نقصاں ذرا ہونے دے میلا حشر کا

فاتحہ پڑھتے مری تربت پہ خوش قد آتے ہیں
ہر شبِ آدینہ یاں ہوتا ہے میلا حشر کا

ق
کیا قیامت نامہ پڑھ پڑھکر سُناتا ہے مجھے
خوف تو مجھکو دلاتا ہے بھلا کیا حشر کا

واعظا میں اُسکا محوِ جلوۂ رفتار ہوں
جسکا ہر نقشِ قدم ہے اک رسالا حشر کا

ق
انتہا کا حسن بخشا ہے اُسے اللہ نے
کیوں دل و جاں سے نہ میں ہو جاؤں شیدا حشر کا

نامۂ اعمال میرا اُسکی ہے زلفِ سیاہ؛
نور رخ تمہارے حق ہے روئے زیبا حشر کا

ق
وحشتِ دل مجھسے کہتی ہے چلو بھی یاں سے اب
طے ابھی برسوں نہ ہوگا یہ بکھیڑا حشر کا

خواہشِ خلدِ بریں میں آرزوئے حور میں
کون مدت تک اُٹھائے ناز بیجا حشر کا

حشر تک اب ہاتھ آنے کے نہیں مضمون حشر
تم نے اے اکبر کوئی پہلو نہ چھوڑا حشر کا

سنہ ۱۲۹۶ء مقام آگرہ

ہجر میں دانتوں کے گریاں جو میں بیتاب ہوا
اشک جو آنکھ سے نکلا دُرِ نایاب ہوا

سبزۂ خط سے قرارِ دلِ بیتاب ہوا
کشتہ اس بوٹی سے آخر کو یہ سیماب ہوا

موردِ طعنۂ بیگانہ و احباب ہوا؛
خوب رسوا تیرے ہاتھوں دلِ بیتاب ہوا

ہو گیا غرق میں یادِ رخِ نورانی میں
ہالۂ ماہ مجھے حلقۂ گرداب ہوا

ق
تو ہے وہ برقِ تجلی کہ ترا نقشِ قدم
روکشِ آئینۂ مہرِ جہانتاب ہوا

تیرے جلوے سے ہوا حسنِ ظہورِ ایجاد
نور تیرا سببِ عالمِ اسباب ہوا

گلِ ہستی کو ترے رنگ نے زینت بخشی
چمنِ خلق ترے فیض سے شاداب ہوا

حسرت اے عقل کہ پائی ترے لشکر نے شکست
مژدہ اے عشق جنوں آج ظفریاب ہوا

کسی حالت میں اسیری سے رہائی نہ ہوئی
ڈوب مرنے پہ بھی مائل جو میں بیتاب ہوا

ق
موجیں دریا کی سلاسل ہوئیں پاؤں کے لئے
طوقِ گردن کے لئے حلقۂ گرداب ہوا

چشمِ معنی سے جو کی سیرِ طلسمات جہاں
پتا پتا مجھے اک گلشنِ شاداب ہوا

قطرے قطرے میں ہوئی وسعتِ دریا پیدا
ذرہ ذرہ صفتِ مہرِ جہانتاب ہوا

اک زمانے کی ترے آگے جھکی ہے گردن
خمِ ابرو نہ ہوا کعبہ کی محراب ہوا

ساقیا بہرِ خدا جلد پلا مجھکو شراب
فرقتِ شیشہ و ساغر میں میں بیتاب ہوا

نہ رہی دخترِ رز مجھ پہ کسی طرح حرام
اب ترے عذر کا مسدود ہر اک باب ہوا

اس طرف قلقلِ مینا ہے ادھر شورِ طلب
بس سمجھ لے وہ قبول اور یہ ایجاب ہوا

درد ہوتا ہے یہ کہکر کئے کان آپنے بند
حال میرا نہ ہوا قطرۂ سیماب ہوا

فکرِ رنگیں سے ہوئی مدحتِ دندانِ صنم
دیکھئے لعل سے پیدا دُرِ نایاب ہوا

رہی ہر کام میں ہر وقت مسبب پہ نگاہ
اپنا منظر نہ کبھی عالمِ اسباب ہوا

یاں کی رنگینیاں ہیں عینِ دلیلِ غفلت
سرخیِ چشم سے پیدا اثرِ خواب ہوا

گردشِ بخت سے آنسو ہی نکلتے ہیں مدام
اس میں بھی کیا اثرِ گردشِ دولاب ہوا

ضیقِ فرصت میں غزل ہو نہ سکی اے اکبر
میں تو شرمندۂ فرمایشِ احباب ہوا

ق
ابھی سے خون رلاتی ہے مجھکو فکرِ مآل
چمن میں بعد تیرے اے بہار کیا ہوگا

اُنھیں پسند نہیں اور اس سے ہیں بیزار
الٰہی پھر یہ دلِ بے قرار کیا ہوگا

عزیز و سادہ ہی رہنے دو لوحِ تربت کو
کہیں مٹے تو یہ نقش و نگار کیا ہوگا

ترانہ ہو گیا بسمل تری سیدھی نگاہوں سے
خدانا خواستہ ترچھی نظر ہوتی تو کیا ہوتا

محبت ہو نہ ہو اُن کو مجھے کیا میں تو عاشق ہوں
نہ ہونے سے ہے اُسکے کیا اگر ہوتی تو کیا ہوتا

پسا جاتا تھا دشمن سو جان سے اس بیوفائی پر
محبت یار کو مجھ سے اگر ہوتی تو کیا ہوتا

مری حسرت کی نظروں ہی پہ ظالم اسقدر بگڑا
کہیں دردِ جگر سے چشم تر ہوتی تو کیا ہوتا

نہ رکھی آسماں نے ایک دم بھی وصل کی ساعت
گھڑی بھر تو چمیں سے اپنی بسر ہوتی تو کیا ہوتا

قفس اس ناتوانی پر تنِ بسمل بنا تم سے
جو طاقت بھی کہیں اے بال و پر ہوتی تو کیا ہوتا

سنہ ۱۸۶۶ء

کس قدر جوشِ محبت میں ہے سر پہ سہرا
خود ہے خوشبو کی طرح جامے سے باہر سہرا

مصرِ خوبی کا نو نوشاہ ہے مثلِ یوسف
سایۂ لطفِ خدا ہے ترے سر پہ سہرا

عارض و خال کا تیرے ہے اسے قرب نصیب
کس طرح سے نہ ہو رشکِ مہ و اختر سہرا

آج ہر گل کی تمنا ہے یہی گلشن میں
کہ ترے فرقِ مبارک پہ ہو آکر سہرا

بے سبب تو نے سنبھالا نہیں ہاتھوں سے اسے
غش ہے عارض کی صفائی پہ مقرر سہرا

نکہتِ گیسوے مشکیں نے دکھایا جو اثر
ہو گیا اور بھی خوشبو سے معطر سہرا

روزِ روشن کا گماں کیوں شبِ عشرت پہ نہ ہو
عکسِ رخسار سے ہے مہرِ منور سہرا

گلشنِ حسن میں اللہ رے رسائی اُس کی
ہو گیا سنبلِ گیسو کے برابر سہرا

زینتِ حسنِ خداداد جو شادی سے ہوئی
بن گیا چہرۂ پر نور کا زیور سہرا

جلوۂ حسن کے نظارہ کی لاتا نہیں تاب
اسلئے چہرے سے ہٹ جاتا ہے اکثر سہرا

یہ طراوت عرقِ رخ کی نہیں ہے اسمیں
آب آئینۂ خورشید میں ہے تر سہرا

لکھدیا ہمنے یہ اک دوست کی فرمایش سے
ورنہ واقف بھی نہیں کہتے ہیں کیونکر سہرا

سنہ ۱۸۷۰ء

لاکھ جرأت کی کہ تنہائی میں لپٹا لیں انھیں
دل میں رعبِ حسن سے خوف و خطر آہی گیا

میں بھی اب اچھی طرح غیروں سے کرتا ہوں فساد
رنج تو مجھ سے تجھے لے فتنہ گر آہی گیا

دھیان میں لایا سرِ مو بھی نہ اس کی نازکی
کھل کے جوڑا خود سری سے تا کمر آہی گیا

گو بہت کچھ رنج یارانِ وطن سے تھا ہمیں
آنکھ میں آنسو مگر وقتِ سفر آہی گیا

میری آہیں سُن کے کان اپنے کئے تھے تم نے بند
رو دئے آخر کو دل میں کچھ اثر آہی گیا

آ کے جب غش میں مجھے دیکھا تو گھبرا کر کہا
ہوش میں آ اب تو میں اے بے خبر آہی گیا

بعد مدت کے نظر آئی جو صورت یار کی
سو طرح دل کو سنبھالا غش مگر آہی گیا

حسرت کو شہرِ عشق میں بھیجا خدا نے جب
رہنے کو خانۂ دلِ مضطر بنا دیا

پہلے ہی چال آپ کی تھی فتنہ زا حضور
گھونگرو نے اور فتنۂ محشر بنا دیا

لکھی یہاں تلک صفت اُس نونہال کی
خامے کو ہم نے شاخِ گلِ تر بنا دیا

نظارہ روز و شب ہے مصحفِ رخسارِ قاتل کا
یہی صورت رہی تو بس خدا حافظ مرے دل کا

خزاں میں کیا اُداسی چھائی ہے صحنِ گلستاں پر
نہ وہ پھولوں کی رنگینی نہ وہ نغمہ عنادل کا

یہ زینت بندشِ الفاظ کی ہے حسنِ معنی سے
نہ ہو جلوہ جو لیلیٰ کا تو پھر کیا لطف محمل کا

سنہ ۱۸۶۷ء

کیسی کیسی وہ لگاوٹ کی نظر کرتے ہیں
دھوکے کھاتا ہے ہمارا دلِ ناداں کیا کیا

خوب فرما گئے ہیں حضرتِ آتش اکبر
میرے اللہ نے مجھ پر کئے احساں کیا کیا

یہ پہلی غزل ہے جو مشاعرے میں پڑھی گئی اور پبلک نے اکبر کا نوٹس لیا اور اُس وقت اکیسواں سال تھا

سمجھے وہی اس کو جو ہو دیوانہ کسی کا
اکبر یہ غزل میری ہے افسانہ کسی کا

دکھلاتے ہیں بُت جلوۂ مستانہ کسی کا
یہاں کعبہ مقصود ہے بتخانہ کسی کا

گر شیخ و برہمن سنیں افسانہ کسی کا
معبد نہ رہے کعبہ و بتخانہ کسی کا

اللہ نے دی ہے جو تمہیں چاند سی صورت
روشن بھی کرو جا کے سیہ خانہ کسی کا

اُس کوچے سے ہے گبر و مسلماں کو عقیدت
کعبہ جو کسی کا ہے تو بتخانہ کسی کا

اشک آنکھوں میں آجائیں عوض نیند کے صاحب
ایسا بھی کسی شب سنو افسانہ کسی کا

جاں اپنی جو دی شمع کے شعلے سے لپٹ کر
سمجھا رُخِ روشن اُسے پروانہ کسی کا

شمعِ رُخِ روشن کا وہ جلوہ تو دکھائیں
ہے حوصلہ بھی صورتِ پروانہ کسی کا

کیا برق کی شوخی مری آنکھوں میں سمائے
ہے پیشِ نظر جلوۂ مستانہ کسی کا

الفت مجھے اس سے ہے اسے غیر سے ہے عشق
میں شیفتہ اُسکا ہوں وہ دیوانہ کسی کا

عشرت نہیں آتی جو مرے دل میں نہ آئے
حسرت ہی سے آباد ہے ویرانہ کسی کا

حیراں ہوں اِسے تابِ جمال آئے گی کیونکر
بیخود ہے جو دل سن ہی کے افسانہ کسی کا

پہونچی جو نگہ عالمِ مستی میں فلک پر
ہم سمجھے مہِ نو کو بھی پیمانہ کسی کا

کرنے نہیں دیتے جو بیاں حالتِ دل کو
سننے گا لبِ گور سے افسانہ کسی کا

سامانِ تکلف نظر آئیں گے جو ہر سو
جنّت میں بھی یاد آئے گا کاشانہ کسی کا

نالاں ہے اگر وہ تو یہ ہے چاک گریباں
بلبل کی طرح گل بھی ہے دیوانہ کسی کا

چشم و دلِ عاشق کا نہ کچھ پوچھئے احوال
وہ محو کسی کی ہے یہ دیوانہ کسی کا

تاثیر جو کی صحبتِ عارض نے دمِ خواب
خجلت دہِ آئینہ ہوا شانہ کسی کا

کوئی نہ ہوا روح کا ساتھی دمِ آخر
کام آیا نہ اسوقت میں یارانہ کسی کا

کچھ دور نہیں ساقیِ کوثر کے کرم سے
بھر دے مئے وحدت سے جو پیمانہ کسی کا

رکھتا ہے قدم کوچۂ گیسو میں جو بے خوف
کیا تو دلِ صد چاک ہے اسے شانہ کسی کا

تاثیرِ محبت سے جو ہو جاتے ہیں بے چین
رو دیتے ہیں اب سُنکے وہ افسانہ کسی کا

احباب نے پوچھا جو مرا حال تو بولے
سنتے ہیں وہ ان روزوں ہے دیوانہ کسی کا

دیکھا ہے عجب رنگ کچھ اس دورِ فلک میں
کوئی نہیں اے ساقی میخانہ کسی کا

یاں شیشۂ دل خونِ تمنا سے ہے لبریز
وہاں بادۂ گلفام سے پیمانہ کسی کا

سب مستِ مئے شوق ہیں ان آنکھوں سے اے دل
اس دور میں خالی نہیں پیمانہ کسی کا

بخشی ہے جبیں سائی کی در پر جو اجازت
واجب ہے مجھے سجدۂ شکرانہ کسی کا

اے حضرتِ ناصح نہ سنے گا یہ تمہاری
میرا دلِ وحشی تو ہے دیوانہ کسی کا

کرتے وہ نگاہوں سے اگر بادہ فروشی
ہوتا نہ گذر جانبِ میخانہ کسی کا

حسرت ہی رہی زلفوں کے نظارہ کی مجھکو
یہ پنجۂ مژگاں نہ بنا شانہ کسی کا

کس طرح ہوا مائل گیسو نہیں معلوم
پابند نہ تھا یہ دلِ دیوانہ کسی کا

ہم جاں سے بیزار رہا کرتے ہیں اکبر
جب سے دلِ بیتاب ہے دیوانہ کسی کا

یہ دوسری غزل ہے جو اکبر نے مشاعرے میں پڑھی بعمر ۲۲ سال

مبارک میکشو موسم پھر آیا بادہ خواری کا
چمن میں شور ہے پھر آمدِ فصلِ بہاری کا

نہایت اجتماعِ آتش و سیماب مشکل ہے
خیالِ رُخ میں کیونکر حال لکھوں بیقراری کا

ہمارا غنچۂ خاطر شگفتہ کر نہیں سکتی
فقط کلیاں کھلانا کام ہے بادِ بہاری کا

چمن میں خندہ زن گل ہے تو میخانہ میں پیمانہ
یہاں ہے فیضِ ساقی واں کرم بادِ بہاری کا

مسخر کرتا ہوں پریوں کو میں جادو بیانی سے
حسینوں میں فسانہ ہے مری ذی اختیاری کا

ہوئی ہے الفتِ معبود میں دیوانگی مجھکو
مقر کیونکر نہ اک عالم ہو میری ہوشیاری کا

ناقصاں را سود بخشد پرتوِ اہلِ کمال
بنگرش در قطع رہ ہر روز زر اولیں
ہر سحر لرزاں و ہر شامے بخوں می بنگرش

ماہ نو را می کند در نور کامل آفتاب
صورتِ من نسبتے جو یابد چہ منزل آفتاب
شد مگر از غمزۂ حسنِ تو بسمل آفتاب

حیرتم شد بریں اوج تو اے لیلائے حسن
ناقہ ات گردوں اگر سازند محمل آفتاب

مرکز آسا نقطۂ موہومش انگارند و بس
گردد ار در حلقۂ بزم تو داخل آفتاب

نیست رفتار حسیناں باعث صد انقلاب
میکند تغییر فصل از طے منزل آفتاب

سوز عشق روئے تو دارم بایں کم مایگی
اخترے ہستم کہ پنہاں کردہ در دل آفتاب

جوشش زد چوں پرتو نور رخت اے بحر حسن
در افق گم گشت مثل موج ساحل آفتاب

پرتو نورت نمود اعجاز ہنگام شنا
قطرہ قطرہ گشت در دامان ساحل آفتاب

مے کشاں مے خوردہ از بحر تردد بگذرند
می رساند کشتی رنداں بساحل آفتاب

ز انتہائے سبحۂ در دست است و شوق ہیچ ہیچ
برکف انجم دارم و پوشیدہ در دل آفتاب

بر سرش زہرہ اگر تابد اسیراں را خوش است
بگذرد زود از تو اے چاہ بابل آفتاب

بر سپہر معنی روشن چو گامے سیر کرد
ارمغاں آورد اکبر سوی محفل آفتاب

آفریں اکبر بریں روشن بیانیہائے تو
شعر می خوانی و می تابد بہ محفل آفتاب

دلم فسردہ شد و عشق و آرزو باقی است
نماند در گل پژمردہ رنگ و بو باقی است

گماں مبر کہ ستم کردی و فغاں نہ کنم
بیا بیا کہ ہماں شوق و آرزو باقی است

فغاں کہ آتش غم زیر خاک ہم نگذاشت
ہنوز سوز و دل و آہ شعلہ خو باقی است

بہ بحر عشق فتادیم و دست و پا نہ زدیم
ہزار منت ہمت کہ آبرو باقی است

اجل بیامد و جانم ببرد و دل بگذاشت
فغاں کہ جان عزیزم شد و عدو باقی است

فدائے صورت زیبا رخے کہ فانی نیست
نثار حسن حسینے کہ حسن او باقی است

ز زشتی عملم در لحد نمی پرسند
ہزار شکر کہ یاد رخ نکو باقی است

پس فنا بہ لحد ہم قرار نیست مرا
مگر بہ دل خلش خار آرزو باقی است

بحسن فانی دنیا مبند دل اکبر
فنا شود ز رہ آں کس کہ نام او باقی است

جاں نثاروں کے سوا کوئی نہ دیکھے روئے دوست
چلا ہے تیغ [illegible] کی جنبشِ ابروئے دوست

دیکھنے آئے تھے ہم حسنِ رخِ نیکوئے دوست
آپ سے جاتے رہے آئینیاں کوئے دوست

اہلِ دل کو ذکرِ قمری[1] سے یہ آتی ہے صدا
باغِ دل میں جا بجا ہے سروِ قدِ دلجوئے دوست

رقص کرتی ہے نسیمِ صبح کیوں مستانہ وار
گلشنِ دل سے اڑا لائی ہے شاید بوئے دوست

کیسے کیسے گل کھلے ہیں نقشِ پائے یار سے
غیرتِ دامانِ گلچیں ہو رہا ہے کوئے دوست

وہ گلِ رنگیں ہوں میں پیدا ہے جس سے رنگِ یار
رنگ وہ ہوں جس میں پنہاں ہو گئی ہے بوئے دوست

دشمنوں کا سر ندامت سے ہے جھکنے کے لئے
میری گردن ہے برائے خنجرِ ابروئے دوست

ہیں وہ آئینہ ہوں اس حیرت سرائے دہر میں
جس میں جوہر کے عوض رہتا ہے عکسِ روئے دوست

چیزے کہ بہ عشقِ او می رقصد و می سوزد
دل ہست کہ در پہلو می رقصد و می سوزد

در شمع چو مے بیند نورے ز رخِ خوبت
پروانہ[2] بگردِ او می رقصد و می سوزد

ہر شمع بیادِ او می گرید و مے کاہد
ہر شعلہ بہ شوقِ او می رقصد و می سوزد

زائل اے دل یہ مرا دردِ جگر ہو کیونکر
وصلِ جاناں ہے دوا اسکی مگر ہو کیونکر

محفلِ عشرتِ اغیار میں رہتے ہیں حضور
حالِ غم دیدۂ ہجراں کی خبر ہو کیونکر

جلوۂ شاہدِ معنی کی ہیں مشتاق آنکھیں
حسنِ صورت یہ مجھے منظورِ نظر ہو کیونکر

سیکتی ہیں آنکھیں رہتی ہے بہت خواہشِ زر
واں بھلا ہم سے غریبوں کا گذر ہو کیونکر

حاضری کا جو ملا حکم تو یہ ہوا ارشاد
درِ دولت پہ جو آؤں تو خبر ہو کیونکر

غمِ ہجر تو چہ کردہ است بمن ہیچ مپرس
گریہ می آیدم از رنج و محن ہیچ مپرس

نالۂ من چو توانی بر یاراں برساں
اے صبا قصۂ دوری وطن ہیچ مپرس

بشنو از مرگِ من و فارغ و خرم بنشیں
باش مستغنی و از گور و کفن ہیچ مپرس

دقتے ہست بہ تشریحِ کمرِ ہیچ مگو
مشکلے ہست از اسرارِ دہن ہیچ مپرس

آخرِ فصلِ بہار است و دمِ رخصتِ گل
دیگر از حسرتِ مرغانِ چمن ہیچ مپرس

---

[1] صوفیوں کے ایک طریقہ ذکر کا نام ہے [2] ایک پروانہ لمپ کے گرد ناچ رہا تھا ([illegible])

شنو قمم آمادہ و دل مائل و قاتل بہ کمیں — اندریں وقت ز بے صبری من ہیچ مپرس

وقت آنست کہ با شام غریباں سازم — باش وا اے ہمسفر از صبح وطن ہیچ مپرس

حسرتے چند بہ دل دارم و ایں نکتہ بس است — در کہ آموختہ ام طرز سخن ہیچ مپرس

مگو از لعل یمانی و بہ بیں لخت دلم — اشک من بنگر و از دُرِّ عدن ہیچ مپرس

بیکسی متکلفِ تربتِ او بود بد دشت
قصۂ اکبر مہجور وطن ہیچ مپرس

وہ رشک گل نہ ہوا ہم سے ہمکنار افسوس — بہار عمر خزاں ہو گئی ہزار افسوس

بہت پسند ترا رنگ ہے مجھے لیکن — بقا نہیں تجھے اے موسم بہار افسوس

بتوں کی یاد میں تو یہ بھی بھولے ہم دم مرگ — چلے جہاں سے آخر گناہگار افسوس

جو بیقراری نے آنے دیا نہ دل کے قریب — تو میرے حال پہ کرنے لگا قرار افسوس

کسی نے بزم میں سمجھا نہ باعثِ گریہ — تمام رات رہی شمع اشکبار افسوس

طریق عشق میں ہادی و رہنما اکبر
جو ایک دل بھی ملا ہے وہ بیقرار افسوس

مشاعرہ سنہ ۱۸۷۴ء یا سنہ ۱۸۷۵ء

کام آتا ہے جو وصفِ روئے دلبر میں چراغ — اوج پر رہتا ہے ہر محفل میں ہر گھر میں چراغ

یاد مژگان و رخِ روشن ہمارے دل میں ہے — یا کسی نے رکھ دیا پہلوئے خنجر میں چراغ

آہ کرتا ہوں تو رکھ لیتے ہیں وہ رخ پر نقاب — کہتے ہیں صاحب ٹھہرتا کب ہے صرصر میں چراغ

جب سے تحریر ثنائے رخ میں کام آتا ہے یہ — ہے عوض بیتی کے فکر تارِ مسطر میں چراغ

پھیل جائے گی جو ظلمت نامۂ اعمال کی — میرا یہ داغِ ندامت ہوگا محشر میں چراغ

لال ڈورے ہیں جو چشم مست ساقی میں عیاں — ہیں طلسم حسن سے روشن یہ ساغر میں چراغ

دل کے پیمانے میں داغ ہجر ساقی یہ نہیں — سینکڑوں روشن کیا ہے میں نے ساغر میں چراغ

یوں خیالِ گلرخاں میں ہے منور داغ دل
جل رہا ہو جسطرح پھولوں کی چادر میں چراغ

دیکھے ہو تم بہت پروانہ بنجائے نہ یہ
پڑ نہ جائے جادوئے چشمِ فسوں گر میں چراغ

یوں ہے افشاں میں عیاں پیشانیِ روشن تری
ماہ کا جلتا ہو جیسے فوجِ اختر میں چراغ

کر رہا ہے وصف آئینہ کا جو وہ شعلہ رو
ہے یہ گویا شکرِ احسانِ سکندر میں چراغ

روز روشن آئینے کا زلف نے شب کر دیا
عکسِ عارض نے جلایا چشمِ جوہر میں چراغ

یوں ہے دل کی خواہشوں میں داغِ حسرت کا ہجوم
جسطرح سے سیکڑوں جلتے ہوں لشکر میں چراغ

بیگنہ ہر شب لیا کرتا ہے پروانوں کی جان
کیا جواب اسکا خدا کو دیگا محشر میں چراغ

دل میں جتنی ہوسکے داغوں کی کثرت خوب ہے
چاہیئے افراط سے اللہ کے گھر میں چراغ

بزمِ ہستی میں نہ دیکھا پرتوِ روئے صنم
اس شبستاں میں نہ تھا یہ مقدر میں چراغ

غم کے شعلے یادِ عارض میں بھڑکتے رہتے ہیں
آج کل ہیں دشمنِ جاں بزمِ اکبر میں چراغ

عمر ۲۲ سال

آپ سے آتے ہو کب عشاقِ مضطر کیطرف
جذبِ دل یہ تم کو لایا ہے مرے گھر کی طرف

پوچھتا ہے جب کوئی اُنسے کسے ہے تمنائے عشق
دیکھتے ہیں پیار سے شرما کے اکبر کی طرف

انھیں نگاہ ہے اپنے جمال ہی کی طرف
نظر اُٹھا کے نہیں دیکھتے کسی کی طرف

توجہ اپنی ہو کیا فنِ شاعری کی طرف
نظر ہر ایک کی جاتی ہے عیب ہی کی طرف

لکھا ہوا ہے جو رونا مرے مقدر میں
خیال تک نہیں جاتا کبھی ہنسی کی طرف

تمہارا سا یہ بھی جو لوگ دیکھ لیتے ہیں
وہ آنکھ اُٹھا کے نہیں دیکھتے پری کی طرف

بلا میں پھنستا ہے دل مفت جان جاتی ہے
خدا کسی کو نہ لیجائے اُس گلی کی طرف

کبھی جو ہوتی ہے تکرار غیر سے ہم سے
تو دل سے ہوتے ہو در پردہ تم اُسی کی طرف

نگاہ پڑتی ہے اُن پر تمام محفل کی
وہ آنکھ اُٹھا کے نہیں دیکھتے کیسی کی طرف

نگاہِ اُس بتِ خود بیں کی ہے مرے دل پر
وہ آئینہ کی طرف ہے نہ آرسی کی طرف

قبول کیجئے للّٰلہ تحفۂ دل کو
نظر نہ کیجئے اس کی شکستگی کی طرف

یہی نظر ہے جواب قاتلِ زمانہ ہوئی
یہی نظر ہے کہ اُٹھتی نہ تھی کسی کی طرف

قطعہ
غریب خانہ میں للّٰلہ دو گھڑی بیٹھو
بہت دنوں میں تم آئے ہو اس گلی کی طرف

ذرا سی دیر ہی ہو جائے گی تو کیا ہو گا
گھڑی گھڑی نہ اُٹھاؤ نظر گھڑی کی طرف

جو گھر میں پوچھے کوئی خوف کیا ہے کہہ دینا
چلے گئے تھے ٹہلتے ہوئے کسی کی طرف

ہزار جلوۂ حسنِ بتاں ہو اے **اکبر**
تم اپنا دھیان لگائے رکھو اُسی کی طرف

سنہ ۱۸۷۱ء

کوئی پہونچا نہیں اے یار ترے قدِّ رعنا تک
ہماری فکرِ عالی سرو سے ہو آئی طوبیٰ تک

کبھی تشریف تو لائیں وہ مجھ محوِ تمنا تک
دلِ مشتاق کیا اُن پر فدا ہے جانِ شیدا تک

دبستانِ محبت میں ہوا حاصل نہ کچھ مجھکو
کتابِ عمر آخر ہو گئی حرفِ تمنا تک

گلستاں میں جو بلبل رنگِ گل پر جان دیتی ہے
نہیں پہونچی نظر اسکی ترے رخسارِ زیبا تک

تری تکمر سے ہو گیا ہے اسقدر نازک
کہ مشکل سے پہونچتا ہے تصور نامِ عنقا تک

دلِ صد چاک آتا ہے نظر جو صورتِ شانہ
رسائی اسکی ہے شاید تری زلفِ چلیپا تک

گماں ہے کاروانِ جذبۂ دل کا مجھے اسیر
کنوئیں سے کھینچ لایا تھا جو یوسف کو زلیخا تک

نقاب اُلٹیں اگر وہ عارضِ پُر نور سے اپنے
شبِ یلدا کو سمجھے روزِ محشر چشمِ اعمیٰ تک

جو ہے طوقِ گلو گرداب تو زنجیرِ پا موجیں
تری الفت میں انساں کیا کہ دیوانہ ہے دریا تک

تماشا کر آپ آئینہ کیا ہے آسنے پانی کو
نگاہیں بے تکلف جا رہی ہیں قعرِ دریا تک

زمیں پر شمع روشن ہے فلک پر ماہِ تاباں ہے
تمہارے نور سے ہیں فیضیاب ادنیٰ سے اعلیٰ تک

میں ہوں وہ رشکِ مجنوں جس سے وحشت کو بھی وحشت ہے	وہ ویرانہ ہے میرا جس سے گھبراتا ہے صحرا تک
کیا ہے عاشق اک پردہ نشیں کا مجھکو قسمت نے	میں وہ بیمار ہوں جو جا نہیں سکتا مسیحا تک
وہ آئے بھی جو بالیں پر تو ایسے وقت میں آئے	کہ فرطِ ضعف سے ہم کر نہیں سکتے اشارا تک
جو اسنے ناز سے پوچھا کہ تیری آرزو کیا ہے	خوشی سے یہ ہوئے بیخود کہ ہم بھولے تمنّا تک
نہ نکلیں اشکِ حسرت نزع میں اے بیکسی کیونکر	وہ بیکس ہوں نہیں ہے کوئی مجھ پر رونیوالا تک

جو وصفِ صاحبِ معراج ہے مدِّ نظر اکبر
مری فکرِ رسا جاتی ہے اب عرشِ معلّٰی تک

عمر ۱۷ سال

چشمِ عاشق سے گریں لختِ دلِ بیتاب و اشک	آپ یوں دیکھیں تماشا جانکر سیماب و اشک
اپنے دامن پر گرا کر کیوں اسے کرتے خراب	جانتے یکساں اگر ہم گوہرِ نایاب و اشک

جانبِ زنجیرِ گیسو پھر کھنچا جاتا ہے دل	دیکھئے اب میرے سر پر کیا بلا لاتا ہے دل
لوگ کیونکر چھوڑ دیتے ہیں محبت دفعتاً	میں تو جب یہ قصد کرتا ہوں مچل جاتا ہے دل
رکھ کے تصویرِ خیالی یار کی پیشِ نظر	رات بھر مجھکو شبِ فرقت میں تڑپاتا ہے دل
داغہائے سینہ گل ہیں آہ سرو اپنی نسیم	گلشنِ ہستی میں کیا اچھی ہوا کھاتا ہے دل
بارگاہِ عشق کہیئے تیرے دولت خانے کو	جو کوئی آتا ہے یاں تجھسے لگا جاتا ہے دل
خوف کے پردے میں چھپ جاتی ہے جانِ ناتواں	عاشقی کے معرکے میں کام آ جاتا ہے دل
ساتھ ساتھ اپنے جنازے کے یہ چلّاتی تھی روح	انکو مٹی میں ملانے کے لئے جاتا ہے دل
شیخ اگر کعبہ میں خوش ہے برہمن بتخانے میں	اپنے اپنے طور پر ہر شخص بہلاتا ہے دل
قصد کرتا ہوں جو اٹھنے کا تو فرماتے ہیں وہ	اور بیٹھو دو گھڑی صاحب کہ گھبراتا ہے دل

یہ نہیں کہتے یہیں رہ جاؤ اب تم رات کو
بس انھیں باتوں سے اکبر میرا جل جاتا ہے دل

لکھتے ہیں کلکِ تصور سے ترے نام کو ہم
کام میں لاتے ہیں لوحِ دلِ ناکام کو ہم

بادہ نوشی میں بسر کرتے ہیں ایّام کو ہم
خطِ تقدیر سمجھتے ہیں خطِ جام کو ہم

شکل اُس شوخ کی آنکھوں میں پھرا کرتی ہے
آنکھیں دکھلاتے ہیں اب گردشِ ایام کو ہم

نظر آتی ہے جو گلزار میں پھولوں کی بہار
یاد کرتے ہیں حسینانِ گُل اندام کو ہم

آبِ حیواں کا اثر بادۂ گلرنگ میں ہے
لبِ جاں بخش سمجھتے ہیں لبِ جام کو ہم

گردشِ چشمِ حسیناں کا نہ کہیے احوال
جانتے ہیں اثرِ گردشِ ایام کو ہم

ایک دن تم کو لبِ گور سے سنوا دینگے
کہہ نہیں سکتے ابھی عشق کے انجام کو ہم

رہتی ہے کارِ دو عالم سے ہمیں وحشت سی
نہیں معلوم یہاں آئے ہیں کس کام کو ہم

رہ چکے ہیں جو کبھی فصلِ بہاری میں اسیر
کانپ کانپ اُٹھتے ہیں جب دیکھتے ہیں دام کو ہم

اجل سے وہ ڈریں جینے کو جو اچھا سمجھتے ہیں
یہاں ہم چار دن کی زندگی کو کیا سمجھتے ہیں

ہمیں ہے خاکساری میں بھی ڈر محسوس ہونیکا
اسے بھی ہم غبارِ خاطرِ اعدا سمجھتے ہیں

کوئی کیا سمجھے الطافِ خفی انکارِ جاناں کے
یہ رمزِ لن ترانی حضرتِ موسیٰ سمجھتے ہیں

تمھاری ناخوشی کا ڈر ہمیں مجبور رکھتا ہے
نہیں تو اے صنم اغیار کو ہم کیا سمجھتے ہیں

یقیں کفّار کو آتا نہیں روزِ قیامت کا
اسے بھی وہ تمھارا وعدۂ فردا سمجھتے ہیں

جنوں زائل ہوا ہوش آگیا صحّت ہوئی ہمکو
بڑے عیّار ہو تم اب تو ہم اتنا سمجھتے ہیں

اُسی ناکس سے کیوں سرگوشیاں کرتے ہو محفل میں
خبر بھی ہے کہ لوگ اپنے دلوں میں کیا سمجھتے ہیں

رہے سرسبز گلشن آنکے بزمِ عیش و عشرت کا
نکل جاؤنگا میں مجھکو اگر کانٹا سمجھتے ہیں

نگاہوں کے اشاروں سے جو حکم اُٹھنے کا ہوتا ہے
مجھے بھی آپ کیا دردِ دلِ شیدا سمجھتے ہیں

میں اپنے نقدِ دل سے جنسِ الفت مول لیتا ہوں
اطبّا کو ذرا دیکھو اسے سودا سمجھتے ہیں

اُسے ہم آخرت کہتے ہیں جو مشغولِ حق رکھے
خدا سے جو کرے غافل اُسے دنیا سمجھتے ہیں

نثار اپنے تصور کے کہ جسکے فیض سے ہر دم
جو ناپیدا ہے نظروں سے اُسے پیدا سمجھتے ہیں

وہ ہمکو کچھ نہ سمجھے اے رقیبو اختیار اُنکا
یہ تم کیوں خوش ہوئے وہ تمہیں کیا سمجھتے ہیں

یہی رخ ہے کہ جسپر پھول کا اطلاق ہوتا ہے
یہی آنکھیں ہیں جنکو نرگس شہلا سمجھتے ہیں

تو وہ برق تجلی ہے کہ تیرے دیکھنے والے
ترے نقش کف پا کو ید بیضا سمجھتے ہیں

غزل اک اور پڑھتے آج ایسے رنگ میں اکبر
کہ ارباب بصیرت جسکو عبرت زا سمجھتے ہیں

جو اپنی زندگانی کو حباب آسا سمجھتے ہیں
نفس کی موج کو موج لب دریا سمجھتے ہیں

گواہی دینگے روز حشر یہ سارے گناہوں کی
سمجھتا میں نہیں لیکن مرے اعضا سمجھتے ہیں

شریک حال دنیا میں نظر آتا نہیں کوئی
فقط اک بیکسی ہے جسکو ہم اپنا سمجھتے ہیں

جو ہیں اہل بصیرت اس تماشا گاہ ہستی میں
طلسم زندگی کو کھیل لڑکوں کا سمجھتے ہیں

سراپا ہو ہنر ہے میں سراپا عیب ہوں اکبر
عنایت ہے احبا کی اگر اچھا سمجھتے ہیں

شوق نظارہ کبھی دل سے نکلتا ہی نہیں
جی ہمارا اے ترے دیکھے بہلتا ہی نہیں

چین سے ہو بیٹھنا کیونکر نصیب اے ہمنشیں
جوش وحشت سے مزاج اپنا سنبھلتا ہی نہیں

وصل کے ایام میں کیا کیا دکھائے انقلاب
ہجر میں رنگ فلک اب تو بدلتا ہی نہیں

کس غضب کا ہے معاذ اللہ طول روز ہجر
حشر مجھ پر ہو گیا لیکن یہ ڈھلتا ہی نہیں

ہر قدم پر دل پڑے ہیں حسرت پامال میں
اب زمیں پر پاؤں رکھکر یار چلتا ہی نہیں

چند روز آیا تھا میری قبر پر وہ شعلہ رو
اب تو مدت سے چراغ گور جلتا ہی نہیں

ہمنے چاہا تھا نہ ہو لیکن ہوئی صبح فراق
موت کا جب وقت آجاتا ہے ٹلتا ہی نہیں

بوسہ کیسا گالی دینے میں بھی انکو بخل ہے
ان لبوں سے کام اپنا کچھ نکلتا ہی نہیں

صورت پروانہ جلکر خاک بھی میں ہو گیا
دل ترا اے شمع رو لیکن پگھلتا ہی نہیں

نخل حسرت وہ ہوں میں جسکو ہیں یکساں چار فصل
وہ شجر ہوں باغ عالم میں جو پھلتا ہی نہیں

وہ تمنا ہوں جو رہتی ہے ہمیشہ جی کے ساتھ
حوصلہ وہ ہوں جو دنیا میں نکلتا ہی نہیں

رنگ وہ ہوں جو زمانے کے یا ہر رنگ سے
وہ زمانہ ہوں جو رنگ اپنا بدلتا ہی نہیں

شوق وہ ہوں جو سعت دل جسکے آگے تنگ ہے
حرف مطلب وہ ہوں جو منہ سے نکلتا ہی نہیں

دل وہ ہوں جسمیں چھپے ہوں خار حسرت سیکڑوں
خار حسرت وہ ہوں جو دل سے نکلتا ہی نہیں

نقد سودا وہ ہوں جو رائج نہیں بازار میں
سکۂ داغ جنوں وہ ہوں جو چلتا ہی نہیں

سنہ ۱۸۶۷ع

یہ مصرعہ چاہئے لکھنا بیاض چشم وحدت میں
خدا کا عشق ہے عشق مجازی بھی حقیقت میں

برنگ حسن جو ہے جلوہ فرما اُن کی صورت میں
خمیر عشق بنکر ہے وہی میری طبیعت میں

اگر میں ڈوب جاؤں قلزم اشک ندامت میں
گناہوں کا سفینہ غرق ہو دریائے رحمت میں

بھریں گلہائے حسرت ہی سے داماں تمنا کو
جو آنکلے ہیں بہر سیر گلزار محبت میں

لکھا خون جگر سے صفحۂ دل پر اسے اکبر
اثر ممکن نہیں پیدا نہ ہو نقش محبت میں

گلے لگائیں کریں پیار تم کو عید کے دن
ادھر تو آؤ مرے گلعذار عید کے دن

غضب کا حسن ہے آرائشیں قیامت کی
عیاں ہے قدرت پروردگار عید کے دن

سنبھل سکی نہ طبیعت کسی طرح میری
رہا نہ دل پہ مجھے اختیار عید کے دن

وہ سال بھر سے کدورت بھری جو تھی دل میں
وہ دور ہوگئی بس ایکبار عید کے دن

لگا لیا انھیں سینہ سے جوش الفت میں
غرض کہ آہی گیا مجھکو پیار عید کے دن

کہیں ہے نغمۂ بلبل کہیں ہے خندۂ گل
عیاں ہے جوش شباب بہار عید کے دن

سوئیاں دودہ شکر میوہ سب مہیا ہے
مگر یہ سب ہے مجھے ناگوار عید کے دن

ملے اگر لب شیریں کا تیرے اک بوسہ
تو لطف ہو مجھے البتہ یار عید کے دن

مضمون سوز غم نہ ہو کیونکر چراغ میں
پروانوں کے پروں کا ہے دفتر چراغ میں

ہو لطفِ حسن و عشق نہ کیونکر چراغ میں
ہے روشنی و سوز برابر چراغ میں

درگاہ جانے والے ہیں غیروں کے ساتھ وہ
گھی جل رہا ہے آج تو گھر گھر چراغ میں

مژگاں کا عکس عارضِ روشن میں دیکھ لے
دیکھا نہ جس نے ہو کبھی خنجر چراغ میں

خورشیدِ رخ نے تیرے جو بے نور کر دیا
کیا روشنی تھی صورتِ اختر چراغ میں

اُس بت کے دل کا اس دلِ روشن میں ہے خیال
ہے حسن اتفاق سے پتھر چراغ میں

جلنا نصیب میں ہے تو ہو کچھ فروغ ہی
بتی کی جا رہے تنِ لاغر چراغ میں

پھیلی ہمارے سوزِ محبت کی داستاں
بتی پڑی جو شام سے گھر گھر چراغ میں

رنگینی اُس کے عارضِ پر نور میں نہیں
ہے جلوۂ بہارِ گلِ تر چراغ میں

داغِ گناہ سے دلِ مومن کو کیا ضرر
ہوتی سیاہی بھی تو ہے اکثر چراغ میں

خودی بھی مجھسے جب واقف نہ تھی میں تب بھی بسمل ہوں
ازل سے کشتۂ تیغِ نگاہِ ناز قاتل ہوں

دلا کیونکر میں اُس رخسارِ روشن کے مقابل ہوں
جسے خورشیدِ محشر دیکھکر کہتا ہے میں تل ہوں

خمِ گیسو پر اک رشکِ پری کے دل سے مائل ہوں
مجھے بھی اندنوں سودا ہے دیوانوں میں داخل ہوں

نہیں معلوم اسکو تیری چتون سے مقابل ہوں
مجھے واعظ سمجھتا ہی کہ میں مرنے سے غافل ہوں

نگاہِ ناز سے تم نے اگر دیکھا نہیں مجھکو
تو پھر میں کیوں تڑپتا ہوں نہ زخمی ہوں نہ بسمل ہوں

فغاں کیسی کہ حرفِ شکوہ بھی لب پر نہ آئیگا
یہ جب تک تم نہ کہلوگے وفا کا تیری قائل ہوں

رہِ الفت وہ کوچہ ہے قضا بھی جس سے ڈرتی ہے
قدم رکھتا ہے دل اُسمیں نثارِ ہمتِ دل ہوں

جو یونہیں لحظہ لحظہ داغِ حسرت کی ترقی ہے
عجب کیا رفتہ رفتہ میں سراپا صورتِ دل ہوں

مدد اے رہنمائے گمرہاں اس دشتِ غربت میں
مسافر ہوں پریشاں حال ہوں گم کردہ منزل ہوں

یہ میرے سامنے شیخ و برہمن کیا جھگڑتے ہیں
اگر مجھسے کوئی پوچھے کہوں دونوں کا قائل ہوں

گلِ مقصد جسے سمجھا وہ نکلا داغ ناکامی
غرض باغِ جہاں میں خوبیِ قسمت کا قائل ہوں

بلا مصرع طرح

اگر دعویٰ یکرنگی کردں ناخوش نہ ہو جانا — میں اس آئینہ خانے میں ترا عکسِ مقابل ہوں

توقع رہتی ہے ہر دم کہ دم لینے کی مہلت ہے — معاذ اللہ اپنی موت سے کس درجہ غافل ہوں

رسائی زلف نے پائی قدم تک اب وہ کیوں آئیں — یہاں نہ خوب ہاتھ آیا کہ پابندِ سلاسل ہوں

خبر لیتے ہیں اُسکی جسکو بیگانہ سمجھتے ہیں — مجھے کب پوچھتے ہیں میں تو اک تحصیلِ حاصل ہوں

زمینِ شعر جس سے آسماں بنجائے اے اکبر
علوئے طبع سے ایسی غزل پڑھنے پہ مائل ہوں

جو لذت آشنائے دردِ الفت ہے میں وہ دل ہوں — اجل جسکو قیامت تک نہ آئیگی وہ بسمل ہوں

نصیب ایسے کہاں جو زینتِ فتراکِ قاتل ہوں — جسے صیاد نے دیکھا نہیں وہ مرغِ بسمل ہوں

بپئے نظارہ جب سے عالمِ حیرت میں داخل ہوں — یہ محوِ روئے قاتل ہوں کہ شکلِ چشمِ بسمل ہوں

سنا کر وصفِ قاتل میں نے لاکھوں کو کیا بسمل — میں اس تعریف سے گویا زبانِ تیغِ قاتل ہوں

فضائے دہر ہے تنگ اپنی بیتابی کی وسعت سے — تڑپنے کی جگہ ملتی نہیں جسکو وہ بسمل ہوں

فنا ہے ہستیِ موہوم میری بیقراری میں — دلِ بیتاب کے ہاتھوں سے میں تسکینِ بسمل ہوں

خوشی میں روح جامے سے رہیگی حشر تک باہر — لپٹکر جس سے قاتل رو رہا ہے میں وہ بسمل ہوں

توسل چاہتا ہوں جس سے وہ دامن بچاتا ہے — یہ عالمِ قتل کا میدان ہے میں خونِ بسمل ہوں

قضا کا وہم بھی جس جا نہ پہونچیگا قیامت تک — وہاں تیغِ نگاہِ نازِ قاتل سے میں بسمل ہوں

جو کی کچھ گفتگو پیرِ خرد نے راہِ الفت میں — کہا تقریر نے خاموش میں گم کردہ منزل ہوں

دکھایا بیخودی نے آئینہ جب میری ہستی کو — ہوا یہ صاف روشن وہ صنم حق ہے میں باطل ہوں

عجب مضموں میں پیدا ہوا ہوں بیتِ ہستی میں — عبارت میں بہت آساں ہوں معنی میں مشکل ہوں

ثبوت اسکا مجھے بھی خود فراموشی سے یاد آیا — وہ دعویٰ کر رہے تھے شکلِ انساں کا میں حامل ہوں

ازل میں روئے جاناں سے اشارہ تھا یہ مصحف کا — تمنا ہے کہ میں بھی تیری ہی صورت میں نازل ہوں

جو پوچھا ایسی ہستی میں کیونکر فرق ظاہر ہو — کہا نے یار کی ایما کیا میں حدِ فاصل ہوں

کرے یک قطرہ جسکا ہیجر شورِ دو عالم سے
آسی جامِ شرابِ تند کا ساقی سے سائل ہوں

عیاں ہے رنگِ داغِ عشق میری خاکساری سے
گلستانِ محبت کا ہوں گل گو صورتِ گِل ہوں

عجب مجموعہ میں ہوں سرکشی اور خاکساری کا
جو شعلہ باد و آتش سے تو آب و خاک سے گِل ہوں

وہ داغِ آرزو ہوں جس سے دل دامن بچاتا ہے
کوئی پہلو نہیں ملتا جسے دنیا میں وہ دل ہوں

تصور وہ ہوں جو ہمرنگ ہے تصویرِ جاناں کا
خیالِ یار سے ملکر بنا ہے جو میں وہ دل ہوں

جسے چشمِ تصور خواب میں بھی پا نہیں سکتی
سراپا چشم ہو کر میں آسی محفل میں داخل ہوں

رہِ الفت میں آتی ہے یہی آواز دوزخ سے
کہ میں بھی اک شرارِ شعلۂ بیتابیِ دل ہوں

صدائے صور سے شورِ قیامت کا یہ ایما ہے
کہ میں بیساختہ اک نالۂ مستانۂ دل ہوں

وہ مجنوں ہوں کہ جسکی ہر نظر تصویرِ لیلیٰ ہے
حجابِ حسن اٹھ جاتا ہے جس سے میں وہ محمل ہوں

اجل سے پوچھتا ہے ہر نفس جو باہر آتا ہے
اجازت ہو اگر تیری تو پھر سینہ میں داخل ہوں

کہاں اس بحر سے جائینگے بچ کر گوہرِ مضموں
سخن دریا جو ہے طبعِ رسا سے میں بھی ساحل ہوں

غزل ایسی پڑھ ہوں جس سے برابر یہ صدا نکلے
عروجِ فکرِ عالی ہوں نشانِ عشقِ کامل ہوں

وفورِ شوقِ قاتل سے نثارِ ہمتِ دل ہوں
امیدِ جذبۂ دل سے مقیمِ کوئے قاتل ہوں

ہجومِ آہِ سوزاں سے خیالِ روئے جاناں سے
فروغِ بزمِ ماتم ہوں چراغِ خانۂ دل ہوں

حجابِ روئے قاتل سے غمِ ناکامیِ دل سے
نگاہِ چشمِ حسرت ہوں شہیدِ نازِ قاتل ہوں

وفورِ شوقِ ماتم سے صدائے نالۂ غم سے
شریکِ حالِ حسرت ہوں شکستِ شیشۂ دل ہوں

ہوائے باغِ عالم سے جفائے خنجرِ غم سے
بقائے رنگِ عشرت ہوں وفائے روحِ بسمل ہوں

بلائے یادِ گیسو سے خیالِ تیغِ ابرو سے
ظہورِ جوشِ سودا ہوں گواہِ حالِ بسمل ہوں

خیالِ حسنِ صورت سے ہجومِ دردِ الفت سے
ہمائے اوجِ معنی ہوں نشانِ عشقِ کامل ہوں

ہوائے شعلۂ غم سے جفائے چرخِ اظلم سے
چراغِ داغِ حسرت ہوں گرفتارِ غمِ دل ہوں

نسیمِ صبحِ عشرت سے فروغِ شوقِ دولت سے
ہجومِ خوابِ غفلت ہوں چراغِ عمرِ غافل ہوں

لبِ پیمانۂ دل سے دفورِ شوقِ کامل سے
حریفِ لذتِ غم ہوں لبِ اظہار سائل ہوں

جفائے تیغِ فرقت سے خیالِ رازِ الفت سے
زبانِ حالِ بسمل ہوں سکوتِ شمعِ محفل ہوں

علوئے جوشِ مستی سے صفائے طبعِ عالی سے
فدائے فکرِ اکبر ہوں نثارِ شعرِ مشکل ہوں

درِ گنجینۂ اسرارِ معنی کھول دو اکبر
بس اب پیرِ خرد اقرار کرتا ہے کہ جاہل ہوں

کہیں دل ہوں کہیں میں باعثِ بیتابیِ دل ہوں
کہیں اندازِ بسمل ہوں کہیں میں نازِ قاتل ہوں

کہیں تمکینِ خوبی ہوں کہیں ہنگامۂ الفت
کہیں رنگِ رخِ گل ہوں کہیں شورِ عنادل ہوں

کہیں جلوہ ہوں صورت کا کہیں ہوں شاہدِ معنی
کہیں ہوں محملِ لیلیٰ کہیں لیلائے محمل ہوں

کہیں عاشق کا مطلب ہوں کہیں معشوق کی خواہش
کہیں مجبورِ مطلق ہوں کہیں مختارِ کامل ہوں

کہیں ہوں شوقِ آزادی کہیں تدبیرِ پابندی
کہیں میں جوشِ سودا ہوں کہیں طوق و سلاسل ہوں

کہیں عمرِ دو روزہ ہوں کہیں ہوں آرزو دل کی
کہیں گھٹنے کے لایق ہوں کہیں بڑھنے کے قابل ہوں

کہیں جذبِ محبت ہوں کہیں دردِ دلِ عاشق
کہیں دل مجھ میں داخل ہے کہیں میں دل میں داخل ہوں

کہیں جوشِ اہلِ معنی کا کہیں ہوشِ اہلِ صورت کا
کہیں شورِ انا الحق ہوں کہیں دعوے باطل ہوں

کہیں ہوں حسن کا ایما کہیں ہوں درد کی لذت
کہیں قاتل کی چتون ہوں کہیں چتون کا بسمل ہوں

کہیں ہوں صورتِ لیلیٰ کہیں حالِ دلِ مجنوں
کہیں چھپنے کے لایق ہوں کہیں کھلنے کے قابل ہوں

کہیں یارو نکی محفل میں کہیں ہنگامۂ دل میں
کہیں میں رندِ مشرب ہوں کہیں درویشِ کامل ہوں

کہیں تصویرِ حیرت ہوں کہیں محوِ پریشانی
کہیں ہوں شیفتہ رخ کا کہیں زلفوں کا مائل ہوں

معاون ہوں کسی جا میں کہیں امداد کا طالب
کہیں خضرِ ہدایت ہوں کہیں گم کردہ منزل ہوں

کہیں ہوں گوہرِ مقصد کہیں دامن تمنا کا
کہیں ہمت کریموں کی کہیں امید سائل ہوں

کہیں ہوں ولولہ دل کا کہیں ہوں ضبط عاقل کا
روانی میں کہیں دریا کہیں تھمنے میں ساحل ہوں

یہ دریائے معانی جوش پر ہے دیکھیں اے اکبر
مگر ساکت ہوں جبتک آپ میں آنیکے قابل ہوں

لگی ہے آگ الفت کی ہمارے رشتۂ جاں میں
جلا کرتے ہیں مثلِ شمع ہم بزمِ حسیناں میں

کرونگا جستجو مضمون کی وصفِ چشمِ جاناں میں
پھریگی نظر پتلی کی طرح چشمِ غزالاں میں

پروئے یار نے موتی جو اپنی زلفِ پیچاں میں
نظر آنے لگے شبنم کے قطرے سنبلستاں میں

کیا موزوں جو مطلع میں نے وصفِ روئے جاناں میں
نظر آنے لگا خورشیدِ تاباں بیتِ میزاں میں

نزاکت سے جو فرشِ گل پہ سوتے تھے گلستاں میں
اب انکی خاک اڑتی پھرتی ہے دشتِ بیاباں میں

نہ کیونکر وحشتِ دل پہ گماں ہو شوقِ موسیٰ کا
تجلی وادیِ ایمن کی ہے اپنے بیاباں میں

انھیں کی آنکھ سے ممکن ہے انکا دیکھنا اے دل
بنوں حیرت سے آئینہ نہ کیونکر بزمِ جاناں میں

غزالانِ ختن آ آ کے مجھ پر صدقے ہوتے ہیں
کبھی بیمار پڑتا ہوں جو یادِ چشمِ جاناں میں

خزاں میں کیوں نہ ہو سرسبز نخلِ ماتمِ بلبل
عوض پانی کے جب حسرت برستی ہو گلستاں میں

تری زلفِ مسلسل دیکھکر ظاہر ہوا مجھکو
یہی زنجیر پائے دل کی ہے ہستی کے زنداں میں

اگر زنجیر پا ہوتی نہ الفت تیری زلفوں کی
نہ رہتے ہمسے دیوانے کبھی ہستی کے زنداں میں

اثر بعد فنا بھی گردشِ قسمت کا باقی ہے
بگولا بن کے میری خاک اڑتی ہے بیاباں میں

خیالِ ہجرِ یارانِ وطن سے جان جاتی ہے
غضب ہے ہوش آنا اے جنوں مجھکو بیاباں میں

زبانِ حال سے کہتا ہے میرا سبزۂ تربت
نشاں حسرت کا ہے نشو و نما بھی اس گلستاں میں

اسی مصرعہ پہ میں تو فصلِ گل میں وجد کرتا ہوں
تری قدرت نے کیا کیا گل کھلائے ہیں گلستاں میں

خزاں آتی ہے بلبل دیکھ لے اچھی طرح گل کو
خدا جانے کب آئے موسمِ گل پھر گلستاں میں

سناتا ہوں جو افسانہ کسی کی بزمِ عشرت کا
نسیمِ نوبہاری رقص کرتی ہے گلستاں میں

کرینگے حشر میں ظاہر جو ہم مجبوریِ الفت
ہمارا نامۂ اعمال ہوگا دستِ جاناں میں

سرِ خاکِ شہنشاہانِ عالم کہتی ہے عبرت
قدم رکھے بجا کر آئے جو شہرِ خموشاں میں

پئے تسلیم سر جھکتا تھا سبکا جنکے ایواں میں
انھیں کی خاک اب پامال ہے گورِ غریباں میں

پھرا کی شکل یارانِ گذشتہ چشمِ گریاں میں
ہماری عمر روتے ہی کٹی گورِ غریباں میں

جہاں حور کو کہتا ہے افزوں حسنِ انساں سے
کوئی عاشق بھی آنکلا زاہد ہے باغِ رضواں میں

جب آنا موت کا ممکن نہیں جنت میں اے واعظ
تو پھر کس کام کے حور و نکلے غم ہے باغِ رضواں میں

نہ پوچھو حال کچھ چاہت کا اِن زہرہ جبینوں کی
کہ شکلوں کے ہیں دل ڈوبے ہوئے چاہِ زنخداں میں

کسی کو ہوتی کیا پروا ہمارے جینے مرنے کی
بسانِ سبزۂ بیگانہ ہم تھے اس گلستاں میں

نہیں سروِ سہی کو باغ میں اندیشۂ صرصر
غرض ہے راستی بھی خوب شیوہ اس گلستاں میں

ابھی تو موسمِ گل بھی نہ آیا تھا گلستاں میں
میں کیوں جامہ سے باہر ہو گیا شوقِ بیاباں میں

نظر آتا نہیں جز آہ کوئی مونس و ہمدم
یہ لیجاتی ہے دنیا کی ہوا شبہائے ہجراں میں

میں دیتا جاؤں یارانِ وطن کو کیا پتا اپنا
خدا جانے مجھے لیجائے وحشت کس بیاباں میں

سماں آنکھوں میں پھر جاتا ہے جب فصلِ بہاری کا
گلوں کو یاد کر کے خوب روتا ہوں گلستاں میں

وہ بالیں پر ہیں وقتِ نزع کیونکر آ گئے رخصت ہوں
نہیں طاقت اشارے کی بھی سمجھے ہم سحر کے مہماں میں

مزا کیا جب حسینوں نے اطاعت کی حکومت سے
نہیں کچھ لطف پریاں تھیں جو قابو میں سلیماں میں

وفورِ اشک سے یوں ہیں ہرے داغِ جگر اپنے
چمن سرسبز ہو جاتا ہے جیسے فصلِ باراں میں

یقیں تھا گوہرِ آمرزگاری کے جو ملنے کا
دمِ آخر تلک ڈوبے رہے ہم بحرِ عصیاں میں

ہیں اپنے داغِ سینہ طعنہ زن خورشیدِ محشر پر
تماشا حشر کا ہے کوچۂ چاکِ گریباں میں

یہ مجھ دیوانے کو اکثر صدا آتی ہے زنداں سے
کھلا ہے خانۂ زنجیر کا در شوقِ مہماں میں

عجب کیا موسمِ پیری میں ایدل ٹھنڈی سانسوں کا
ہوائے سرد اکثر چلتی ہے فصلِ زمستاں میں

بقولِ رند مہمانِ فلک میں بھی ہوں اے اکبر
مری قسمت کا ٹکڑا بھی ہے اسکے خوانِ الواں میں

پھر گئی آپ کی دو دن میں طبیعت کیسی
یہ وفا کیسی تھی صاحب یہ مروت کیسی

دوست احباب سے ہنس بول کے کٹ جائیگی رات
رند آزاد ہیں ہمکو شبِ فرقت کیسی

جس حسیں سے ہوئی الفت وہی معشوق اپنا
عشق کس چیز کو کہتے ہیں طبیعت کیسی

جس طرح ہو سکے دن زیست کے پورے کر لو
چار دن کے لئے انساں کو حسرت کیسی

ہے جو قسمت میں وہی ہوگا نہ کچھ کم نہ سوا
آرزو کہتے ہیں کس چیز کو حسرت کیسی

حال کھلتا نہیں کچھ دل کے دھڑکنے کا مجھے
آج رہ رہ کے بھر آتی ہے طبیعت کیسی

کوچۂ یار میں جاتا تو نظارہ کرتا
قیس آوارہ ہے جنگل میں یہ وحشت کیسی

حسن اخلاق پہ جی لوٹ گیا ہے میرا
میں تو کشتہ تری باتوں کا ہوں صورت کیسی

آپ بوسہ جو نہیں دیتے تو میں دل کیوں دوں
ایسی باتوں میں مری جاں مروت کیسی

ہم نہ کہتے تھے کہ زینت بھی ہے معشوق کو شرط
کیوں؟ نظر آتی ہے آئینہ میں صورت کیسی

سنتا ہوں[له] چمن میں جو تری زمزمہ سنجی
یاد آتی ہے بلبل مجھے تقریر کسی کی

ملے ہر اک سے محبت مگر انھیں سے رہی
وہ عاشقانہ جو تھی اک نظر انھیں سے رہی

یہ کون بات پسند آ گئی ہے غیروں کی
لگاوٹ انکی جو اٹھوں پھر انھیں سے رہی

چھٹو گے دام بلا سے کبھی نہ اے اکبر
طبیعت الجھی ہوئی یوں اگر انھیں سے رہی

عمر ۱۹ سال ۱۸۶۴ء

بے تکلف بوسۂ زلف چلیپا لیجئے
نقد دل موجود ہے پھر کیوں نہ سودا لیجئے

دل تو پہلے لے چکے اب جان کے خواہاں ہیں آپ
اس میں بھی مجھ کو نہیں انکار اچھا لیجئے

پاؤں پڑ کر کہتی ہے زنجیر زنداں میں رہو
وحشت دل کا ہے ایما راہ صحرا لیجئے

غیر کو تو کر کے ضد کرتے ہیں کھانے میں شریک
مجھ سے کہتے ہیں اگر کچھ بھوک ہو کھا لیجئے

خوشنما چیزیں ہیں بازار جہاں میں بے شمار
ایک نقد دل ہے یارب مول کیا کیا لیجئے

کشتۂ آتش فرقت سے ہونا ہے جب مجھے
اور چندے صورت سیماب تڑپا لیجئے

فصل گل کے آتے ہی اکبر ہوئے بیہوش آپ
کھولئے آنکھوں کو صاحب جام صہبا لیجئے

له مصرعہ اول میرا ہے۔ ۲۰ سال کا تھا کہ امتحان لیا گیا تھا۔

تصور سے غمِ فرقت کے اپنا جی دہلتا ہے
کہ یہ کمبخت آخر سینے سے دم لیکے ٹلتا ہے

خدا کی شان وہ میرا تڑپنا دل لگی سمجھیں
کسی کی جاں جاتی ہے کسی کا جی بہلتا ہے

خیالِ زلف میں لے دل نہ طے کر منزلِ الفت
اندھیری رات میں نادان کوئی راہ چلتا ہے

وہ جب جوں ہوتے ہیں ہشیار بڑھتی ہے مری وحشت
سنبھالیں ہوش وہ اپنا یہاں دل کب سنبھلتا ہے

مریضِ غم کیا کرتا ہے ضبطِ نالہ ہمت سے
مگر منہ زرد ہو جاتا ہے جب کروٹ بدلتا ہے

وصالِ یار کا وعدہ ہے کل اور آج موت آئی
کریں کیا اب مقدر پر کسی کا زور چلتا ہے

محبت اُس سے کرکے پھنس گئے ہیں ہم تو آفت میں
نہ دل قابو میں آتا ہے نہ اُنپر زور چلتا ہے

کیا کرتا ہوں موزوں وصف اُنکے رُخِ روشن کا
مرا ہر شعر اکبر نور کے سانچے میں ڈھلتا ہے

شاعری رنگ طبیعت کا دکھا دیتی ہے
بوئے گل راہ گلستاں کی بتا دیتی ہے

سیرِ غربت کوئی جلسہ جو دکھا دیتی ہے
یادِ احبابِ وطن مجھکو رلا دیتی ہے

بیخودی پردۂ کثرت جو اُٹھا دیتی ہے
ہر طرف جلوۂ توحید دکھا دیتی ہے

آمدِ یاس یہ ہو قہرِ خدا کا نازل
رہبرِ منزلِ الفت کو ڈرا دیتی ہے

ہو نہ رنگیں طبیعت بھی کسی کی یارب
آدمی کو یہ مصیبت میں پھنسا دیتی ہے

نگہِ لطف تری بادِ بہاری ہے مگر
غنچۂ خاطرِ عاشق کو کھلا دیتی ہے

اچھی صورت میں بھی خالق نے بھرا ہی جادو
اپنے مشتاق کو دیوانہ بنا دیتی ہے

پوچھتا ہوں میں جو عبرت سے مآلِ ہستی
راستہ گورِ غریباں کا بتا دیتی ہے

نظر آتا جو نہیں نزع میں بالیں پہ کوئی
بیکسی اُن کے تغافل کو دعا دیتی ہے

کیا صفائی رخِ جاناں کی ہے اللہ اللہ
دیکھنے والوں کو آئینہ بنا دیتی ہے

دشمنِ اہلِ نظر ہے نگہِ حسن پرست
الفتِ پاک کو بھی عیب لگا دیتی ہے

موت سے کوئی نہ گھبرائے اگر یہ سمجھے
کہ یہ دنیا کے بکھیڑوں سے چھڑا دیتی ہے

بد سلوکی تری لاتی ہے خرابی مجھ پر
مری تقدیر کو الزام لگا دیتی ہے

نگہ شوق سے کیونکر نہ گلوں کو دیکھوں
ان کی رنگت ترے عارض کا پتا دیتی ہے

قید ہستی ہے غبار رخ آئینۂ روح
جان مشتاق کو جاناں سے چھڑا دیتی ہے

کشتہ ہوں مرگ حسیناں کی میں بیدردی کا
خاک میں چاند سی صورت کو ملا دیتی ہے

فکر اکبر گل مضموں کا دکھا کر جلوہ
محفل شعر میں رنگ اپنا جما دیتی ہے

زیر گیسو روے روشن جلوہ گر دیکھا کئے
شان حق سے ایک جا شام و سحر دیکھا کئے

گل کو خنداں بلبلوں کو نوحہ گر دیکھا کئے
باغ عالم کی دو رنگی عمر بھر دیکھا کئے

جنبش ابرو ہی کافی تھی ہمارے قتل کو
آپ تو ناحق سوے تیغ و تبر دیکھا کئے

صبر کر بیٹھے تھے پہلے ہی سے ہم تو جان زار
عشق نے جو کچھ دکھایا بے خطر دیکھا کئے

دیکھیے اب کیا دکھائے قسمت بد بعد مرگ
رنج و اندوہ و الم تو عمر بھر دیکھا کئے

خواب غفلت سے نہ چونکے اہل عالم ہے غضب
گو بہت نیرنگئ شام و سحر دیکھا کئے

حسرت و حرماں و اندوہ و غم و رنج و الم
جو دکھایا آسماں نے عمر بھر دیکھا کئے

وعدۂ شب پر گمان صدق سے سوئے نہ ہم
راہ اس پیماں شکن کی رات بھر دیکھا کئے

یاد میں رخسار تابان صنم کی رات بھر
دیدۂ حسرت سے ہم سوئے قمر دیکھا کئے

بیداد و جفا کے جو نئے ڈھنگ کرینگے
تیغ نگہ ناز سے چورنگ کرینگے

کافی ہیں وہ مستانہ نگاہیں وہ خط سبز
اب ہم نہ کبھی شوق مے و بنگ کرینگے

انکے دہن تنگ کا مضموں نہیں بندھتا
اب قافیۂ شعر کو ہم تنگ کرینگے

کر لیگا جگہ مثل شرر جذبۂ الفت
وہ سخت جو دل کو صفت سنگ کرینگے

دمسازوں سے ملنے بھی تو پائیں کبھی اے چرخ
آراستہ پھر بزم نے و چنگ کرینگے

نالے دل پر داغ کو سکھلائینگے موزوں
طاؤس کو ہم مرغ خوش آہنگ کرینگے

کچھ زمزمہ سنجی ہی پہ موقوف نہیں لطف
نالے بھی کرینگے تو خوش آہنگ کرینگے

اُن سے تو کوئی صلح کی صورت نہیں بنتی
غیروں ہی سے دل کھولکے اب جنگ کرینگے

ملتے ہیں حسینوں کے پریزادوں کے جمگھٹ
اب جا کے قیام اپنا لبِ گنگ کرینگے

راضی ہی نہ ہونگے وہ کسی طور تو کیا بس
تقدیر سے پھر کہئے تو کیا جنگ کرینگے

ارشاد جو ہوتا ہے کہ لکھ وصف دہن کچھ
معلوم ہوا آپ مجھے تنگ کرینگے

رنگینیٔ مضموں جو دل صاف میں ہوگی
شیشہ میں گمانِ سئے گلرنگ کرینگے

اکبر نہ ہو دمسازِ بتاں بہر خدا تم
دل دوگے تو وہ جان کا آہنگ کرینگے

جب عشق کے نشہ میں چور رہے کیونکر کہیں نیک انجام رہے
مستونکی طرح گلیونمیں پھرے رندی میں کہیں بدنام رہے

اب ہم تو خدا کی عنایت سے اے عہد شکن آزاد ہوئے
پھنس جائینگے بہتونکے طائرِ دل زلفونکا سلامت دام رہے

ملنا جو نہ تھا قسمت میں لکھا تدبیروں سے کچھ حاصل ہوا
نامونکی ہوئی تحریر بہت اک مدت تک پیغام رہے

منہ ترا دیکھ کے فق رنگ گلستاں ہوجائے
دیکھکر زلف کو سنبل بھی پریشاں ہوجائے

یادِ قامت میں جو میں نالہ و فریاد کروں
پیشتر حشر کے یاں حشر کا ساماں ہوجائے

جلوۂ مصحفِ رخسار جو آجائے نظر
حسرتِ بوسہ میں کافر بھی مسلماں ہوجائے

آپکے فیضِ قدم سے ہو بیاباں گلزار
باغ میں جائیے تو گلشنِ رضواں ہوجائے

ناز و انداز و ادا سے جو چلیں چال حضور
جس جگہ پاؤں پڑے گنجِ شہیداں ہوجائے

آفت گردشِ افلاک سے پاؤں جو نجات
گردشِ چشم مجھے گردشِ دوراں ہوجائے

آپ دکھلائیں جو اپنے رخِ رنگیں کی بہار
بو کے مانند ہوا رنگ گلستاں ہوجائے

لاغر اسدرجہ ہوا ہوں کہ جو لیٹوں میں کبھی
تارِ بستر مجھے وسعت میں بیاباں ہوجائے

حسرتیں اسمیں ہوا کرتی ہیں اکثر مدفوں
کیا عجب خانۂ دل گورِ غریباں ہوجائے

شباب جوش پہ ہے ولولے ہیں جوبن کے
کبھی وہ جھوم کے چلتے ہیں اور کبھی تن کے

جب اُن کو رحم کچھ آیا حیا نے سمجھایا
مریض غم کو ڈرایا کرے نہ پھر اتنا
نگاہ ناز سے سارا زمانہ بسمل ہے
کمر پہ یار کے رہتا ہے قبضۂ خنجر

بگڑ بگڑ گئی قسمت رقیب سیہ کی بن بن کے
قضا جو دیکھ لے تیور تمہاری چتون کے
نہیں شہید نہیں تیر ہی ترچھی چتون کے
شہید ہم تو ہوئے ناک بخت آہن کے

اندرون یار کے کچھ ذہن نشیں اور بھی ہے
ایک دل تھا سو دیا اور کہاں سے لاؤں
ناز بیجا نہ کیا کیجئے ہم سے اتنا
غم فرقت میں بھی آتی نہ اے چرخ جو موت
کیسو اُس غیرتِ لیلیٰ سے یہ پیغام صبا
جان دیتا جو ہو لازم ہے اُسی دم دینا
مرے بلوانے کا احسان جتاؤ نہ بہت

جانتا ہے کہ رشتہ ابھی کہیں اور بھی ہے
جھوٹ کہئے تو میں کہہ دوں کہ نہیں اور بھی ہے
اسی انداز کا اک یار حسیں اور بھی ہے
کیا کوئی صدمہ پئے جان حزیں اور بھی ہے
پہلوئے قیس میں اک دشت نشیں اور بھی ہے
تمہیں بتلاؤ یہ دستور کہیں اور بھی ہے
مہرباں ایک بتِ پردہ نشیں اور بھی ہے

ان ردیفوں میں غزل کیوں نہ ہو دشوار
ناتراشیدہ کوئی ایسی زمیں اور بھی ہے

اے خوف مرگ دل میں جو انساں کے تو رہے
فتنہ رہے فساد رہے گفتگو رہے
زلفیں ہٹالی چہرۂ رنگیں سے کیا ضرور
ق
ہنگامِ نزع روح نے قالب سے یہ کہا
اب تک ترے سبب سے رہے ہم بلا نصیب
یہ اشک انفعال نہ خالی اثر سے ہوں
بلبل رہا ہے طائرِ دل اس میں عمر بھر
اے چشم عیش بزم میں رونا نہیں ہے خوب

پھر کچھ ہوس رہے نہ کوئی آرزو رہے
منظور سب ہے مجھے جو مرے گھر میں تو رہے
بہتر ہے مشک کی گل عارض میں بو رہے
اس خاکدانِ تیرہ میں بے آبرو رہے
اب تا بہ حشر گور کے پہلو میں تو رہے
یارب ہمارے موتیوں کی آبرو رہے
سرسبز حشر تک چمنِ آرزو رہے
وہ بات کر کہ جس میں تری آبرو رہے

پیر مغاں کا سلسلہ دیکھیے جو محتسب
امیدوار بیعت دست سبو رہے

ہر دم یہ انتظار کا ایما ہے ہجر میں
آنکھوں میں جا سے اشک جگر کا لہو رہے

احباب کیا کریں گے ٹھہر کر مزار پر
بالیں پہ خاک اڑانے کو ہاں آرزو رہے

خاطر تو تم نے آج بہت کی مگر حضور
کل پھر یہی نگاہ یہی گفتگو رہے

ہر چند دل سے یار کے جاتا نہیں غبار
رونے سے عاشقو نہیں مری آبرو تو ہے

ہوں میں تو رند مجھکو تکلف سے کام کیا
پیمانہ ساقیا جو نہیں ہے سبو تو ہے

ہر چند میں غریب ہوں گو کچھ نہیں ہے پاس
لیکن ہزار دولتوں سے بڑھ کے تو تو ہے

ہم خوش رہیں بھلا دل ناداں سے کسطرح
ہو آپ کا یہ دوست ہمارا عدو تو ہے

زندہ جو تیرے ہجر میں ہوں میں تو کیا عجب
گو تو نہیں ہے پاس تری آرزو تو ہے

مجھکو تو دیکھ لینے سے مطلب ہے ناصحا
بدخو اگر ہے یار تو ہو خوب رو تو ہے

جذبۂ دل نے مری تاثیر دکھلائی تو ہے
گھنگروؤں کی جانب در کچھ صدا آئی تو ہے

عشق کے اظہار میں ہر چند رسوائی تو ہے
پر کروں کیا اب طبیعت آپ پر آئی تو ہے

آپ کے سر کی قسم میرے سوا کوئی نہیں
بے تکلف آئیے کمرے میں تنہائی تو ہے

جب کہا میں نے تڑپتا ہے بہت اب دل مرا
ہنس کے فرمایا تڑپتا ہوگا سودائی تو ہے

دیکھیے ہوتی ہے کب راہی سوئے ملک عدم
خانۂ تن سے ہماری روح گھبرائی تو ہے

دل دھڑکتا ہے مرا لوں بوسۂ رخ یا نہ لوں
نیند میں اس نے دلائی منھ سے سرکائی تو ہے

دیکھئے کب تک نہیں آتی گل عارض کی یاد
سیر گلشن سے طبیعت ہم نے بہلائی تو ہے

میں بلا میں کیوں پھنسوں دیوانہ بنکر اسکے ساتھ
دل کو وحشت ہو تو ہو کمبخت سودائی تو ہے

خاک میں دل کو ملایا جلوۂ رفتار سے
کیوں نہو اے نوجواں اک شان رعنائی تو ہے

یوں مروت سے تمہارے سامنے چپ ہو رہیں
کل کے جلسوں کی مگر ہمنے خبر پائی تو ہے

بادۂ گلرنگ کا ساغر عنایت کر مجھے
ساقیا تاخیر کیا ہے اب گھٹا چھائی تو ہے

جسکی الفت پہ بڑا دعویٰ تھا کل اکبر تمہیں
آج ہم جا کر اُسے دیکھ آئے ہرجائی تو ہے

کیا ہی رہ رہ کے طبیعت مری گھبراتی ہے
وہ بھی چپ بیٹھے ہیں اغیار بھی چپ میں بھی خموش
کیوں نہ ہوں اپنی لگاوٹ کی نظر پر نازاں
بزم عشرت کہیں ہوتی ہے تو رو دیتا ہوں

موت آتی ہے شب ہجر نہ نیند آتی ہے
ایسی صحبت سے طبیعت مری گھبراتی ہے
جانتے ہو کہ دلوں کو یہ لگا لاتی ہے
کوئی گذری ہوئی صحبت مجھے یاد آتی ہے

رباعیات وقطعات وغیرہ

کھولی ہے زباں خوش بیانی کے لئے
آیا ہوں میں کوچۂ سخن میں اکبر
اٹھا ہے قلم گہر فشانی کے لئے
نظارۂ شاہد معانی کے لئے

تائید وصلح ملت و دیں کی کروں گا میں
ہوتا نہیں طبیب دوا سے دستکش
اہل زمانہ لاکھ ہنسیں مجھ غریب پر
سچ ہے اجل تو ہنستی ہے سعیٔ طبیب پر

جب لطف وکرم سے پیش آئے محبوب
جب مثل نسیم وہ گلے سے لگ جائے
اگلے رنجوں کو بھول جانا اچھا
مانند کلی کے پھول جانا اچھا

کیا تم سے کہیں جہان کو کیسا پایا
آنکھیں تو بے شمار دیکھیں لیکن
غفلت ہی میں آدمی کو ڈوبا پایا
کم تھیں بخدا کہ جن کو بینا پایا

اونچا نیت کا اپنی زینہ رکھنا
غصہ آنا تو نیچرل ہے اکبر
احباب سے صاف اپنا سینہ رکھنا
لیکن ہے شدید عیب کینہ رکھنا

غفلت کی ہنسی سے آہ بھرنا اچھا
اکبر نے سنا ہے اہل غیرت سے یہی
افعال مضر سے کچھ نہ کرنا اچھا
جینا ذلت سے ہو تو مرنا اچھا

رشوت ہے گلوئے نیکنامی کا چھرا
ہر چند کہ بے محل خوشامد ہے بری
عیاشی ہے بدی کے پھیلنے کا دھرا
گستاخ مگر خوشامدی سے بھی برا

گذرا ہے مری نظر سے سب کا جلوہ
کہتا ہے عجم عجم میں ہے جم موجود
سب سے بہتر ہے روز وشب کا جلوا
کہدو کہ عرب میں دیکھ رب کا جلوا

وفا میں ثابت قدم رہنے کی ترغیب

ہر چند محلِ انقلابات رہا
گھٹنے بڑھنے کا ہیچ در ذات رہا
چھوڑیں نہیں منزلیں قمر نے اپنی
ذی رتبہ و صاحبِ مقامات رہا

آزاد سے دیں کا گرفتار اچھا
شرمندہ ہو دل میں وہ گنہگار اچھا
ہر چند کہ زور بھی ہے اک خصلتِ بد
واللہ کہ بے حیا سے مکّار اچھا

بے پردہ کل جو آئیں نظر چند بیبیاں
اکبر زمیں میں غیرتِ قومی سے گڑ گیا
پوچھا جو اُن سے آپ کا پردہ وہ کیا ہوا
کہنے لگیں کہ عقل پہ مردوں کی پڑ گیا

انقلابِ جہاں کو دیکھ لیا
حبِ دنیا سے قلب پاک ہوا
کل کلی کھل کے ہو گئی تھی پھول
پھول کمہلا کے آج خاک ہوا

تھا سر میں کمال۔ وہ تو سلطان بنا
تھا دل میں جمال وہ مسلمان بنا
لذت طلبی سے نفس رندی پہ جھکا
تھا پیٹ بہت حریص شیطان بنا

مذہب کو لیا تو بحث میں سر ٹوٹا
چاہی اصلاح تو خدا ہی چھوٹا
شکوہ ہم غیر کا کریں کیا اکبر
قسمت ہی نے ہمکو ہر طرح سے لوٹا

رسوا وہ ہوا جو مست پیمانہ ہوا
لپکا جو سوئے پردہ دیوانہ ہوا
انگلینڈ سے اپنا دل جو لایا نہ درست
محروم اُدھر اِدھر سے بیگانہ ہوا

کرمِ حق پہ رکھ نظر اپنی
جو عقیدہ ترا نہ ہو ڈھیلا
آسرا سب کا چھوڑ دے اکبر
وَتَبَتَّلْ اِلَیْہِ تَبْتِیْلا

مجلس میں خیالِ بادہ نوشی پایا
مکتب میں سرِ سخن فروشی پایا
مسجد میں اگرچہ امن تھا اے اکبر
لیکن اک عالمِ خموشی پایا

کہنے کو تو شاہ سب ہیں مہاراج ہیں سب
مالکِ دولت سکے۔ مالکِ تاج ہیں سب
لیکن کھولو جو چشمِ تحقیق اکبر
بے بس ہیں سب۔ خدا کے محتاج ہیں سب

جلوۂ ارض و سما دکھلا کے ہے پھر بھی چپ
بحث اسکی ذات میں کیوں کر رہا ہے فلسفی
لاالٰہ اور قل ہو اللہ کہکے پیغمبر بھی چپ
ایسے ایسے چپ ہیں یہ ہوتا نہیں اسپر بھی چپ

لا مذہبی سے ہو نہیں سکتی فلاح قوم
کعبے سے بت نکالدیئے تھے رسول نے
ہرگز گذر سکینگے نہ ان منزلوں سے آپ
اللہ کو نکال رہے ہیں دلوں سے آپ

کامل کم ہیں اور اہل ارشاد بہت
ہے بزم سخن کا حال یہ اے اکبر
ساحر کم ہیں ملینگے صیاد بہت
شاعر کم ہیں مگر ہیں استاد بہت

بندوں نے بھلا دیا ہے وہ عہد الست
کیا زید و بکر پہ معترض ہوتا ہے
نافہمی و حرص میں ہیں اکثر بدمست
اک گور پرست ہے تو اک زر پرست

پیری آئی ہوئی جوانی رخصت
ہے اب تو اسی کا انتظار اے اکبر
ساتھ اسکے وہ لطف زندگانی رخصت
ہمکو بھی کرے جہان فانی رخصت

تری معین فقط ہے خدا کی ذات اے دوست
طلب مدد کی نہیں ان سے جو ہیں خود محتاج
خدا گواہ کہ یہی ہے بات اے دوست
طلب مدد کی ہے بالصبر والصلوٰۃ اے دوست

تحریک ضرورت معیشت سے ہے بہت
خالق کے جمال کا تو سودا کم ہے
خرقے کو بھی اب خیال خلعت ہے بہت
اللہ کے نام کی تجارت ہے بہت

دنیا کرتی ہے آدمی کو برباد
دو ہی چیزیں ہیں بس محافظ دل کی
افکار سے رہتی ہے طبیعت ناشاد
عقبیٰ کا تصور اور اللہ کی یاد

حق نے جنھیں دی ہے فہم قرآن مجید
بدلے سو رنگ انقلاب دنیا
ہونے کے نہیں وہ پیر گردوں کے مرید
ہر حال میں انکو ہے خدا ہی سے امید

کس نماندست کہ در بیشۂ شیر کارے بکند
تیغ گیرد بہ کف و فتح دیارے بکند
ایں زماں ہمت مرداں ہمہ محدود است
زنے از پردہ بروں آید و کارے بکند

چھوڑ دہلی لکھنؤ سے بھی نہ کچھ امید کر
نظم میں بھی ہو عطا آزادی کی اب تائید کر

ل اشارہ طرف کلمۂ طیبہ لا الٰہ الا اللہ کے

صادق ہے روشن ہے اور ہے صاحبِ سوز و گداز
شاعری میں بس تو اب شیخ کی تقلید کر

فرمان اجل کا آگیا وقتِ صدور
دیکھیں منکر نکیر کیا کہتے ہیں
ہو جائے گی کوئی دم میں شانِ اہل قبور
یاں سب مجھے کہتے ہیں خدا داد و غفور

دیکھئے اکبر کے آج کچھ اشعار
تجربہ خود بنے گا واعظِ دیں
آئی ہے حالت پسند ہے گفتار
لیکن اعداد ازخرابی بسیار

بے سود ہے یہ شکوہ و لفاظی و سیر
چلئے ابجد سے رب بستر کہکر
افسوس ہے خلوص و تلطف ہیں غیر
ہو سکتی ہے تب امید تمدن بخیر

منکر ہیں شرع کے جو یہ اہل غرور
ہے فہم و خرد کا تم کو دعویٰ یہ کہو
اک آدمی پوچھتا نہیں ان سے ضرور
پیدا ہوا مادّے سے کیونکر یہ شعور

سید صاحب سکھا گئے ہیں جو شعور
سوتوں کو جگا دیا انھوں نے لیکن
کہتا نہیں تھمتے ہیں کہ ہو اس سے نفور
اللہ کا نام لیکے اٹھنا ہے ضرور

لیجاؤں لحد میں اپنا اسلام بخیر
اسلام سے جسنے بیوفائی کی ہے
لکھیں یارب ملک مرا نام بخیر
پایا نہیں میں نے اسکا انجام بخیر

ہو علم اگر نصیب تعلیم بھی کر
اللہ عطا کرے جو عظمت تجھکو
دولت جو ملے تو اسکو تقسیم بھی کر
جو اہل ہیں اسکے انکی تعظیم بھی کر

یہ تھی غلطی دیا جو معبود کو چھوڑ
بزمِ ملت کا عافیت جو ہے اگر
اصلاح یہ ہے نمودِ بے سود کو چھوڑ
اللہ کے آگے جھک اچھل کود کو چھوڑ

کہدو کہ میں خوش ہوں رکھو گر آپکو خوش
سیکھوں ہر علم و فن مگر فرض یہ ہے
بجلی چمکاؤں اور کروں بھاپ کو خوش
ہر حال میں رکھوں اپنے ماں باپ کو خوش

بیسود ہے گنج و مال و دولت کی تلاش
اکبر تو سرورِ طبع کو علم میں ڈھونڈھ
ذلت ہے دراصل جاہ و شوکت کی تلاش
محنت میں کر سکون و راحت کی تلاش

ایک انگریزی مورخ کہتا ہے کہ یہ مسئلہ ڈاروِن کی سمجھ میں نہیں آیا۔

غالب انساں پہ خود پسندی ہے فقط
ہر ذرہ دھر سے یہ آتی ہے صدا
مذہب کیا ہے گروہ بندی ہے فقط
نعمت ہے اگر تو عقلمندی ہے فقط

ہے ماہِ صیام کی نہایت تعریف
نااہلوں کو یہ کبھی لگتا نہیں مُنہ
بے شبہ یہ ہے مہذب و پاک لطیف
کہتے ہیں اسی سبب سے رمضاں کو شریف

تکمیل میں اُن علوم کے ہو مصروف
لیکن تم سے امید کیا ہو کہ تمہیں
نیچر کی جو طاقتوں کو کردیں مکشوف
عہدہ مطلوب ہے وطن ہے مالوف

دیکھا مناظرہ کا بہت اسنے رنگ ڈھنگ
کہتے بہت صحیح تھے یہ حضرتِ مذاق [له]
اکبر کے دل میں اب نہ رہی بحث کی اُمنگ
ایماں برائے طاعت و مذہب برائے جنگ

اہل حرص و طمع جو ذلیل ہوتے ہیں اُن پر طعن

ہے حرص و ہوس کے فن کی مجھکو تکمیل
ہیں نفس کی خواہشیں بہت مجھکو عزیز
غیرت نہیں میری بزم دانش میں دخیل
جب چاہیں کریں خوشی سے مجھکو وہ ذلیل

بے غیرت و خود فروش و جاہل سے نہ مل
یکبار کردیں حوادثِ دھر اگر
حق سے جو ہو غافل ایسے غافل سے نہ مل
جائز ہے کہ اُن سے ملِ مگر دل سے نہ مل

دل ہو جو وسیع اور روشن ہو خیال
ساری دنیا ہے اسکو پیاری اکبر
ہر رنگ دکھائے تجھکو خالق کا جمال
کہتا ہے کم آل جسکو حاصل ہے کمال

جب علم گیا تو شوقِ عزت معدوم
مسجد سے یہ آئی گوشِ اکبر میں صدا
دولت رخصت تو ذوقِ زینت معدوم
مذہب جو مٹا تو زور ملت معدوم

خواہانِ علم نہ طالبِ گنج ہیں ہم
لغزش ہو کوئی تو دوست فرمائیں معاف
بے کینہ و بے ریا و بے رنج ہیں ہم
آزاد ہیں مست ہیں سخن سنج ہیں ہم

انوار اس دور کے دل افروز ہیں کم
ہر چرب زباں نہیں ہے شمعِ اخلاص
گویا کہ شبیں بہت ہیں اور روز ہیں کم
جلنے والے بہت ہیں دلسوز ہیں کم

له عالیجناب نواب احمد حسین خاں بہادر تعلقہ دار پریاواں سے

come All

اب تک کوئی بہتری تو ظاہر نہ ہوئی
شاید کہ یہی ترقی قومی ہے
گذرے جاتے ہیں ہم پہ سال و مہ و یوم
ہر شخص بجائے خود بنا ہے اک قوم

رکھو جو مقابل اسکے سارا عالم
اس اک ذرّے میں ہے ہماری کیا اصل
دنیا بخدا ہے ایک ذرّے سے بھی کم
نا فہم ہیں کر رہے ہیں نا حق ہم ہم

مخلوط کرو نہ نفس و شکم کو بہم
جو بھوک لگے زباں کو وہ ٹھیک نہیں
گو نفس نے بھی لیا ہے شکم سے جنم
نافع وہ طعام ہے کہ طالب ہو شکم

پڑتا ہے بتوں سے ساعتِ چند کا کام
اللہ سے ہر نفس کا رہتا ہے لگاؤ
تمہید میں اسکی دولت و عمر تمام
دشوار ہے نفس پر عبادت کا کام

علم و حکمت میں ہو اگر خواہش فہم[1]
شادی نہ کر اپنی قبلِ تحصیل علوم
سرکار کی نوکری کو ہرگز نہ کر ایم[2]
بت ہو کہ پری ہو خواہ وہ ہو کوئی میم

بھولے جاتے ہیں ہسٹری بھی اپنی
ہے دولت و جاہ بھی کمی پر ہر روز
مذہب کو بھی ضعیف پاتے ہیں ہم
ظاہر یہ ہے کہ مٹتے جاتے ہیں ہم

اس بزم سے سب کے سب اٹھے جاتے ہیں
اک قوتِ مذہبی عقیدوں سے تھی
تسکیں کے جو تھے سبب اٹھے جاتے ہیں
وہ بھی تو دلوں سے اب اٹھے جاتے ہیں

گر جیب میں زر نہیں تو راحت بھی نہیں
گر علم نہیں تو زور و زر ہے بے کار
بازو میں سکت نہیں تو عزت بھی نہیں
مذہب جو نہیں تو آدمیت بھی نہیں

دنیا سے میل کی ضرورت ہی نہیں
درپیش ہے منزلِ عدم اے اکبر
مجھکو اس کھیل کی ضرورت ہی نہیں
اس راہ میں ریل کی ضرورت ہی نہیں

توحید انکے دلوں میں محفوظ نہیں
اس فرقۂ نو کو میں نے دیکھا اکبر
اللہ کے ذکر سے یہ محظوظ نہیں
اسلام ان کی نظر میں ملحوظ نہیں

تجھکو بھی جہاں میں کچھ شرف ہے کہ نہیں
کوئی طاقت تری طرف ہے کہ نہیں

[1] شہرت۔ [2] مقصود

داخل ہے نمازیوں میں یا فوج میں ہے
آخر تیری بھی کوئی صف ہے کہ نہیں

وہ رنگِ کہن تمہارے عاشق میں نہیں
اچھا ہوا اب وہ طرزِ سابق میں نہیں
الفت ثابت کرو عمل سے صاحب
واللہ کو دخل سیری منطق میں نہیں

اردو میں جو سب شریک ہونے کے نہیں
اس ملک کے کام ٹھیک ہونے کے نہیں
ممکن نہیں شیخ امرء القیس بنیں
پنڈت جی والمیک[1] ہونے کے نہیں

کہا احباب نے یہ دفن کے وقت
کہ ہم کیونکر وہاں کا حال جانیں
لحد تک آپ کی تعظیم کر دی
اب آگے آپ کے اعمال جانیں

دلکش نہیں وہ حسیں جسے شرم نہیں
رونق نہیں اسکی جسکا دل گرم نہیں
سختی میں بھی ہو گداز طینت جو ہو صاف
پگھلی ہے برف گو کہ وہ نرم نہیں

سمجھے جو کوئی تبرا یہ مضموں نہیں
کوئی پہلو خلاف قانون نہیں
ہر چند کہ یہ فقرے چکھاتا ہے بہت
شیطاں کا کوئی شخص ممنون نہیں

وہ غیرت ہیں وہ صبر وہ ایمان ہیں کہاں
حسنِ عمل کے دلمیں وہ ارماں ہیں کہاں
اک غل مچا ہوا ہے کہ مسلم ہیں خستہ حال
پوچھے ذرا کوئی کہ مسلماں ہیں کہاں

الفت اور ادب نہیں تو انسان نہیں
بے صبر و سکوں جو ہو تو ایمان نہیں
جو چیز خدا کو مانتا ہو قادر
اکبر بخدا کہ وہ مسلمان نہیں

بیخود ہیں وہ جو دل سے ہیں اللہ کے خواہاں
ہیں مست نگاہِ بتِ دلخواہ کے خواہاں
آسودہ ہیں علم و ہنر و فن میں جو ہیں محو
چکر میں ہیں بس جاہ کے اور شاہ کے خواہاں

ہے صبر و قناعت اک بڑی چیز اکبر
لذت ابھی اسکی تو نے چکھی ہے کہاں
دنیا طلبی کے وعظ میں محو ہے تو
یہ بھی تو ذرا سمجھ کہ رکھی ہے کہاں

مشکل ہے یہ حالتیں سہی جاتی ہیں
پھانسیں ہیں کہ قلب میں رہی جاتی ہیں
تفصیل نہ پوچھ ہیں اشارے کافی
یوں نہیں یہ کہانیاں کہی جاتی ہیں

[1] سنسکرت کا ایک بڑا مصنف

گردن خالق کے آگے جھکتی ہی نہیں
ہوتی نہیں ان میں کچھ بھی غیرت پیدا
اب ابتری سے یہ قوم رکتی ہی نہیں
اور بات اکبر کی ہے کہ چکھتی ہی نہیں

چغلیاں اک دوسرے کی وقت پر جڑتے بھی ہیں
ہندو و مسلم ہیں پھر بھی ایک اور کہتے ہیں ہیچ
ناگہاں غصہ جو آجاتا ہے لڑ پڑتے بھی ہیں
ہیں نظر آپس کی ہم ملتے بھی ہیں لڑتے بھی ہیں

اوروں کی کہی ہوئی جو دہراتے ہیں؛
خود سوچ کے حسب حال مضمون نکال
وہ فونوگراف کی طرح گاتے ہیں
انساں یونہیں ترقیاں پاتے ہیں

کہنے سننے کی گرم بازاری ہے
ایسا سنئے کہ کہنے والا ابھرے
مشکل ہے مگر اثر پرائے دل میں
ایسی کہئے کہ بیٹھ جائے دل میں

لفظوں کے چمن بھی اسمیں کھل جاتے ہیں
دل کو مطلق نہیں ترقی ہوتی
بیساختہ قافیے بھی مل جاتے ہیں
تعریف میں سر اگرچہ ہل جاتے ہیں

خاطر مضبوط دل توانا رکھو
ہو جائینگی مشکلیں تمہاری آسان
امید اچھی خیال اچھا رکھو
اکبر اللہ پر بھروسا رکھو

اعمال کے حسن سے سنورنا سیکھو
مرنے سے مفر نہیں ہے جب اے اکبر
اللہ سے نیک امید کرنا سیکھو
بہتر ہے یہی خوشی سے مرنا سیکھو

تہذیب وہ ہے کہ رنگ مذہب بھی ہو
تزئین وہ ہے کہ خاکساری بھی ہو ساتھ
آزاد وہ ہے کہ جو مؤدب بھی ہو
اسپیچ وہ ہے کہ اسمیں یارب بھی ہو

اللہ کا صدق دل سے جو طالب ہو
ہرگز نہ بڑھیں گے اُس سے نیچر کے مرید
حیرت نہیں گر ملک کا ہم قالب ہو
ممکن نہیں جسم روح پر غالب ہو

بھولتا جاتا ہے یورپ آسمانی باپ کو
برق گر جائیگی اک دن اور اُڑ جائیگی بھاپ
بس خدا سمجھا ہے اسنے برق کو اور بھاپ کو
دیکھنا اکبر بچائے رکھنا اپنے آپ کو

اسلام ہی کو بس اپنی ملت سمجھو
بیگانہ روش میں اپنی ذلت سمجھو

جو اسکے خلاف رائے رکھے اکبر
خاموش رہو سمجھ کی قلّت سمجھو

جس بات میں تم شکستِ ملّت سمجھو
اُسمیں شرکت کو اپنی ذلّت سمجھو
جو بندۂ نفس ہو مخالف اس کا
قومی غیرت کی اُسمیں قلّت سمجھو

کچھ منع نہیں ہر اک کی تحریر پڑھو
لیکن قرآن کی بھی تفسیر پڑھو
عظمت دنیا کی جب دبائے دل کو
خالق کا کرو خیال تکبیر پڑھو

حاصل کرو علم طبع کو تیز کرو
باتیں جو بری ہیں اُنسے پرہیز کرو
قومی عزّت ہے نیکیوں سے اکبر
اسمیں کیا ہے کہ نقل انگریز کرو

دُنیا سے دنی کی یہ ہوس جانے دو
گلچیں ہو اگر تو خار و خس جانے دو
مالک کے بغیر گھر کی رونق نہیں کچھ
اللہ کو اپنے دلمیں بس جانے دو

شیطان واعظ ہے پنبہ در گوش رہو
غالب ہے اُسکی بات خاموش رہو
بدلا پاتا ہوں مجلسِ دھر کا رنگ
مستی کی ہوس نہ ہو تو بیہوش رہو

کہتا ہوں میں ہندو و مسلماں سے یہی
اپنی اپنی روش پہ تم نیک رہو
لاٹھی ہے ہولے دھر پانی بن جاؤ
موجوں کی طرح لڑو مگر ایک رہو

اے جد بزرگ کے نواسو پوتو
تزئیں کو نہ کرو زیبیں جو تو
کیا رٹتے ہو اپنی ہسٹری کو ہر وقت
اللہ مدد کرے گا ویسے ہو تو

شہوات کی پیروی کا منصوبہ نہ ہو
دولت تری خادمہ ہو محبوبہ نہ ہو
شہرت جو کمال سے ہو پیدا ہو جائے
لیکن بہ تکلفات مطلوبہ نہ ہو

لوگ ہنستے ہیں جب پیش آتی ہے یہ حالت کبھی
من ترا حاجی بگویم تو مرا حاجی بگو
لیکن اخلاقی نظر میں اس سے تو بہتر ہے وہ
من ترا پاجی بگویم تو مرا پاجی بگو

ہوتی ہے نصیب تلخ کامی تم کو
محسوس نہیں ہے اپنی خامی تم کو
اغیار نہیں بنا سکے تم کو غلام
ہے اپنے ہی نفس کی غلامی تم کو

تدبیر کریں تو اُس میں ناکامی ہو — تقدیر کا نام لیں تو بدنامی ہو
القصہ عجیب ضیق میں ہیں ہندی — یورپ کا خدا کہاں ہے جو حامی ہو

مغوی کو بھی بد نہ کہئے ترغیب ہے یہ — کس سے میں کہوں کہ دل کی تخریب ہے یہ
شیطاں کو رجیم کہدیا تھا اک دن — اک شور مچا خلاف تہذیب ہے یہ

ہے عقلِ بشر بھی تابعِ حکمِ خدا — بیفائدہ سب ہیں بحث و تقریریں یہ
تدبیر کے باب میں ہے انگوٹھا یہ — کہدو **اکبر** کہ جزوِ تقدیر ہے یہ

مرد کو چاہیئے قائم رہے ایمان کے ساتھ — تا دمِ مرگ رہے یادِ خدا جان کے ساتھ
میں نے مانا کہ تمہاری نہیں سنتا کوئی — شر ملانا تمہیں کیا فرض ہے شیطان کے ساتھ

مسکیں ہو گدا ہو یا ہو **شاہ** ذیجاہ — بیماری و موت سے کہاں کس کو پناہ
آہی جاتا ہے زندگی میں اک وقت — کرنا پڑتا ہے سب کو اللہ اللہ

خوبی طاعت کی ہے مسلّم اب بھی — عزت اسکی نہیں ہوئی کم اب بھی
خود بین و حریص و جنگجو ہو نہ اگر — واقف کی نظر میں ہے مکرم اب بھی

رغبت جو دلائی وسعت مشرب کی — شامل اسمیں غرض تھی بیشک سب کی
لیکن تبدیل وضع۔ و نقل مناخ کی — ہے بعض کی بات اور اپنے ہی مطلب کی

مذہب ہے گم ترقی یورپ کے سامنے — معذور خاکسار بھی ہے اور جناب بھی
لیکن وہ آفتاب ہے اور یہ ہے مثلِ ابر — ابر غلیظ سے ہے نہاں آفتاب بھی

راحت کا سماں بندھا تو غفلت بھی ہوئی — حسرت کا کھنچا جو سین عبرت بھی ہوئی
دنیا میں جسے جو پیش آیا **اکبر** — بس اسکے مطابق اسکی حالت بھی ہوئی

تحصیل علوم کرکہ دولت ہے یہی — اخلاق درست کرکہ زینت ہے یہی
اکبر کی یہ بات یاد رکھ اے عشرت — محفوظ ہو معصیت سے عزت ہے یہی

تسبیح و دعا میں جسنے لذت پائی — اور ذکر خدا سے دلنے راحت پائی

کوئی نہیں خوش نصیب اُس سے بڑھکر
بس دونوں جہان کی اُسنے نعمت پائی

روزی ملجائے مال و دولت نہ سہی
راحت ہو نصیب شان و شوکت نہ سہی
گھر بار میں خوش رہیں عزیزوں کے ساتھ
دربار میں باہمی رقابت نہ سہی

رازِ بتِ شوخ کی خبر ہی نہ ملی
دل کیا ملتا کبھی نظر ہی نہ ملی
کیا وصل کا حوصلہ کریں پیش رقیب
جن کو اس وقت تک کمر ہی نہ ملی

کمیٹیوں سے نہ ہوگا کچھ بھی غرض اگر مشترک نہ ہوگی
خیالِ ملت نہ ہوگا جبتک مفید ہرگز یہ پاک نہ ہوگی
بہت بجا نوٹ لکھ گئے ہیں یہ اپنی پوتھی میں بھائی نانک
غذا نہ ہوگی تو کیا جیوگے دیا کرو تم ہزار ٹانک

خواہش ہے اگر تجھے غنی بننے کی
دولت کی ہوس ہے اور دھنی بننے کی
شخصی حالت کو چھوڑ کر اے ہندی
کوشش لازم ہے کمپنی بننے کی

گو کہ رک سکتی نہیں یہ نقل وضعِ مغربی
پھر بھی کامل طور پر ممکن نہیں ہم قالبی
اپنی تاریخ اپنی ملت سے رہو تم باوفا
بندگی تم کو مبارک صاحبوں کو صاحبی

دیکھے جو حوادث سماوی ارضی
قائم کرلیں ہیں تونے باتیں فرضی
بھولا ہے خدا کو تو ذرا غور تو کر
زندہ رکھتی ہے تجھکو کس کی مرضی

وہ شوکت و شان زندگانی نہ رہی
غیرت کی حرم میں پاسبانی نہ رہی
پردہ اُٹھا تو کھل گیا اے اکبر
اسلام میں اب وہ لن ترانی نہ رہی

حصہ حریص کا ہے بیدینی و غلامی
قانع کے واسطے ہے اعزاز و نیکنامی
محنت ہی کے لئے ہے تفریحِ قلب و روزی
مقبول دوستاں ہے اکبر کی خوش کلامی

ہر ایک کو نوکری نہیں ملنے کی
ہر باغ میں یہ کلی نہیں کھلنے کی
کچھ پڑھ کے تو صنعت و زراعت کو دیکھ
عزت کے لئے ہے کافی اے دل نیکی

بارہا جوشِ جنوں میں مجھے آیا ہے خیال
کہ تماشا ہے یہ ہنگامہ نیکی و بدی
قطرِ عشق میں ہے زندگی و موت اکبر
اضطرابِ نفس چند و سکونِ ابدی

یہ زینت دنیا ہے کہ مٹی پہ ہے پنہج
گوشِ شنوا ہو تو سنو اُسکے ترانے

بچوں کے سوا کون ہوا اسکا متمنی
اس بزم میں کب ساز نہیں کوئی مُغنّی

اس عہد میں یہی ہے بس داخل نکوئی
شوقِ عمل نہیں ہے فکر اجل نہیں ہے

مذہب پہ نکتہ چینی ملّت کی عیب جوئی
ناصح بنے ہیں اکثر عابد نہیں ہے کوئی

منظور اسے دل ہماری عرضی ہوگی
اس دورِ فنا میں ہوگی لیکن جو بات

اُسوقت کہ جب حسن ادا کی مرضی ہوگی
وہ صرف برائے نام و فرضی ہوگی

تاثیر ہوا سے باغ ہستی نہ گئی
ہوتے ہی رہے جمال دلکش پیدا

صورت کی ادا نظر کی مستی نہ گئی
طبع انساں سے بت پرستی نہ گئی

سوچو کہ آگے چلکر قسمت میں کیا لکھا ہے
ہشیار رہ کے پڑھنا اس جال میں نہ پڑنا

دیکھو گھروں میں کیا تھا اور آج کیا رہا ہے
یورپ نے یہ کہا ہے یورپ نے وہ کہا ہے

رکتا نہیں انقلاب چارہ کیا ہے
تسکیں کے لئے مگر ہے کافی یہ خیال

حیراں ہیں ملک بشر بچارا کیا ہے
جو کچھ ہے خدا کا ہے ہمارا کیا ہے

غنچہ رہتا ہے دل گرفتہ پہلے
کہتی ہے نسیم آکے رازِ فطرت

رنگِ چمنِ فنا سے گھبراتا ہے
سنتے ہی پیامِ دوست کھل جاتا ہے

ہنگامۂ شکر و شکوہ دنیا میں ہے گرم
کھلتا نہیں راز دہر شکوہ سے ہے تو یہ

لیکن مرے دل سے یہ صدا آتی ہے
اور شکر یہ ہے کہ موت آجاتی ہے

انساں یا ہمت ہے دلوں کو ملا سکے
ہم تو اسی کو علم سمجھتے ہیں کام کا

یا کوئی شے مفید خلائق بنا سکے
پڑھنے کو مستعد ہیں جو کوئی پڑھا سکے

تو نے دل دہر سے ملا رکھا ہے
کیا خود زندہ ہے اپنی طاقت سے تو

قائم غفلت کا سلسلہ رکھا ہے
آخر کس نے تجھے جلا رکھا ہے

قرآں میں ہمیں خدا نے سمجھایا ہے

شیطاں نے فلسفے میں الجھایا ہے

قسمت اب دیکھئے ہے دل کی اکبر
معلوم نہیں کہ یہ کدھر آیا ہے

دنیا نے دین کو بھلا رکھا ہے
غفلت کی نیند میں سلا رکھا ہے
اس دور میں خوش نصیب وہ ہی اکبر
جس نے قرآں کو کھلا رکھا ہے

ہر حال میں بہر روح انسب وہ ہے
اللہ و رسول کا بھی مطلب وہ ہے
قرآں کو غور سے پڑھو اور سمجھو
اکبر بخدا کہ جان مذہب وہ ہے

سنہ ۱۸۷۶ء

کلچر سے ہے نہ کچھ خیالات سے ہے
تہذیب سے ہے نہ ترک عادات سے ہے
اکبر بخدا یہ کامیابی تمہاری
تقدیر سے اور بلا اتفاقات سے ہے

دنیا ہے دنی محلّ آفات بھی ہے
فکر روزی محلّ اوقات بھی ہے
طرہ پھر اسپہ یہ کہ مرنا بھی ضرور
جیتا رہے آدمی تو آلات بھی ہے

انسان میں معتبر لیاقت بھی ہے
محسوب اس وزن میں وجاہت بھی ہے
انداز سخن سے بھی ہے اندازۂ طبع
اک جزو قوی مگر شرافت بھی ہے

دولت وہ ہے جو عقل و محنت سے ملے
لذت وہ ہے کہ جو صحت سے ملے
ایماں کا ہو نور دل میں وہ راحت ہے
عزت وہ ہے جو اپنی ملت سے ملے

آپس میں موافق رہو طاقت ہے تو یہ ہے
دیکھو نہ بہم عیب محبت ہے تو یہ ہے
صحت بھی ہو روزی بھی ہو دل کو بھی ہو تسکیں
دنیا میں بشر کے لئے نعمت ہے تو یہ ہے

حاسد تجھ پر اگر حسد کرتا ہے
کر صبر کہ خود وہ کار بد کرتا ہے
اپنی پستی کو کر رہا ہے محسوس
اور تیری بلندیوں سے کد کرتا ہے

انیسا طِ نفس الگ ہے۔ روح کا وجد اور ہے
دشت وحشت اور ہے اور وادی نجد اور ہے
ہو جو باطن کی ترقی تجھ کو منظورِ نظر
یاد رکھ اکبر تکیہ اور ہے مسجد اور ہے

ارماں نہ شراب و ترنم شاہد کا ہے
ساماں محافل و مساجد کا ہے

اکبر کو ہے اُس کُنج تنہائی سے
دھیان اُسکو فقط خدائے واحد کا ہے

کچھ شک نہیں کہ خلق سے ملنا ضرور ہے
جو اس سے اختلاف کرے حق سے دور ہے
لیکن خدا کے واسطے خلق خدا سے مل
سمجھے گا اس کو وہ کہ جو اہل شعور ہے

انساں جو عمر ختم کر چکتا ہے
خوش ہو چکتا ہے آہ بھر چکتا ہے
فانی دُنیا کا دیکھ لیتا ہے رنگ
زندہ جو رہا بھی وہ تو مر چکتا ہے

سنئے حکمت جو میری گفتار میں ہے
اک حدِ ادب ہر ایک سرکار میں ہے
پروانے نے شمع سے لپٹنا چاہا
پہلے تھا نور میں اور اب نار میں ہے

شیطاں سے دلکو ربط ہو جاتا ہے
دشوار انسان کو ضبط ہو جاتا ہے
حد سے جو سوا ہو حرص یا خود بینی
اکثر ہے یہی کہ خبط ہو جاتا ہے

جسکو خدا سے شرم ہے وہ ہے بزرگ دیں
دُنیا کی جسکو شرم ہے مرد شریف ہے
جسکو کسی کی شرم نہیں اسکو کیا کہوں
فطرت میں وہ رذیل ہے دل کا کثیف ہے

اللہ کا حق اگر تلف ہوتا ہے
اسکے لئے کون سر بکف ہوتا ہے
دُنیا طلبی میں ہے یہ ہنگامہ و شور
حاصل پھر اس سے کیا شرف ہوتا ہے

خلقت جو کہیں ذلیل ہو جاتی ہے
بے غیرت و بے دلیل ہو جاتی ہے
گو جسم میں ظاہرا توانائی ہو
اخلاق میں وہ علیل ہو جاتی ہے

دنیا کو بہت ذلیل پایا میں نے
بے غیرت و بے دلیل پایا میں نے
اخلاقی پہلوؤں سے جانچا اکبر
شدت سے اُسے[1] علیل پایا میں نے

افسوس سفید ہو گئے بال ترے
لیکن ہیں سیاہ اب بھی اعمال ترے
تو زلفِ بتاں بنا ہوا ہے اب تک
دُنیا پہ ہنوز پڑتے ہیں جال ترے

ہیں وعدہ خالقِ دو عالم سچے
قرآں سچا رسول اکرم سچے
اے منکرِ دیں قیامت آنی ہے ضرور
کہدینگے وہاں کہ دیکھ لے ہم سچے

[1] یہ بصیغۂ جمع چاہیے۔

جب واقعاتِ اصلی پیشِ نظر نہ آئے
الفاظ نے سنور کر اپنے قدم جمائے
شاعر نے کام رکھا تحسین و آفریں سے
نیچر نے کی گذارش رخصت ہوئیں یہیں سے

ایسے بھی ہیں خلق جنکو فرعون کہے
ہیں نام بنام تمسے کہتا اکبر
ایسے بھی جنھیں محمد و عون کہے
نازک ہے مگر معاملہ کون کہے

ہرچند کہ کوٹ بھی ہے پتلون بھی ہے
لیکن یہ میں تجھ سے پوچھتا ہوں ہندی
بنگلہ بھی ہے پاٹ بھی ہے صابون بھی ہے
یورپ کا تری رگوں میں کچھ خوں بھی ہے

دولت بھی ہو فلسفہ بھی ہو جاہ بھی ہو
سب سے قطع نظر ہے مشکل لیکن
لطفِ حُسنِ بتانِ دلخواہ بھی ہے
اتنا سمجھے رہو کہ اللہ بھی ہے

مذہب کی کہوں تو دل لگی میں اُڑ جائے
باقی سرِ قوم میں ابھی ہے کچھ ہوش
مطلب کی کہوں تو پالسی میں اُڑ جائے
غالب ہے کہ یہ بھی اس صدی میں اُڑ جائے

اصلی مقصود چاہیئے پیشِ نظر
فرہاد پہاڑ پر عمل کرتا تھا
کوشش تری گو ہو لطفِ ذاتی کے لئے
شیریں کے لئے کہ ناشپاتی کے لئے

مذہب قانون و قوم کا بانی ہے
توہیں اک دوسرے کی کرتے ہیں جو لوگ
خالص طاعت عمرِ ہیچ روحانی ہے
یہ جہل ہے یا ہوائے نفسانی ہے

ہمدرد ہوں سب یہ لطف آبادی ہے
تسکین ہے جب کہ ہو خدا پر تکیہ
ہمسایہ بھی ہو شریک تب شادی ہے
قانون بنا سکیں تب آزادی ہے

آگاہ ہوں معنیِ خوش اقبالی سے
شرطیں عزت کی اور ہیں اکبر
واقف ہوں بنائے رتبۂ عالی سے
چلتا نہیں کام صرف نقالی سے

ایمان دو حواس و حق پرستی کیا ہے
لاریب یہ سب ہے ایک ہستی کا ظہور
یہ غفلت و کفر و جوشِ مستی کیا ہے
مجھ سے نہ پوچھ پھر وہ ہستی کیا ہے

جینا تھا جسقدر ہمیں دنیا میں جی لئے
ساغر کی طرح کے ملے اور پی لئے

غم کبھی رہا خوشی کبھی تحسینِ کبھی فکر کبھی
جاتے ہیں اب کہ آئے تھے ہم بس اسی لئے

لیاقت وہ ہے با اثر جو سلطانی ہے
تعلیم وہ خوب ہے جو سکھلائے ہنر
اُس حیا سے ہی چاہیئے جہاں زرافشانی ہے
اچھی وہ تربیت جو روحانی ہے

انسان چاہیے جو بات - اچھی چاہیے
شیطاں سے وہ فلاسفی ہے منسوب
بدیوں سے محترز ہو - نیکی چاہیے
جسکا مطلب ہے - کر وہ جو جی چاہیے

پاکیزگئے نفس کی دشمن سے ہے
شیطاں کی ہے پرائیوٹ سکریٹری
انساں کو خراب کرنیوالی شئے ہے
مسلم اور اسکو منہ لگائے ہے ہے

یہ دربار ہے خالقِ دو جہاں کا
نہ سمجھو کہ حاضر نہیں حق تعالےٰ
ادب اپنا سکہ بٹھائے ہوئے ہے
یہ عالم خود آنکھیں جھکائے ہوئے ہے

اوہام کے ہاتھ سے نہ ایذا سہئے
ہے پیشِ نگاہ جلوۂ ارض و سما
بندوں کے نہیں خدا کے ہوکر رہیئے
سبحان اللہ جوشِ دل سے کہئے

چیخے - چلّائے - کودے - اُچھلے - کھلے
حالت تو وہی ہے بلکہ اُس سے بد تر
ہر پھر کے وہیں رہے جہاں تھے پہلے
یوں منہ سے جو جسکے دلمیں آئے کہلے

غلط فہمی بہت ہر عالم الفاظ میں اکبر
یہ روشن ہو کہ پروانہ ہے اُسکا عاشقِ صادق
بڑی مایوسیوں کے ساتھ اکثر کام چلتا ہے
مگر کہتی ہے خلقت شمع سے پروانہ جلتا ہے

تعلیم کبھی پائی سب کے پیارے بھی رہے
لیکن جو یہ نورِ طبع پایا نہ گیا
دُنیا کو کبھی خوش کیا ہمارے بھی رہے
پھر کیا تم عرش کے جو تارے بھی رہے

پیسز یعنی قطعات

جلوۂ دربار دہلی

سر میں شوق کا سودا دیکھا — دہلی کو ہم نے بھی جا دیکھا
جو کچھ دیکھا اچھا دیکھا — کیا بتلائیں کیا کیا دیکھا

نظم ہے مجھ کو بادۂ صافی — شغل یہی ہے دل کو کافی
مانگتا ہوں یاروں سے معافی — خیر اب دیکھئے لطف قوافی

جمنا جی کے پاٹ کو دیکھا — اچھے ستھرے گھاٹ کو دیکھا
سب سے اونچے لاٹ کو دیکھا — حضرت ڈیوک کناٹ کو دیکھا

پلٹن اور رسالے دیکھے — گورے دیکھے کالے دیکھے
سنگینیں اور بھالے دیکھے — بینڈ بجانے والے دیکھے

خیموں کا اک جنگل دیکھا — اس جنگل میں منگل دیکھا
برمہا اور ورنگل دیکھا — عزت خواہوں کا دنگل دیکھا

سڑکیں تھیں ہر کمپ سے جاری — پانی تھا ہر پمپ سے جاری
نور کی موجیں لمپ سے جاری — تیزی تھی ہر جمپ سے جاری

کچھ چہروں پر مردی دیکھی — کچھ چہروں پر زردی دیکھی
اچھی خاصی سردی دیکھی — دل نے جو حالت کر دی دیکھی

ڈالی میں نارنگی دیکھی — محفل میں سارنگی دیکھی
بیرنگی بارنگی دیکھی — دہر کی رنگا رنگی دیکھی

اچھے اچھوں کو بھٹکا دیکھا
منہ کو اگرچہ لٹکا دیکھا
بھیڑ میں کھاتے جھٹکا دیکھا
دل دربار سے اٹکا دیکھا

ہاتھی دیکھے بھاری بھرکم
زریں جھولیں نور کا عالم
ان کا چلنا کم کم تھم تھم
میلوں تک وہ چم چم چم چم

پر تھا پہلوئے مسجد جامع
کوئی نہیں تھا کسی کا سامع
روشنیاں تھیں ہر سو لامع
سب کے سب تھے دید کے طامع

سرخی سڑک پر گھٹتی دیکھی
آتشبازی چھٹتی دیکھی
سانس بھی بھیڑ میں گھٹتی دیکھی
لطف کی دولت لٹتی دیکھی

چوکی اک چوکھی دیکھی
ہر سو نعمت رکھی دیکھی
خوب ہی چاکھی پکھی دیکھی
شہد اور دودھ کی مکھی دیکھی

ایک کا حصہ من و سلوا
ایک کا حصہ بھیڑ اور بلوا
ایک کا حصہ تھوڑا حلوا
میرا حصہ دور کا جلوا

اوج برٹش راج کا دیکھا
رنگ زمانہ آج کا دیکھا
پرتو تخت و تاج کا دیکھا
رخ کرزن مہراج کا دیکھا

پہونچے پھاند کے سات سمندر
حکمت و دانش ان کے اندر
تحت میں ان کے بیسیوں بندر
اپنی جگہ ہر ایک سکندر

اوج بخت ملاقی ان کا
محفل ان کی ساقی ان کا
چرخ ہفت طباقی ان کا
آنکھیں میری باقی ان کا

ہم تو ان کے خیر طلب ہیں
ان کے راج کے عمدہ ڈھب ہیں
ہم کیا ایسے ہی سب کے سب ہیں
سب سامان عیش و طرب ہیں

انگریزیشن کی شان انوکھی
ہر شے عمدہ ہر شے چوکھی

اُقلیدس کی ناپی جو کھی
من بھر سونے کی لاگت سو کھی

جشنِ عظیم اس سال ہوا ہے
روشن ہر اک بال ہوا ہے
شاہی فورٹ میں بال ہوا ہے
قصۂ ماضی حال ہوا ہے

ہے مشہور کوچہ و برزن
طائرِ ہوش تھے سب کے پرزن
بال میں ناچیں لیڈی کرزن
رشک سے دیکھ رہی تھی ہر زن

بال میں چمکیں آ کے یکایک
محو تھا ان کا اوج سما تک
زریں تھی پوشاک جھکا جھک
چرخ پہ زہرہ اُن کی تھی گاہک

گو رقاصۂ اوجِ فلک تھی
اندر کی محفل کی جھلک تھی
اسمیں کہاں یہ نوک پلک تھی
بزمِ عشرت صبح تلک تھی

کی ہے یہ بندش ذہن رسا نے
سنتے ہیں ہم تو یہ افسانے
کوئی مانے خواہ نہ مانے
جس نے دیکھا ہو وہ جانے

خدا جانے کہا کسنے یہ کسدن عقلِ مسلم سے
کہ مشرق کو نظر آتا نہیں مغرب سے چھٹکارا

گئی دُنیا تو پھر ہم دین کو اب کیوں لگا رکھیں
بُرا معلوم ہوتا ہے مسائل کا یہ پشتارا

مضر ہیں مذہبی قیدیں مناسب ہے شکست انکی
مزاحم ہیں مگر یہ مولوی انکا نہیں چارا

وہ چھینٹے دیجئے اُنکو حکیمانہ طریقوں سے
کہ بجھ کر راکھ ہی ہو جائے مذہب کا یہ انگارا

چلے مقراض تدبیر ایسے پیچیدہ طریقوں سے
کہ جڑ کٹ جائے مذہب کی یہ گھر ہو منہدم سارا

عمل جاتا رہے بالکل فقط الفاظ رہ جائیں
اُنھیں بھی پست کر دے مغربی حکمت کا نقارا

ترقی پائیگی قوم آپ کی پھر دور گردوں ہیں
عجب کیا ہے کہ پھر بہنے لگے اقبال کا دھارا

قیامت کر گئی قومی ترقی گوشِ مسلم میں
لگا کہنے زہے نعمت اگر حاصل شود مارا

اگر آں شاہدِ مغرب بدست آرد دلِ مارا
بچشمِ مستِ او بخشیم تسبیح و مصلیٰ را

مصلے کو غرض تہ کر کے اُٹھا عابدِ مشرق
جو طاقت آ گئی تھی دلمیں اُس طاقت سے للکارا

ادھر تحریر و تقریر کا پیچ [illegible]
[illegible] مارا

نتائج پر نظر کب مردِ عاشق تن کی ہوتی ہے
وہ [illegible] تھی [illegible] گوارا

دو روزہ پالیسی نے اسطرح تقویت دیدی
ادھر [illegible]

ذرہ عہد سے تسبیح مشورے۔ وعدے [illegible]
وہ گئے [illegible] مارا

حواسِ ظاہری کے دام سے بچنا بہت مشکل
کہا [illegible] آتا را

وہ لوٹے۔ یہ گرے۔ وہ پھسلے۔ یہ چت اٹھکو غش آیا
نہ ایماں میں رہی طاقت نہ دل میں ضبط کا یارا

حریفانِ طرب آگیں نے چھیڑا سازِ عشرت کو
بچایا سب نے [illegible] ہوس سے [illegible]

بتوں کے عشق میں پڑ ہی چکے تھے عقل پر پتھر
مسوں کا بے تکلف چڑھ گیا ہر قلب پر پارا

غریبوں۔ درماندوں بیکسوں کے دل کی کیا ہستی
وہ حالت پیش آئی تھی کہ جس سے موم ہو خارا

نہ حالی کی سنا جاتوں کی پروا کی زمانے نے
نہ اکبر کی ظرافت سے رُکے یارانِ خود آرا

زبانِ حال سے فریاد تھی یہ اہلِ تمکیں کی
کرائے نظم جہاں را حافظ ولے عرش را دارا

فغانِ زریں سحر فن دلکش مسانِ آفتِ ایماں
چناں بردند صبر از دل کہ ترکاں خوانِ یغما را

ہوا سب کو تعجب کیوں ہوئیں یہ حالتیں پیدا
نہ تھا یہ مطلب سید کہ اس رُخ پر چلے دھارا

وہ پردے کے بڑے حامی تھے طاعت کے موید تھے
وہ خواہاں تھے کہ چمکے اوج پر اسلام کا تارا

حباب آسا جو آسانی سے ٹوٹا گنبدِ مذہب
تو کیا اقبال و عزت کا ادھر بہنے لگا دھارا

سنا سب کچھ مگر دیکھا جو بالآخر تو کیا دیکھا
وہی اینٹیں وہی پتھر وہی چونا وہی گارا

ادھر شیرازۂ قومی کو ہم ہیں توڑتے جاتے
اُدھر بازی حریفوں کی ہے ہاتھ انکے ہے پو بارا

نتیجے ہمنے خود آنکھوں سے دیکھے روزِ روشن میں
فلک نے سرکشوں کو خاکِ ناکامی پہ دے مارا

کہیں تحقیرِ مذہب کی کوئی تعظیم کرتا ہے
بجھا کر نورِ دل کو کب ہے چمکا بخت کا تارا

بہت ہے غفلت و ترکِ عمل دنیا میں مانا
عقیدہ اصل ہے لیکن وہ ہونا چاہیئے پیارا

مدارِ خیر خواہی ترکِ مذہب پر نہیں ہرگز
ہر اک نے دل سے انگلش کی ہر لائلٹی کا دم مارا

لہ خیر خواہی۔

نہ تھا یہ مطلب سارہ کہ اسمٰعیل کا قربہو
حریفانہ نہو انداز مطلب تھا یہی سارا

جب اپنی ہسٹری ہم بھول جائینگے تو کیا ہوگا
خدارا اک نظر اُس سین کا کرتے تو نظارا

صلواۃِ بے وضو سے رو رہی ہے اسطرف مسجد
اِدھر قرآنِ بے رغبت سے دل مذہب کا سیپارا

مشینیں چل رہی ہیں اور کسی کی کچھ نہیں چلتی
ادھر ہیں بے چھلے کُندے ادھر ہے برق وش آرا

خود اپنی قوم کی تحقیر کرنا اس کے کیا معنی
یہ کس جادو نے بچوں کو کیا خود بیں و خود آرا

کہیں اطفالِ ناداں ہیں کہیں پیرانِ بطاقت
یہ غوطے کھاتے ہیں قعر سے میں آتا ہے وہ بیچارا

یہ اخلاقی یہ روحانی بنائیں ٹوٹتی کیوں ہیں
یہ نفسِ مطمئنہ پہ ہوا کیوں غالب امّارا

یہ کس کُل کے بنیں گے جزو کھو کر اپنی ملّت کو
مگر ہاں اپنے بیلوں میں ملا لے کوئی بنجارا

ہمارے حکمراں تو چرچ میں سرگرم طاعت ہوں
تو ہم ہند سے پھریں کیوں دشت بیدینی میں آوارا

عمل مطلوب ہے بیشک مگر نور اپنا کیوں کھوئیں
زمانے کو ہے گردش ہم بنیں ثابت سے سیّارا

ہو الاول ہو الآخر یہ شہد روح پرور ہے
پھر و آزاد ہو کر یہ ہے بالو کا شکر پارا

بٹھایا کیوں نہیں جاتا یہ نقشِ جانفزا دل پر
کہ روحانی ترقی میں ہو لڑکا عرش کا تارا

بہت فکر اسکی ہے دن رات گو قومی بزرگوں کو
مگر کمزور یہ سوچیں اُدھر غفلت کا ہے دھارا

میں یہ پیچیدہ بحثیں پیش کرنے کو تھا آمادہ
کہ اتنے میں جنابِ حضرت حافظ نے للکارا

حدیث از مطرب و مے گو و راز دہر کمتر جو
کہ کس نکشود و نکشاید بحکمت ایں معمّا را

قدیم وضع پہ قایم رہوں اگر اکبر
تو صاف کہتے ہیں سیّد یہ رنگ ہے میلا

جدید طرز اگر اختیار کرتا ہوں
خود اپنی قوم مچاتی ہے شور و واویلا

جو اعتدال کی کہئے تو وہ ادھر نہ اُدھر
زیادہ حد سے دئے سب نے پاؤں ہیں پھیلا

اِدھر یہ ضد ہے کہ لمینڈ بھی چھو نہیں سکتے
اِدھر یہ دھن ہے کہ ساقی صراحیٔ مے لا

اِدھر ہے دفترِ تدبیر و مصلحت ناپاک
اُدھر ہے وحیِ ولایت کی ڈاک کا تھیلا

غرض دو گونہ عذابست جان مجنوں را
بلائے صحبتِ لیلیٰ و فرقتِ لیلیٰ

یہ تسبیح و تکبیر و حمد و دعا
بہ نورِ دلِ بندگانِ خدا

یہ پلٹن کے گورے ہر اتوار کو
سجاتے ہیں گرجا کے دربار کو

اگر یہ کہو ہیں وہ بالکل وحوش
تو دیکھو کہ عابد ہیں حضرت لیٹوش

جب اڈورڈ ہفتم ہوئے تھے علیل
تو کی قوم نے یادِ ربِّ جلیل

کمی کی نہ اسٹیٹ میں خرچ میں
دعائیں ہوئیں دھوم سے چرچ میں

وہ جنرل کہ دبتی تھی جس سے زمیں
ہیں گرجا میں راکع مع الراکعیں

ہوئے جنگ سے زار اندیشہ ناک
گرے سجدہ میں پیش اللہ پاک

سرِ بادشاہان گردن فراز
بدرگاہِ او بر زمینِ نیاز

ہمنشیں کہتا ہے کچھ پروا نہیں مذہب گیا
میں یہ کہتا ہوں کہ بھائی یہ گیا تو سب گیا

نیشنل فیلنگ تو ہم میں کبھی تھی ہی نہیں
اتحادِ دین فقط باقی رہا تھا اب گیا

ہے عقیدوں کا اثر اخلاقِ انساں پر ضرور
اُس جگہ کیا چیز ہوگی وہ اثر جب دب گیا

پیٹ میں کھانا زباں پر کچھ مسائل ناتمام
قوم کے معنی گئے اور روح کا مطلب گیا

منقلب ہوتے ہیں پیہم طالب العلموں کے گروہ
کورس بھی رخصت ہوا اُس کا زمانہ جب گیا

اتحادِ معنوی اُن میں برائے نام ہے
دیکھتے ہو اک گروہ اک راہ ہو کر کب گیا

بعد ازیں کیا حشر ہوگا یہ تو سوچو دوستو
جو اُٹھا بہرِ ہلاکِ ملّت و مشرب گیا

اِس سے نفرت اِن کو !! یعنی مستقل تازی زباں
حیف !! مسلم سے خیالِ مبنیِ مذہب گیا

مجلسِ دنیا میں کس صفت کے بنو گے مستحق
دور ہو الارڈ سے اوپر تو یارب گیا

نوکری کے باب میں وہ پالسی قائم نہیں
ہوش میں آؤ وہ رنگِ روز و رنگِ شب گیا

ہم یہی کہتے ہیں صاحب سو چلو انجام کار
دوسرا پھر کیا ٹھکانا ہے اگر مذہب گیا

اک بعثت چھپی ہے لندن سے جو بیاہ کے لائے مفاعیلن
احباب نے تیرِ مطاعن سے انکے دل کو مجروح کیا

باپ انکے یہ بولے کشتی مری ۔ واللہ ڈبو دی ہائے غضب
اس لڑکے نے صحبت بد پاکر یہ کار ابن نوح کیا

تعلیم کو میں نے بھیجا تھا تزویج کی اس نے ٹھہرائی
ممدوح تو بننا بھول گیا بس اپنے تئیں منکوح کیا

لڑکے نے جواب میں عرض کیا اے قبلہ کعبہ سنئے تو
یہ کون برائی میں نے کی جو فاتح کو مفتوح کیا

بسانِ خود فروش آخر فرستادند ایں بلہا
طلب کردند زر چندانکہ خوں افتاد در دلہا

نشاطِ طبع برہم شد شکست آں رنگ محفلہا
الا یا ایہا الساقی ادر کاساً و ناولہا

کہ عشق آساں نمود اول ولے افتاد مشکلہا

ادھر بے علم دیں ہے نور ایماں قلب سے زائل
ادھر کالج کا بیڑا پار کرنے پر ہے دل مائل

ادھر ہے نوکری دشوار چکر میں ہے ہر سائل
شب تاریک و بیم موج و گردابے چنیں حائل

کجا دانند حالِ ما سبکبارانِ ساحلہا

نہ قیدِ شرع باقی ہے نہ آزادی کی ہے کچھ حد
نہیں کچھ گفتگو اس باب میں یہ نیک ہے یا بد

بزرگوں کا بھی فتویٰ ہے کہ پڑھ قانون سرسیدؔ[^1]
بمے سجادہ رنگیں کن گرت پیرِ مغاں گوید

کہ سالک بےخبر نبود زراہ و رسم منزلہا

کہاں کی پیش بینی جب طبیعت ہی نہ تھی حاضر
مقیم دیر تھے دلچسپ تھی بزم بت کافر

نہ تھا کچھ پاسِ ایماں دل کی تھی مدِ نظر خاطر
ہمہ کارم ز خود کامی بہ بدنامی کشید آخر

نہاں کے ماند آں رازے کزو سازند محفلہا

جو ہونا چاہتا ہے بہرین جا ماہ نو حافظ
نہ کر آرام رہ راہِ طلب میں تیز رو حافظ

لگائے رہ اسی سے رات دن تو اپنی لو حافظ
حضوری گر ہمی خواہی از و غافل مشو حافظ

متی ما تلق من تہوی دع الدنیا واہملہا

آئینہ لفظ خدا ہے بیسیوں مفہوم کا
اور از انجملہ مرادف ہے یہ نامعلوم کا

[^1]: ۵۱ اگرچہ اختلافِ حرکت قافیہ اساتذہ کے یہاں ہے مگر یہاں میں سرسید سے قافیہ نہیں ملا سکا۔

سب کا حصہ قوت حالت کے لائق ہے یہاں
بس یہی مطلب تو ہے لے دے باب مقصود کا

پیر و مرشد نے کیا قوم میں تحسین پیدا
وہ یہ سمجھے تھے کہ ہو جائیگا جوبن پیدا

وہ تو پیدا نہ ہوا ہاتھ سے لڑکوں کے مگر
ہو چلے دین کی ایذا میں روزان پیدا

پستیِ قوم کے جب آ گئے دن اے اکبر
اور پیچھے وہ جو نہیں ہوتے عقل کے دشمن پیدا

دین کیا چیز ہے شیرازۂ قومی ہے فقط
جس سے ملت کی ہے اک دوت ان پیدا

آج ہوتا نہیں اسکا ضرر انکو محسوس
ہو رہے ہیں ابھی کچھ لالہ و سوسن پیدا

بالیقیں آئیگا اس باغ پہ ایسا اک وقت
کر چلیں گی روشیں نشتر و سوزن پیدا

صورتِ برگِ خزاں دیدہ پھرینگے اڑتے
نہ بہار آئیگی پھر ہوگا نہ گلشن پیدا

باپ کے خون سے ہوگی جو حمیت زائل
ہونگے اطفال بھی بے غیرت کودن پیدا

کاہ کی طرح سے اڑ جائینگے دینی اعمال
اختلافات کے ہو جائینگے خرمن پیدا

ظلمتِ جہل سے گھر جائینگے دلکے اطراف
سینوں میں ہو نہ سکینگے دل روشن پیدا

کون کہتا ہے کہ انگلش کا نہ ہو دلسے مطیع
کون کہتا ہے نہ کر الفت ولسن پیدا

کون کہتا ہے تکلف سے نہ کر زیست بسر
کون کہتا ہے نہ کر وضع میں جوبن پیدا

کون کہتا ہے کہ تو علم نہ پڑھ عقل نہ سیکھ
کون کہتا ہے نہ کر حسرت لندن پیدا

بس یہ کہتا ہوں کہ ملت کے معانی کو نہ بھول
راہ قومی کا تو خود ہی نہ ہو رہزن پیدا

قوم قوم آٹھ پہر سنتے ہیں ہم قوم کہاں
تار باقی نہیں تو کرتا ہے دامن پیدا

مذہبی شاخ فقط ہے تری قومی ہستی
یہ جو ٹوٹی تو نہیں کوئی نشیمن پیدا

کچھ گھروندا نہیں بیٹھک کہ بنالیں لڑکے
فطرتی طور پہ خود ہوتی ہے بیٹھن پیدا

سلف رسپکٹ کا پھر یاد رہے گا نہ سبق
پھر نہیں ہونے کی یہ بحث تو دمن پیدا

بزم تہذیب سے ہو جائینگے قطعاً خارج
حس ہی باقی نہ رہیگا کہ ہو شیون پیدا

بے شک نئی روشنی سے بہتر ہے کہیں
انساں کے لئے کرسچین ہو جانا

یزداں کا خیال تو دلاتا ہے وہ دیں | ہے کفرِ صریح اہرمن ہو جانا
مرشد کہتے ہیں تو ہے ناداں اے دوست | بات اور ہے صاحبِ سخن ہو جانا
میری چالیں بھی ہیں اُسی کی تمہید | سکھلاتے ہیں پہلے بے دہن ہو جانا
ساکت کردے گی اُن کو جب بے علمی | آسان ہوگا اُدھر وطن ہو جانا

۱۸۷۷ء

سید سے آج حضرتِ واعظ نے یہ کہا | چرچا ہے جا بجا ترے حالِ تباہ کا
سمجھا ہے تو نے نیچر و تدبیر کو خدا | دل میں ذرا اثر نہ رہا لا الٰہ کا
ہے تجھ سے ترکِ صوم صلوٰۃ و زکوٰۃ و حج | کچھ ڈر نہیں جنابِ رسالت پناہ کا
شیطاں نے دکھا کے جمالِ عروسِ مصر | بندہ بنا دیا ہے تجھے حُبِّ جاہ کا
اُسنے دیا جواب کہ مذہب ہو یا رواج | راحت میں جو مخل ہو وہ کانٹا ہے راہ کا
افسوس ہے کہ آپ ہیں دنیا سے بیخبر | کیا جانئے جو رنگ ہے شام و پگاہ کا
یورپ کا پیش آئے اگر آپ کو سفر | گذرے نظر سے حالِ رعایا و شاہ کا
وہ آب و تاب و شوکتِ ایوانِ خسروی | وہ محملوں کی شان وہ جلوہ سپاہ کا
آئے نظر علومِ جدیدہ کی روشنی | جس سے خجل ہو نورِ رخِ مہر و ماہ کا
دعوت کسی امیر کے گھر میں ہو آپ کی | کم سن مسوں سے ذکر ہو الفت کا چاہ کا
نوخیز دلفریب گُل اندام نازنیں | عارض پہ جن کے بار ہو دامن نگاہ کا
رُک گئے اگر تو حسن کے کہے اک بُتِ حسیں | وَل سولوی یہ بات نہیں ہے گناہ کا
اُسوقت قبلہ جھک کے کروں آپکو سلام | پھر نام بھی حضور جو لیں خانقاہ کا
پتلون و کوٹ و بنگلہ و بسکٹ کی دُھن بندھے | سودا جناب کو بھی ہو ٹرکی کلاہ کا
ممبر پہ یوں تو بیٹھکے گوشے میں اے جناب | سب جانتے ہیں وعظ ثواب و گناہ کا

گرمئ بحث میں انور نے یہ اکبر سے کہا | کہ رہِ احمدِ مرسل پہ تو قائم نہ رہا

رہ گئی ہے فقط اوہام پرستی تجھ میں — بادۂ جہل کی بس آگئی مستی تجھ میں

نہ مقاصد میں بلندی نہ خیالات صحیح — بحر عصیان و تعصب میں تو ڈوبا ہے صریح

سخت تا عاقبت اندیش ہیں شیخ و ملا — قوم برباد ہوئی حیائی ہے کھلم کھلا

کہا اکبر نے یہ الزام ہے بے شبہ درست — تو ہے مجھ سے بھی زیادہ مگر اس راہ میں سست

کبر و تزئین و تجمل سے تجھے ہے بس کام — دل میں انکار ہے اور لب پہ ہے نام اسلام

طاعت حق کی ترے قافلے میں گرد نہیں — نفس سرد نہیں ہے دل پُر درد نہیں

ہم اگر بیخبری سے جاتے ہیں خامی کی طرف — ترا میلان ہے الحاد و غلامی کی طرف

تو بھی اُس رنگ سے محروم ہے ہم بھی محروم — صادق آتا ہے یہی قول شہید مرحوم

اے صبا مایۂ سودا نہ تو داری و نہ من
بوئے آں زلف چلیپا نہ تو داری و نہ من

نامہ بنام اودھ پنچ [illegible]ء

اے گوہر مخزن ظرافت — وے جوہر معدن لطافت

سرمایۂ انبساط خاطر — تسکین دل و نشاط خاطر

دیباچۂ دفتر فصاحت — عنوان صحیفۂ بلاغت

خلاق معانیٔ طرب خیز — کشاف رموز عشرت انگیز

ہادی و ادیب و دانش آموز — گوہر افشاں و گوہر اندوز

زینت دہ شاہد تکلم — آئینۂ خندہ و تبسم

سرچشمۂ قول و وعظ و گفتار — گنجینۂ وعظ و پند و اسرار

اے فخر دہ زبان اردو — وے اوج دہ نشان اردو

رنگینی میں غیرت گلستاں — شوخی میں حریف برق تاباں

کیا خوب ہے نسخۂ اودھ پنچ — محبوب ہے نسخۂ اودھ پنچ

دن رات یہی ہیں اب تو چرچے — پڑھ جاتے ہیں دل کو اسکے پرچے

ہے خلق خدا قتیل اس کی — حاسد کا حسد دلیل اس کی

معقول مزاح ہے تو یہ ہے — شرعًا جو مباح ہے تو یہ ہے

ہر چند کہ زہر بیشتر ہے — گو فقرۂ طعن نیشتر ہے

لیکن وہ قند میں گھلا ہے — یہ آب حیات میں دھلا ہے

وہ شربتِ حفظِ عقل و ایماں — یہ مردہ دلوں کو ہے رگِ جاں

بگڑے ہوئے بن گئے ہنسی میں — حکمت ہے تو ایسی دل لگی میں

ہر کس کہ بدید گفت خوب است — بالله مفرّح القلوب است

رندوں کی زباں میں پند دلخواہ — سبحان اللہ واہ وا واہ

ہر چند کہ طرزِ پنچ لندن — بے شبہہ ہے دل پسند و پرفن

لیکن وہ نقشِ اولیں ہے — نسبت اس سے اُسے نہیں ہے

ماشاء اللہ یہ نقشِ ثانی — بہتر ہے بصورت و معانی

وہ پیرِ معمر و کہن سال — یہ خیر سے نونہالِ اقبال

وہ اک گلِ صد بہار دیدہ — یہ غنچۂ تازہ نودمیدہ

مولودِ سعیدِ مریمِ طبع — عیسیٰ دم و گوہرِ یمِ طبع

لطفِ شام اودھ ہے اس سے — روشن نام اودھ ہے اس سے

اک نور ہے مہرِ لکھنؤ کا — اختر ہے سپہرِ لکھنؤ کا

وہ سرد برنگ آتشِ گل — یہ گرم بیانِ آہِ بلبل

بحثِ مضموں میں وہ اگر پیچ — یہ حلِّ نکات میں ہے سر پیچ

واں بازوئے قاز سست بنیاد — یہاں خامۂ نیزۂ چمن زاد

کیسا خامہ زبانِ معنی — کیا ذکر زباں کہ جانِ معنی

اُٹھنے میں نگاہِ چشم جادو — چلنے میں حریف تیغ ابرو

مفتاح خزینۂ تصور — نقاشِ نگینۂ تصور

کہنا اسے شمع کب روا ہے — اوصاف میں شمع سے سوا ہے

وہ چہرہ نمائے بزم صورت — یہ پردہ برافگنِ حقیقت

ہر چند کہ سرمہ در گلو ہے — تاہم سرِ گرم گفتگو ہے

رعنا و لطیف و شوخ و بے باک — سرگرم و حریف و چست و چالاک

مشاطۂ شاہدِ معانی — بانی بنائے خوش بیانی

پیچیدگیوں میں حرف زن ہے — شانہ کشِ گیسوئے سخن ہے

آزادی کا فخر اُسے اگر ہے — یہاں فخر اس سے زیادہ تر ہے

یعنی کہ وہ مطلق العناں ہے — بے قید ہر ایک سو رواں ہے

وہاں طبع کو زور لاتخف ہے — دِقت تو جو ہے وہ اسطرف ہے

زنجیر خرد کی پائے بندی — باقاعدہ شرح درد مندی

تارِ نظر حسود بدکیش — ہر گام پہ مثل دام درپیش

کوتہ نظرانِ پست فطرت — سرگرم شرارت و عداوت

واں شاخ شجر پہ ہے ترانہ — یاں دیدۂ دام آشیانہ

کیونکر نہ ہو اِدعائے اعجاز — کھولے ہیں قفس میں بال و پرواز

کی سیر دو عالم اک نفس میں — پھر دیکھئے تو اسی قفس میں

دریا قطرے میں موج زن ہے — غنچے میں بہارِ صد چمن ہے

ہے نوکِ سناں پہ نقش پرداز — رقصاں دمِ تیغ پر بصد ناز

شعلوں کے ہجوم میں سمندر — امواج میں ماہی تو ہی پر ذ

کیا کثرتِ خار سے خطر ہے — یاں روشِ نسیم پر سفر ہے

پابندی کا کب ہے یاں تاسّف
یوسف زنداں میں بھی ہے یوسف

جلوہ ہے وہی وہی تجلّی
شوکت ہے وہی وہی تعلّی

پابند جو یوسفِ سخن ہے
پھیلی ہوئی بوئے پیرہن ہے

ہر رنگ میں ہے بہارِ معنی
ہر لفظ ہے پردہ دارِ معنی

ہر نقطہ ہے نکتۂ بصیرت
ہر حرف ہے کاشفِ حقیقت

صرصر کے جور سے بری ہے
یہ شاخ خزاں میں بھی ہری ہے

وہ مہرِ فلک سے منفعل ہے
یاں روشنیِ دماغ و دل ہے

دریوزہ گری پہ اُسکی اوقات
یہاں قطب صفتِ ثبات دن رات

جلنے آسیب کا تھا کھٹکا
اُن دیووں نے خوب سر کو پٹکا

غالب تھا اثر میں اسم اسکا
ٹوٹا نہ کبھی طلسم اس کا

ہوئے نہ جو رشک سے وہ بیچین
حسّاد بھی صاد کرتے بالعین

سنئے اک اور نکتۂ خوب
آزادیِ گفتگو ہے محبوب

لاتا ہوں دلیلِ شاعرانہ
دیکھو قدرت کا کارخانہ

منہ کے اندر زباں جڑی ہے
دانتوں کے حصار میں پڑی ہے

بتیس ۳۲ جواں سخت طینت
استادہ ہیں مائلِ اذیت

ہیں مثلِ سفید دیو بیباک
طامع جابر حریص سفّاک

حد سے جو بڑھے زبانِ گفتار
دوڑیں اُسے کاٹنے یہ خونخوار

پہلو میں جوان کے ہمنشیں ہو
وہ نوکِ خلال سے حزیں ہو

کتنا ہی وہ ہو ملائم و تر
دانا پستا ہے ان میں آکر

لوہے کے چنے کہاں سے لائیں
سختی کا اِنھیں مزا چکھائیں

اس قید میں جب کہ یہ زباں ہے
آزادیِ گفتگو کہاں ہے

باریک ہے گو یہ نکتہ اے دل
لازم ہے سمجھ لیں اس سے عاقل

مرضی تھی خدائے جسم و جاں کی
محدود ہوں شوخیاں زباں کی

دل میں جو آئے بک نہ جاؤ
ہشیار چلو بہک نہ جاؤ

دریائے خیال موج زن ہے
وقفِ یزدان و اہرمن ہے

ہے شارع عام حق و باطل
ناظر اسکی ہے فکرِ عاقل

گذرے جو خیال بد بلا کد
بازوئے خرد سے بس کرو رد

باطل پہ نہ جاؤ حق کو سن لو
کانٹوں کو ہٹا کے پھول چن لو

خاموش بس اے زبانِ خامہ
منظور نظر ہے ختم نامہ

ہرچند یہ عالمِ سخن ہے
یاں فیضِ ازل ضیا فگن ہے

ہر گوشے میں وسعتِ فلک ہے
ہر ذرہ میں مہر کی چمک ہے

ہر گام پہ ہیں چمن ہزاروں
ایک اک میں گلِ سخن ہزاروں

ہر برگِ گلِ سخن میں سو رنگ
ہر رنگ میں لاکھ لاکھ نیرنگ

نیرنگ ایسے کہ عقل حیراں
حیرت ایسی کہ نورِ عرفاں

ہر سمت ہزار میکدے ہیں
ہر ایک میں لاکھ خم بھرے ہیں

ہر خم میں شراب ارغوانی
یعنی رنگینیٔ معانی

اک قطرہ سے طبع ہو جو ممتاز
سینہ بن جائے مخزنِ راز

وہ راز کہ دل ہو محوِ مستی
مائل ہو سوئے سخن پرستی

ہو طول جو سلسلہ سخن کا
ہمسر ہو زلفِ پُرشکن کا

پر طول بیاں سے فائدہ کیا
اس صرف زباں سے فائدہ کیا

بس بس اب روک لے زباں کو
کافی ہے اشارہ نکتہ داں کو

ہو کر آمادہ جان و دل سے
ہو محو دعا زبان و دل سے

جب تک ہے رباعیِ عناصر — رنگینیِ نقشِ لوحِ خاطر
جب تک کہ یہ نظمِ بیتِ ہستی — موزوں ہے برائے خود پرستی
جب تک ہے مسدسِ جوانب — بُرہانِ مشارق و مغارب
جب تک کہ ہے روح کا لطیفہ — انفاس کا ہر نفس وظیفہ
یہ پرچہ دلفریب و زیبا — ہو مونسِ جانِ ناشکیبا
تحریک سے مس کو زر بنائے — ٹھہرے تو دل کو گھر بنائے
ہر جامے میں لاجواب نکلے — ہر رنگ میں انتخاب نکلے
ہو سوزِ دلِ یگانہ و غیر — بن جائے چراغِ کعبہ و دیر
جبتک کہ اثر ہے کاف و نوں کا — مفتوں ہو ہر ایک اس فسوں کا
پروانہ اسے چراغ سمجھے — بلبل دیکھے تو باغ سمجھے
خورشید کا نور جس طرف ہو — ذرّوں کی کشش اسی طرف ہو
اے حافظ و خالقِ اودھ پنچ — خوش دل رہیں عاشقِ اودھ پنچ
اپنی اپنی مراد پائیں — دیکھیں جسے دل کو شاد پائیں
ہر مشتری بلند فطرت — پائے دو رقم میں رفعت
محتاج ہو سیم کا نہ زر کا — مورد ہو بلندیِ نظر کا
احباب جو اس کے ہیں معاون — عالی منشانِ نیک باطن
ظرّاف مصنفِ لطائف — طبّاع و مصوّرِ کوائف
سرسبز ہوں گلشنِ جہاں میں — خرّم پھریں باغ و بوستاں میں
رنگیں طبعی سے گل کھلائیں — چشمِ بدبیں کو خوں رلائیں
پیدا ہوں وہ گوہرِ مضامیں — دریا کے ہو لب پہ شورِ تحسیں
بیساختہ یوں اٹھیں سخنور — اللہ رے طبع و فکرِ اکبر

(اودھ پنچ۔ سبحان اللہ سبحان اللہ)

گفتمش تارکِ مذہب شوم و خوش باشم — منصبے چند ہوس دارم و انعامے چند
خلق را فائدہ نیست ازیں جنگ و جدال — یک دعا ہست دریں محفلِ و دشنامے چند
گفت خاموش کہ دین است مدارِ ملت — ترک ایں راہ مکن از پئے خود کامے چند
عیبِ مذہب ہمہ گفتی ہنرش نیز بگو — نفیِ حکمت مکن از بہرِ دلِ عامے چند

سنہ ۱۹۰۷ء

برقِ کلیسا

رات اُس مِس سے کلیسا میں ہوا میں جو دوچار — ہائے وہ حسن وہ شوخی وہ نزاکت وہ اُبھار
زلف پیچاں میں وہ سج دھج کہ بلائیں بھی مرید — قدِ رعنا میں وہ چم خم کہ قیامت بھی شہید
آنکھیں وہ فتنۂ دوراں کہ گنہگار کریں — گال وہ صبحِ درخشاں کہ مَلک پیار کریں
گرم تقریر جسے سننے کو شعلہ لپکے — دلکش آواز کہ سُن کر جسے بلبل جھپکے
دلکشی چال میں ایسی کہ ستارے رک جائیں — سرکشی ناز میں ایسی کہ گورنر جھک جائیں
آتشِ حسن سے تقوی کو جلانے والی — بجلیاں لطفِ تبسم سے گرانے والی
پہلوئے حسنِ بیاں شوخیِ تقریر میں غرق — ٹرکی و مصر و فلسطین کے حالات میں برق
پیشگیا لوٹ گیا۔ دل میں سکت ہی نہ رہی — ثمر تھے تمکیں کے جس گت میں وہ گت ہی نہ رہی
ضبط کے عزم کا اُس وقت اثر کچھ نہ ہوا — یا حفیظ کا کیا ورد مگر کچھ نہ ہوا
عرض کی میں نے کہ اے گلشنِ فطرت کی بہار — دولت و عزت و ایماں ترے قدموں پہ نثار
تو اگر عہدِ وفا باندھ کے میری ہو جائے — ساری دنیا سے مرے قلب کو سیری ہو جائے
شوق کے جوش میں میرے جو زباں یوں کھولی — ناز و انداز سے تیوری کو چڑھا کر بولی
غیر ممکن ہے مجھے اُنس مسلمانوں سے — بوئے خوں آتی ہے اس قوم کے افسانوں سے
لن ترانی کی یہ لیتے ہیں نمازی بن کر — حملے سرحد پہ کیا کرتے ہیں غازی بن کر

کوئی بنتا ہے جو مہدی تو بگڑ جاتے ہیں — آگ میں کودتے ہیں توپ سے لڑ جاتے ہیں

گل کھلائے کوئی میداں میں تو اترا جائیں — پائیں ساماں اقامت تو قیامت ڈھائیں

مطمئن ہو کوئی کیونکر کہ یہ ہیں نیک نہاد — ہے ہنوز انکی رگوں میں اثرِ حکمِ جہاد

دشمنِ جبر کی نظروں میں لگاوٹ پائی — کامیابی کی دلِ زار نے آہٹ پائی

عرض کی میں نے کہ اے لذتِ جاں جنتِ روح — اب زمانے پہ نہیں ہے اثرِ آدم و نوح

شجرِ طور کا اس باغ میں پودا ہی نہیں — گیسوئے حور کا اس دور میں سودا ہی نہیں

اب کہاں ذہن میں باقی ہیں براق و رفرف — ٹکٹکی بندھ گئی ہے قوم کی انجن کی طرف

ہم میں باقی نہیں اب خالدِ جانباز کا رنگ — دل پہ غالب ہے فقط حافظِ شیراز کا رنگ

یاں نہ وہ نعرۂ تکبیر نہ وہ جوشِ سپاہ — سب کے سب آپ ہی پڑھتے ہیں سبحان اللہ

جوہرِ تیغِ مجاہد ترے ابرو پہ نثار — نورِ ایماں کا ترے آئینۂ رو پہ نثار

اٹھ گئی صفحۂ خاطر سے وہ بحثِ بد و نیک — دو دلے ہو رہے ہیں کہتے ہیں اللہ کو ایک

مسجدِ کوثر کی کہاں اب ہے مرے باغ کے گرد — میں تو تہذیب میں ہوں پیرِ مغاں کا شاگرد

مجھ پہ کچھ وجہِ عتاب آپ کو اے جاں نہیں — نام ہی نام ہے ورنہ میں مسلماں نہیں

جب کہا صاف یہ میں نے کہ جو ہو صاحبِ فہم — تو نکالو دلِ نازک سے یہ شبہہ یہ وہم

میرے اسلام کو اک قصۂ ماضی سمجھو
ہنس کے بولی کہ تو پھر مجھکو بھی راضی سمجھو

ڈالدے جان معانی میں وہ اردو یہ ہے — کروٹیں لینے لگے طبع وہ پہلو یہ ہے

ایک بوڑھا نحیف و خستہ و زار — اک ضرورت سے جاتا تھا بازار

ضعفِ پیری سے خم ہوئی تھی کمر — راہ بیچارہ چلتا تھا جھک کر

چند لڑکوں کو اس پہ آئی ہنسی — قد پہ پھبتی کمان کی سوجھی

کہا اک لڑکے نے یہ اس سے کہ بول — تو نے کتنے کو لی کماں یہ مول

پیر مرد لطیف و دانشمند
ہنسکے کہنے لگا کہ اے فرزند
ہو پہنچو گے میری عمر کو جس آن
مفت ملجائے گی تمہیں یہ کمان

میں نے اکبر سے کہا آیئے حجرے میں مرے
اس چٹائی پہ نمازیں پڑھیں حسب دستور
چھوڑیے آپ یہ ہنگامۂ تعلیم جدید
کاٹ ہی دیگا کسی طرح خداوند غفور
بولا جھنجھلا کے کہ ہے سہل جہنم مجھ پر
اسکی نسبت کہیں کالج میں ہوں احمق مشہور

انگلش ٹرس انور کا جو کلہ ترم میں دیکھا
اکبر نے کہا یہ تو خرابی کے ہیں آثار
معنی میں بھی ہو جائے گا آخر کو تغیر
تبدیلی صورت کے رہے گر یہی اطوار
خالق کی عبادت سے حجاب آنے لگے گا
شرماؤ گے کرتے ہوئے اسلام کا اظہار
بیگانہ وشی ہو گی عزیزانِ وطن سے
بنگلے میں نہاں ہو گے کہیں چھوڑ کے گھر بار
فاتح سے مساوات کی اٹھیں گی امنگیں
وہ زیست جو آساں تھی ہو جائیگی دشوار
آپس میں بھی تم لوگ موافق نہ رہو گے
ایک ایک کو دیکھے گا بہ اکراہ و بہ انکار
آخر کو رہو گے نہ ادھر کے نہ ادھر کے
انگریز بھی کھنچتے رہیں گے قوم بھی بیزار
انور نے کہا اصل علی واہ بہت خوب
شک اسمیں نہیں مدح کے قابل ہے یہ گفتار
لیکن جو یہ تعمیم ہے حضرت کے سخن میں
اسکو تو نہ تسلیم کرے گا یہ گنہگار
ہر مذہب و ملت میں ہیں اچھے بھی برے بھی
وہ کونسا فرقہ ہے کہ سب جسمیں ہوں ابرار
ملبوس و مکاں کا جو کیا آپ نے مذکور
اسکے بھی بجا ہونے کا مجھکو نہیں اقرار
باطن سے ہے اخلاقِ حمیدہ کا تعلق
فطرت میں جو ہے نیک وہ بد ہو گا نہ زنہار
اوضاعِ زمانہ تو بدلتے ہی رہیں گے
رکتی نظر آتی نہیں دنیا کی یہ رفتار
ہے جسکو ضرورت وہ ضرورت سے ہے مجبور
ہے شوق جسے کیوں نہ کیا جائے وہ مختار
مقصود جو اصلی ہے وہ ہے دل کی درستی
یا ہیٹ و اوورکوٹ ہو یا جبہ و دستار
مشتبہ مرے اس قول کی صحت میں اگر ہو
سن لیجئے سعدی کا یہ ارشاد گہر بار

حاجت بہ کلاہِ برکی داشتنت نیست — درویش صفت باش وکلاہ تتری دار

سنہ ۱۸۵۵ء

بہار آئی کھلے گل زیبِ صحن بوستاں ہو کر — عنادل نے مچائی دھوم سرگرم فغاں ہو کر
بچھا فرشِ زمرد اہتمام سبزۂ تر میں — چلی مستانہ وش بادِ صبا عنبر فشاں ہو کر
عروجِ نشۂ نشو و نما سے ڈالیاں جھومیں — ترانے گائے مرغانِ چمن نے شادماں ہو کر
بلائیں شاخِ گل کی لیں نسیم صبحگاہی نے — ہوئیں کلیاں شگفتہ روئے رنگینِ بتاں ہو کر
جوانانِ چمن نے اپنا اپنا رنگ دکھلایا — کسی نے یاسمن ہو کر کسی نے ارغواں ہو کر
کیا پھولوں نے شبنم سے وضو صحنِ گلستاں میں — صدائے نغمۂ بلبل اٹھی بانگِ اذاں ہو کر
ہوائے شوق میں شاخیں جھکیں خالق کے سجدے کو — ہوئی تسبیح میں مصروف ہر پتی زباں ہو کر
زبانِ برگِ گل نے کی دعا رنگیں عبارت میں — خدا سرسبز رکھے اس چمن کو مہرباں ہو کر

نگاہیں کاملوں پر پڑ ہی جاتی ہیں زمانے میں
کہیں چھپتا ہے اکبر پھول پتوں میں نہاں ہو کر

قطعہ

میں نے کہا بہت سی زبانیں ہوں جانتا — مدت تک امتحاں دیے امتحان پر
جرمن۔ فرنچ۔ لیٹن و انگلش پہ ہے عبور — ثابت مرا کمال ہے سارے جہان پر
اک شوخ طبع مس نے دکھائی زباں مجھے — بجلی تھی ابر میں کہ قمر آسمان پر
بولی رہو گے زیست کی لذت سے بے خبر — قدرت نہ پائی تم نے اگر اس زبان پر

ہوئی جو مجھ سے یہ فرمائشِ بتِ طنّار — کہ فنِ شعر میں تو آج ہے بہت ممتاز
لگا دے اس پہ کوئی مصرعہ حسین و نفیس — زمانہ با تو نسازد تو با زمانہ بساز
کہا یہ میں نے کہ ہے قیدِ حسن و خوبی کی — تو سن یہ شعر نشاط آور و نگاہ نواز
پہن لے سایہ مری جاں اتار کر پشواز — زمانہ با تو نسازد تو با زمانہ بساز

ناخوش جو ہوا میں اپنی بے قدری پر
اک ناز سے مسکرا کے بولی وہ مس
عزت کا تو کچھ بھی تجھ میں باقی نہیں وصف
افسوس کہ رہ گیا ہے تحقیر کا حس

خدا حافظ مسلمانوں کا اکبر
مجھے تو انکی خوشحالی سے ہے یاس
یہ عاشق شاہد مقصود کے ہیں
نہ جائینگے ولیکن سعی کے پاس
سناؤں تم کو اک فرضی لطیفہ
کیا ہے میں نے جسکو زیب قرطاس
کہا مجنوں سے یہ لیلیٰ کی ماں نے
کہ بیٹا تو اگر کرلے ایم۔ اے پاس
تو فوراً بیاہ دوں لیلیٰ کو تجھ سے
بلا دقت میں بنجاؤں تری ساس
کہا مجنوں نے یہ اچھی سنائی
کجا عاشق کجا کالج کی بکواس
کجا یہ فطری جوش طبیعت
کجا ٹھونسی ہوئی چیزوں کا احساس
بڑی بی آپ کو کیا ہو گیا ہے
ہرن پر لادی جاتی ہے کہیں گھاس
یہ اچھی قدردانی آپ نے کی
مجھے سمجھا ہے کوئی ہرچرن داس
دل اپنا خون کرنے کو ہوں موجود
نہیں منظور مغز سر کا آماس
یہی ٹھہری جو شرط وصل لیلیٰ
تو استعفا مرا باحسرت و یاس

اگرچہ پولیٹیکل بحث میں ہوے ہیں شریک
جناب پنڈت بے چندو بابو آشوتوش
مگر ہمیں تو ہے بالکل سکوت اس مد میں
سمجھا گئے ہیں یہ مضمون سید ذی ہوش
رموز مملکت خویش خسرواں دانند
گدائے گوشہ نشینی تو حافظا مخروش

اک مس سیمیں بدن سے کرلیا لندن میں عقد
اس خطا پر سن رہا ہوں طعنہ ہائے دلخراش
کوئی کہتا ہے کہ بس اس نے بگاڑی نسل قوم
کوئی کہتا ہے کہ یہ ہے بدخصال و بدمعاش
دل میں کچھ انصاف کرتا ہی نہیں کوئی بزرگ
ہو کے اب مجبور خود اس راز کو کرتا ہوں فاش
ہوئی تھی تاکید لندن جاؤ انگریزی پڑھو
قوم انگلش سے ملو سیکھو وہی وضع و تراش
جگمگاتے ہوٹلوں کا جا کے نظارہ کرو
سوپ و کاری کے مزے لو چھوڑ کر یخنی و آش

لیڈیوں سے مِل کے دیکھو اُنکے انداز و طریق
ہال میں ناچو کلب میں جا کے کھیلو اُنسے تاش

بادۂ تہذیبِ یورپ کے چڑھاؤ خُم کے خُم
ایشیا کے شیشۂ تقویٰ کو کر دو پاش پاش

جب عمل اسپر کیا پریوں کا سایہ ہو گیا
جس سے تھا دل کی حرارت کو سراسر انتعاش

سامنے تھیں لیڈیاں زہرہ وش جادو نظر
یاں جوانی کی اُمنگ اُور اُنکو عاشق کی تلاش

اِسکی چِتون سحر آگیں اُس کی باتیں دل رُبا
چال اِسکی فتنہ خیز اُسکی نگاہیں برق پاش

وہ فروغِ آتشِ رُخ جسکے آگے آفتاب
اس طرح جیسے کہ پیشِ شمع پروانے کی لاش

جب یہ صورت تھی تو ممکن تھا کہ اک برقِ بلا
دستِ سیمیں کو بڑھاتی اور یہ کہتا دور باش

دونوں جانب تھا رگوں میں جوشِ خونِ فتنہ زا
دل ہی تھا آخر نہیں تھی برف کی یہ کوئی قاش

باربار آتا ہے اکبر میرے دل میں یہ خیال
حضرتِ سیّد سے جا کر عرض کرتا کوئی کاش

درمیانِ قعرِ دریا تختہ بندم کردہٗ
باز میگوئی کہ دامن تر مکن ہشیار باش

۲۷ اگست ۱۸۹۱ء بمقام کانپور

بٹھائی جائینگی پردے میں بیبیاں کب تک
بنے رہو گے تم اس ملک میں میاں کبتک

حرم سرا کی حفاظت کو تیغ ہی نہ رہی
تو کام دینگی یہ چلمن کی تیلیاں کب تک

میاں سے بی بی ہیں پردا ہے اُنکو فرض مگر
میاں کا علم ہی اُٹھا تو پھر میاں کب تک

طبیعتوں کا نمو ہے ہوائے مغرب میں
یہ غیرتیں یہ حرارت یہ گرمیاں کب تک

عوام باندھ لیں دوہر کو تھرڈ و انٹر میں
سکنڈ و فرسٹ کی ہوں بند کھڑکیاں کبتک

جو منہ دکھائی کی رسموں پہ ہے مصر ابلیس
چھپینگی حضرتِ حوّا کی بیٹیاں کب تک

جنابِ حضرتِ اکبر ہیں حامیٔ پردہ
مگر وہ کب تک اور اُنکی رباعیاں کب تک

وہ سودی سخنگوے شیریں مقال
جو انگریزی شاعر تھا اک بے مثال

بفرمائش دختر باتمیز — کہ رکھتا ہے جسکو وہ دل سے عزیز

لکھی اسنے ہے نظم اک لاجواب — دکھائی ہے شکل روانی آب

جو بہتا ہے پانی میاں لوڈور — اُسی کا دکھایا ہے نقشہ بزور

مناسب جو انگلش مصادر ملے — لکھے تھے اُنکے سب سلسلے

یہ جمعیت افعال کی خوب کی — کہ دریا کی ہی ہے اور عجب ہی

یہ اصرار کرتے ہیں بھائی حسن — کہیں بھی ہوں اس بحر میں غوطہ زن

دکھاؤں روانی دریائے فکر — کہ گو ہر شناسوں میں ہو جسکا ذکر

عجب ہے نہیں اُنکی اسپر نظر — کجا میں کجا ساودی نامور

سوا اسکے ہیں اور بھی مشکلیں — نہیں سہل اس راہ کی منزلیں

مرے پاس سرمایہ کافی نہیں — وہ مصدر نہیں وہ قوافی نہیں

زباں میں نہ وسعت نہ ایسا مذاق — ادھر تو ہے کچھ اور ہی طمطراق

اگر ترجمہ ہو تو مطلب ہو خبط — معانی میں پیدا نہ ہو ربط و ضبط

موانع یہ ہیں جنسے ڈرتا ہوں میں — مگر خیر کچھ فکر کرتا ہوں میں

جو تھیں دقتیں کہہ چکا برملا — غرض دیکھئے اب یہ پانی چلا

اُچھلتا ہوا اور اُبلتا ہوا — اکڑتا ہوا اور مچلتا ہوا

یہ بہتا ہوا اور وہ بہتا ہوا — ٹپکتا ہوا اور جھپٹتا ہوا

روانی میں اک شور کرتا ہوا — رکاوٹ میں اک زور کرتا ہوا

پہاڑوں کے روزن میں کے مسام — یہ ہے کر رہا ہر طرف اپنا کام

ادھر پھولتا اور پچکتا اُدھر — رُخ اس سمت کرتا کھسکتا اُدھر

پہاڑوں پہ سر کو پٹکتا ہوا — چٹانوں پہ دامن جھٹکتا ہوا

وہ پہلوئے ساحل دباتا ہوا — یہ سبزہ پہ چادر بچھاتا ہوا

بھٹکتا ہوا غل مچاتا ہوا
وہ جل تھل کا عالم رچاتا ہوا

وہ گاتا ہوا اور بجاتا ہوا
یہ لہروں کو پیہم نچاتا ہوا

اِدھر جھومتا اور مٹکتا ہوا
اُدھر گھومتا اور اٹکتا ہوا

بپھرتا ہوا جوش کھاتا ہوا
بگڑ کر وہ کف منہ پہ لاتا ہوا

وہ اونچے سُروں میں عُروج کا راگ
وہ خود جوش میں آکے لاتا یہ جھاگ

سدھرتا ہوا اور سنورتا ہوا
تھرکتا ہوا رقص کرتا ہوا

اِدھر کو بجتا گنگناتا ہوا
اُدھر خود بخود بھبھتاتا ہوا

پلٹتا ہوا اور جھپٹتا ہوا
یہ پھٹتا ہوا وہ سمٹتا ہوا

سماتا ہوا اور پلٹتا ہوا
سرکتا ہوا اور ملتا ہوا

یہ گھٹتا ہوا اور وہ بڑھتا ہوا
اُترتا ہوا اور چڑھتا ہوا

یہ ہٹتا ہوا اور وہ بچتا ہوا
دباتا ہوا اور لپٹتا ہوا

پھسلتا ہوا ڈگمگاتا ہوا
لچکتا ہوا لڑکھڑاتا ہوا

وہ روئے زمیں کو چھپاتا ہوا
وہ خاکی کو سیمیں بناتا ہوا

گُل و خار یکساں سمجھتا ہوا
ہر اک سے برابر اُلجھتا ہوا

بہاتا ہوا اور بہتا ہوا
ہوا کے طمانچوں کو سہتا ہوا

لرزتا ہوا تلملاتا ہوا
بلکتا ہوا بلبلاتا ہوا

بلندی سے گرتا گراتا ہوا
نشیبوں میں بھرتا بھراتا ہوا

اُچکتا ہوا اور اُڑتا ہوا
اٹکتا ہوا اور مڑتا ہوا

وہ کھیتوں میں راہیں کترتا ہوا
زمینوں کو شاداب کرتا ہوا

یہ تھالوں کے گودوں کو بھرتا ہوا
وہ دھرتی پہ احسان دھرتا ہوا

یہ پھولوں کے گجرے بہاتا ہوا
وہ چکر میں بجرے پھنساتا ہوا

لپکتا ہوا دندناتا ہوا
چمکتا ہوا اور جھلکتا ہوا
ہواؤں سے موجیں لڑاتا ہوا
تڑپتا ہوا جگمگاتا ہوا
یونہیں الغرض ہے یہ پانی رواں

اُمنڈتا ہوا سنسناتا ہوا
سنبھلتا ہوا اور چھلکتا ہوا
حبابوں کی فوجیں بڑھاتا ہوا
شعاعوں کا جوبن دکھاتا ہوا
بس اب دیکھ لیں شاعرِ نکتہ داں

وہ سودے کا سیلانِ آب لوٹ دور
یہ بحرِ خیالات اکبر[۱] کا زور

برق و بخارات کا زور رائے حکیم
تار پہ جاتے نہیں اہلِ نظر

کعبہ ہے پئے روح رہِ مستقیم
ریل سے کھنچتا نہیں قلبِ سلیم

سب جانتے ہیں علم سے ہے زندگی روح
بے علم و بے ہنر ہے جو دنیا میں کوئی قوم
تعلیم اگر نہیں ہے زمانے کے حسبِ حال
سید کے دل میں نقش ہوا اس خیال کا
صدمے اٹھائے رنج سہے گالیاں سنیں
دکھلادیا زمانہ کو زورِ دل و دماغ
نیت جو تھی بخیر تو برکت خدا نے دی
سرمایہ میں کمی تھی سہارا کوئی نہ تھا
آخر اٹھا سفر کو وہ مردِ خجستہ پے
قسمت کی رہبری سے ملی منزلِ مراد
حالت دکھائی اور ضرورت بیان کی
رحم آگیا حضور کو حالت پہ قوم کی

بے علم ہے اگر تو وہ انسان ہے ناتمام
نیچر کا اقتضا ہے رہے بن کے وہ غلام
پھر کیا امید دولت و آرام و احترام
ڈالی بنائے مدرسہ لے کر خدا کا نام
لیکن نہ چھوڑا قوم کے خادم نے اپنا کام
بتلادیا کہ کرتے ہیں یوں کرنے والے کام
کالج ہوا درست بصد شان و احتشام
سید کا دل تھا در پئے تکمیلِ انتظام
احباب چند ساتھ تھے ذی علم و خوش کلام
فرماں روائے ملکِ دکن کو کیا سلام
خوبی سے التماس کیا قوم کا پیام
پھر کیا تھا موج زن ہوا دریائے فیضِ عام

[۱] اصل کھوگئی ہے لڑکوں کے غلط نقلوں کے بعض اجزا بہم پہونچے اُن سے یہ نقل لکھی گئی ۲۶ دسمبر ۹۱ء

ماہانہ دو ہزار کیا اک ہزار سے / امید سے زیادہ عطا تھی یہ لا کلام
اکبر کی یہ دعا ہے خدا کی جناب میں / تا حشر اس رئیس و ریاست کو ہو قیام
کیا وقت پر ہوئی ہے کہ بے احتیاج فکر / تاریخ اپنی آپ ہے فیاضی نظام ۱؎

کہا کسی نے یہ سید سے آپ اے حضرت / نہ پیر کو نہ کسی پیشوا کو مانتے ہیں
نہ آپ عالم برزخ سے مانگتے ہیں مدد / نہ فاتحے کے طریق ادا کو مانتے ہیں
نظر تو کیجیے اس بات پر جو ہیں ہندو / بہ صدق خلوص ہر اک دیوتا کو مانتے ہیں
بہت وہ ہیں جو عناصر پرست ہیں دل سے / وہ آگ پوجتے ہیں یا ہوا کو مانتے ہیں
کرسچین بھی فدائی ہیں نام مریم کے / بدل مسیح علیہ الثنا کو مانتے ہیں
خود آپ ہی میں جو ہیں شیعیان با تمکیں / وہ اہل بیت کو آل عبا کو مانتے ہیں
وہ لوگ جو ہیں ملقب بہ صوفیان کرام / فدا قبور پہ ہیں اولیا کو مانتے ہیں
مرادیں مانگتے ہیں لوگ پاک روحوں سے / کسی بزرگ کو یا مقتدا کو مانتے ہیں
پھر آپ میں یہ ہوا کیا سما گئی ہے کہ آپ / نہ دستگیر نہ مشکل کشا کو مانتے ہیں
جواب اُنھوں نے دیا ہم ہیں پیرو قرآں / ادب ہر اک کا ہے لیکن خدا کو مانتے ہیں
سند حجازی ہے ایاک نستعین اے دوست / اُسی یگانہ حاجت روا کو مانتے ہیں
اُسی کا نام زباں پر ہے حی اور قیوم / اُسی کی قدرت بے انتہا کو مانتے ہیں
یہ بوئے شرک ہی ہے جنگ و اختلاف کی جڑ / تو عقلمند کب ایسی بلا کو مانتے ہیں
جواب حضرت سید کا خوب ہے اکبر / ہم اُنکے قول درست و بجا کو مانتے ہیں
ولیکن اس نئی تہذیب کے بزرگ اکثر / خدا کو اور نہ طریق دعا کو مانتے ہیں

زبانی کہتے ہیں سب کچھ مگر حقیقت میں
وہ صرف قوت فرماں روا کو مانتے ہیں

پوچھا پروانے سے کہ اے ناداں / آگ میں گر کے کیوں گنواتا ہے جاں

۱؎ سید صاحب نے انسٹیٹیوٹ گزٹ میں نظم مندرجہ بالا کی تعریف چھاپی ہے۔

جل کے بولا کہ اے خرد دشمن — سن لے مجھ سے یہ معنیٔ روشن
شعلے سے طالبِ وصال اچھا — یا اندھیرے میں پائمال اچھا

کیا وجہ ہے قومی جو ترقی نہیں ہوتی — ہر چند کہ ہے شور ترقی کی صدا میں
یہ مسئلہ مشکل ہے وہی سمجھیں گے جن کو — ہے نشو و نما پولیٹکل آب و ہوا میں
اک بات تعجب سے مگر میں نے سنی تھی — کل رات کو اک انجمنِ ذکرِ خدا میں
اسپیچ ترقی میں تو آندھی ہے یہ فرقہ — لگتا نہیں دل ان کا ترقی کی دعا میں

بنائے ملت بگڑ رہی ہے لبوں پہ ہے جان مر رہے ہیں — مگر طلسمی اثر ہے ایسا کہ خوش ہیں گویا ابھر رہے ہیں
ادھر ہے قومِ ضعیف و مسکیں ادھر ہیں کچھ شہدانِ خود بیں — یہ اپنی قسمت کو رو رہی ہے وہ نام پر اپنے مر رہے ہیں
کبھی طرح رگِ اتحادِ ملت رواں ہوئیں خونِ دل کی موجیں — ہم اسکو سمجھے ہیں آبِ صافی نہا رہے ہیں نکھر رہے ہیں
صدائے الحاد اٹھ رہی ہے خدا کی اب یاد اٹھ رہی ہے — دلوں سے فریاد اٹھ رہی ہے کہ دیں سے ہم گذر رہے ہیں
قفس ہے کم ہمتی کا سمجھے ہیں کچھ وہ انہاے شیریں — اسی پہ مائل ہے طبعِ شاہیں شہ بال ہیں اب پر رہے ہیں
اگرچہ یورپ بھی مبتلا ہے وہاں بھی پھیلی یہی بلا ہے — خیال مسٹر کا بڑھ چلا ہے خدا کا انکار کر رہے ہیں
مگر وہاں کی بنا ہے تیشن رکا ہے ملحد کا آپریشن — نہیں ہے گم لفظ سالویشن خدا سے یہ بھی وہ ڈر رہے ہیں
یہاں بجائے نماز گپ ہے وہاں یہی عزتِ بیشپ ہے — یہاں مساجد اجڑ رہی ہیں وہاں کلیسا سنور رہے ہیں

جناب اکبر سے کوئی کہہ دے کہ لوگ بیٹھے ہیں کس طرح کے
اس انجمن میں اور ایسی باتیں یہ آپ کیا قہر کر رہے ہیں

چو اشارہ کرد ناصح کہ بیا دلشتو از من — ہمہ طرز حیلہ جستن ہمہ فنِ ساز کردن
گہہ امیر گبر بودہ بہ یہودِ عہد یاری — گہہ ایں دیر بودہ بہ حرم نماز کردن
بخبر ای عزیزان ہمہ امتیاز جستن — بمراد غیر بودہ ہمہ عیش و ناز کردن
نظرے فگند چشمم بہ حقارتے بہ رویش — کہ حرام یاد دستے سوئے تو دراز کردن
ہمہ اول تو دیدم ہمہ آخرِ تو دیدم — نہ خوش است شرحِ احوال و بیانِ راز کردن

توبہ خویشتن چہ کردی کہ بما کنی نظیری	بخدا کہ واجب آمد ز تو احتراز کردن
کیا شک ہے آفتاب کے شان و جلال میں	روشن تر اس سے کونسی شے ہے خیال میں
لیکن نہیں وہ کچھ بھی سوا تر پس از غروب	لازم ہے غور کیجئے اس مسئلے پہ خوب
ہر چند تم خیال کرو آفتاب کا	گوشہ بھی اٹھ سکے گا نہ شب کی نقاب کا
پوچو گے اسکو تب بھی وہ پھیرا نہ جائے گا	اسکو پکارنے سے اندھیرا نہ جائے گا
انساں کا حال بھی مرے نزدیک ہے یہی	تحقیق کی نظر جو کرو ٹھیک ہے یہی
کتنا ہی کوئی صاحبِ اوج و کمال ہو	کتنا ہی با اثر ہو کہ عالی خیال ہو
جب کر گیا جہاں سے وہ ملکِ عدم کو کوچ	پھر اس سے کچھ مدد کا تصور ہے ہیچ و پوچ
قیوم و حی ذات ہے اللہ کی فقط	زندہ ہمیشہ بات ہے اللہ کی فقط
سن لو کہ اتباع و ادب اور چیز ہے	مطلب کی لیکن آپنے طلب اور چیز ہے

آزردہ کوئی شیخ ہو یا برہمن خفا
حقانیت یہی ہے یہی ٹھیک فلسفا

کر چکا کالج میں جب تکمیل فن	تب یہ بولے مجھسے مسٹر مارلیسن
گو کہ شہرت ہے تمھاری دور دور	مجھسا تم رکھتے نہیں عقل و شعور
عرض کی میں نے کہ اے روشن ضمیر	ہے یہی تو مجھکو رونا ہے بشیر[۱]
آپ نے سیکھا ہے اپنی باپ سے	اور میں نے جو پڑھا وہ آپ سے

یہ طفل نادان غریق غفلت ہو کے ذلت میں تن رہے ہیں	سمجھ نہیں ہے نظر نہیں ہے بنائی بگڑی ہیں بن رہے ہیں
بہار ہی سے نہیں ہیں واقف خزاں کے ظلموں کو کیا وہ سمجھیں	یہ داغ تو ہیں انھیں کے دل پر جو محو رنگ چمن رہے ہیں
بنا فلک ہے نئی ستارے یہ شوق سے کرتے ہیں نظارے	انھیں کو کچھ حس ہے گردشونکا جو زیر چرخ کہن رہے ہیں
یہ آخری صف میں آگئے تو دلے بہشت سمجھے ہیں اپنی تھالے	محلِ حسرت ہیں آنکے سینے جو زینتِ انجمن رہے ہیں
رہے ہیں جو برگ و حس کے خوگر انھیں ہو کیوں خار آنکا منظر	نگاہ تو ہے انھیں کی مضطر جو مستِ دشمن رہے ہیں

۱؎ اڈیٹر اخبار البشیر نے لکھا تھا کہ مسلمان پروفیسر مقرر ہوں۔

بہت خفا تھے مسائل پہ یہ کہ ہو رہی ہے بیماری تو ہیں
اب آنکو منطق سنا رہی ہے گردہ جھکائے ہیں مگن ہے ہیں

اگرچہ لفظوں کی بدلیوں میں چھپا ہے معنی کا چاند اکبر
مگر معانی ہیں ایسے روشن کہ نور کیطرح چھن رہے ہیں

مرے کا جشن تھا کل اک شراب خانے میں
کسی نے خوب یہ گایا کسی ترانے میں
خدا کے فضل سے ہم نام کے مسلماں ہیں
وگرنہ چین سے رہتے نہ اس زمانے میں

ہستی کے شجر میں جو یہ چاہو کہ چمک جاؤ
کچے نہ رہو بلکہ کسی رنگ میں پک جاؤ
میں نے کہا قائل میں تصوف کا نہیں ہوں
کہنے لگے اس بزم میں آؤ تو تھرک جاؤ
میں نے کہا کچھ خوف کلکٹر کا نہیں ہے
کہنے لگے آجائیں ابھی وہ تو دبک جاؤ
میں نے کہا ورزش کی کوئی حد بھی ہے آخر
کہنے لگے بس اسکی یہی حد ہے کہ تھک جاؤ
میں نے کہا افکار سے پیچھا نہیں چھٹتا
کہنے لگے تم جانبِ میخانہ لپک جاؤ

میں نے کہا اکبر میں کوئی رنگ نہیں ہے
کہنے لگے شعر اسکے جو سن لو تو پھڑک جاؤ

کرچکا ختم جب میں اسپنسر
مجھ پہ پڑنے لگی ہر اک کی نگاہ
پوچھا استاد نے کہ سمجھے بھی
ان دقائق نے دل میں کی کچھ راہ
کہدیا میں نے اسکا کل مطلب
صاف ہے - لا الہ الا اللہ

ماسٹر نے کہا تو کون ہے
حق پکارا کہ واہ اکبر واہ

سنا کہ چند مسلمان جمع تھے یک جا
خدا پرست خوش اخلاق اور بلند نگاہ
کہا کسی نے یہ ان سے کہ یہ تو بتلاؤ
تمھاری عزت و وقعت کا کس طرح ہے نباہ
نظر کرو طرفِ اقتدارِ اہلِ فرنگ
کہ انکے قبضہ میں ہے ملک و مال و گنج و سپاہ
انھیں کا سکہ ہے جاری یہاں سے لندن تک
انھیں کے زیرنگیں ہے ہر اک سفید و سیاہ

کلیں بنائی ہیں وہ وہ کہ دیکھکر جن کو
تمہارے پاس بھی کچھ ہے کہ جسپہ تمکو ہے ناز
زبانِ خلق سے بیساختہ نکلتی ہے واہ
کہا اُنھوں نے کہ ہاں لاالہ الا اللہ

نہ وہ بک رہ گئے نہ سر سیّد
ذات محمود سے تسلّی تھی
بولی عبرت کہ ہوش میں آؤ
ستگیا نقش حمد احمد و محمود
دل احباب سے نکلتی ہے آہ
لی اُنھوں نے بھی آج خلد کی راہ
اے حریصانِ شان و شوکت و جاہ
رہ گیا لاالہ الا اللہ

بنام اڈیٹر رسالہ ید بیضا

علم اسرارِ دل و حلِّ معما داری
تو چہ حاجت بہ جمالِ سخنِ ما داری
برتر از نظمِ دکن نظم ثریا داری
حُسنِ یوسف دمِ عیسیٰ ید بیضا داری

آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

مسلمانو تمہیں اب تعلیم انگلش ترک نہیں سکتی
وہ نزلہ ترک نہیں سکتا یہ ہیجش ترک نہیں سکتی
کسی سے مشرق و مغرب کی سازش ترک نہیں سکتی
بڑے بوڑھو نکی لیکن یہ بھی خواہش ترک نہیں سکتی

مذاقِ قوم بیگانہ ہوا اللہ اکبر سے
یہ نقشِ جانفزا مٹنے نہ پائے دل کے دفتر سے

اہلِ یورپ کے ساتھ ہوٹل میں
خانساماں نے کان میں یہ کہا
پڑھئے کوئی دعائے اکلِ طعام
تب یہ اشعار حضرت سعدی
اے کریمے کہ از خزانۂ غیب
چکھی سیّد نے ایک دن کاری
آپ تو علم سے نہیں عاری
دین سے بھی رہے وفاداری
ہوئے اُن کی زباں پہ جاری
گبر و ترسا وظیفہ خور داری

دوستاں را کجا کنی محروم
تو کہ با دشمناں نظر داری

ا؎ مطلب یہ ہے کہ ہم کیوں نہ پند گذار کاری وغیرہ نعمتیں ہوٹل میں کھائیں۔

نظم مذہبی حسب فرمائش ایڈیٹر دلگداز ریویو برائے نقش منتظم شروع سنہ ۱۹۰۶ء

جو دل کرتے ہیں حق کی پاسبانی — خدا کا ان پہ ہے لطفِ نہانی
سمجھتے ہیں جو قرآں کے معانی — سنا ہے میں نے یہ اُن کی زبانی

ہنوز آں ابرِ رحمت درفشان است
خُم و خمخانہ با مہر و نشان است

سرورِ قلب و حرزِ جاں ہے اسلام — معینِ شاہی و شاہاں ہے اسلام
جہاں میں با سر و ساماں ہے اسلام — ابھی تک حافظِ ایماں ہے اسلام

ہنوز آں ابرِ رحمت درفشان است
خُم و خمخانہ با مہر و نشان است

مساجد میں وہی شورِ اذاں ہے — وہی اللہ اکبر بر زباں ہے
وہی جوشِ دلِ اسلامیاں ہے — وہی رُت ہے وہی آہنگ سماں ہے

ہنوز آں ابرِ رحمت درفشان است
خُم و خمخانہ با مہر و نشان است

دلوں میں ہے خدا کی یاد اب تک — طبیعت ذکر سے ہے شاد اب تک
بہت ہیں صاحبِ ارشاد اب تک — بہت ہیں باغِ دیں آباد اب تک

ہنوز آں ابرِ رحمت درفشان است
خُم و خمخانہ با مہر و نشان است

عیاں ہے پرتوِ روئے محمد — مشامِ جاں میں ہے بوئے محمدؐ
رواں ہیں قافلے سوئے محمد — وہی ہے رونقِ کوئے محمدؐ

ہنوز آں ابرِ رحمت درفشان است
خُم و خمخانہ با مہر و نشان است

دلوں میں کیوں تمہارے ہے یہ خامی — نہیں فطرت میں کچھ بد انتظامی
ابھی تک یاد حق ہے دل کی حامی — سنو یہ نغمۂ استادِ جامی

ہنوز آں ابرِ رحمت دُر فشاں است
خُم و خمخانہ با مہر و نشاں است

برٹش سلطنت کے ہیں عواطف — کہ مذہب کی نہیں ہے وہ مخالف
تو کیوں ہوتے نہیں تم اس سے واقف — کہ کہتی ہے نگاہِ چشم عارف

ہنوز آں ابرِ رحمت دُر فشاں است
خُم و خُمخانہ با مہر و نشاں است

رسول اللہ کو دنیا نے مانا — زبانوں پر ہے ابتک وہ فسانہ
نہیں اسلام سے خالی زمانہ — سنو اکبر کا یہ قومی فسانہ

ہنوز آں ابرِ رحمت در فشاں است
خُم و خمخانہ با مہر و نشاں است

خدا علیگڑھ کے مدرسے کو تمام امراض سے شفا دے
لطیف و خوش وضع چست و چالاک و صاف و پاکیزہ شاد و خرم
کمال محنت سے پڑھ رہے ہیں کمال غیرت سے بڑھ رہے ہیں
ہر اک ہے آئین کا بیشک ایسا کہ آپ اسے چاہتے ہیں جیسا
فقیر مانگے تو صاف کہدیں کہ تو ہے مضبوط جا کما کھا
بتوں سے انکو نہیں لگاوٹ مسوں کی لیتے نہیں وہ آہٹ
نظر بھی آئے جو زلف پیچاں تو سمجھیں یہ کوئی پالیسی ہے
نکلتے ہیں کر کے غول بندی بنام تہذیب و دردمندی
انھیں اسی بات پر یقیں ہے کہ بس یہی اصل کار دیں ہے

بھرے ہوئے ہیں رئیس زادے امیر زادے شریف زادے
طبیعتوں میں ہے انکی جودت دلوں میں انکے ہیں نیک ارادے
سوار مشرق کی راہ میں ہیں تو مغربی راہ میں پیادے
دکھائے محفل میں قدِ رعنا جو آپ آئیں تو سر جھکا دے
قبول فرمائیں آپ دعوت تو اپنا سرمایہ کل کھلا دے
تمام قوت ہے صرف خواندن نظر کے بھولے ہیں دل کے سادے
الکٹرک لائٹ اسکو سمجھیں جو برق وش کوئی مسکرا دے
یہ کہکے لیتے ہیں سب سے چندے ہمیں جو تم دو تمہیں خدا دے
اسی سے ہوگا فروغ قومی اسی سے چمکیں گے باپ دادے

مکانِ کالج کے سب مکیں ہیں ابھی انہیں تجربے نہیں ہیں
خبر نہیں ہے کہ آگے چلکر ہے کیسی منزل ہیں کیسے جادے

دلوں میں انکے ہے نورِ ایماں قوی نہیں ہے مگر نگہباں
ہوائے منطق ادائے طفلی یہ شمع ایسا نہ ہو بجھا دے

فریب دیکر نکالے مطلب سکھائے تحقیر دین و مذہب
مٹا دے آخر کو وضع ملت نمودِ ذاتی کو گو بڑھا دے

یہی بس اکبر کی التجا ہے جناب باری میں یہ دعا ہے
علوم و حکمت کا درس انکو پروفیسر دیں سمجھ خدا دے

سنہ ۱۸۹۰ء

ترجمہ قول یکے از اکابر یورپ

"Religiou without power is but a Philosophy"

یہ شیخ اکبر سے اتنا کیوں خفا ہے
یہ کیوں غیظ و غضب جور و جفا ہے

نہیں ہے اسمیں جھگڑے کی کوئی بات
یہ اک قولِ حکیم باصفا ہے

نہ ہو مذہب میں جب زور حکومت
تو وہ کیا ہے فقط اک فلسفا ہے

بلبل ہیں آج ہم چمنستان لمپ کے
پروانہ کل نہیں گے کلیسا کے لمپ کے

ذکر بہشت و کوثر و تسنیم ہو چکی
اب پارک کا خیال ہے چرچے ہیں سپ کے

رکھتے تھے جو ہزار قدم پھونک پھونک کے
خوگر ہوئے ہیں لیپ کے اسکپ کے جمپ کے

نہ نماز ہے نہ روزہ نہ زکوۃ ہے نہ حج ہے
تو خوشی پھر اسکی کیا ہے کوئی جنٹ کوئی جج ہے

جو خیال ہیں نرالے تو مذاق ہیں انوکھے
نہ وہ وضع قوم کی ہے نہ وہ شان ہے نہ دھج ہے

کوئی انمیں ہے جو ایسا کہ جو دون کی ہے لیتا
جو اسے بھی چھیڑ دیکھا تو وہ کمتر از کھرچ ہے

جو کہ آئے سیر لندن ہیں اسیر کبر و فیشن
جو ہیں گئے ہیں بن ٹھن انھیں نیند ہے گرج ہے

نہیں کوئی صاف سینہ ہم انمیں بھی ہے کینہ
یہ انھیں کہیں کمینہ وہ انھیں کہیں اپج ہے

کہیں میم کا ہے پھندا کوئی دختِ رز کا بندہ
ہے پھر اسپہ ناز و خندہ کہ دل انمیں کیا ہج ہے

باقی ہیں قومیں تجارت سے عروج
بس یہی انکے لئے معراج ہے

Leap Skip Jump — سب کے معنی کود پھاند کے ہیں

ہے تجارت واقعی اک سلطنت | زور یورپ کو اسی کا آج ہے

فقط تاجر خود ہے اے اکبر ثبوت
دیکھ لو تاجر کے سر پر تاج ہے

تمہاری اصل خدا کا کلام واضح ہے | عبث یہ ولولۂ نقلِ قومِ فاتح ہے
سنو یہ بات جو مجموعۂ نصائح ہے | وہی ہے باعثِ عزت عمل جو صالح ہے

نہ ہو جو مذہب و ملت کے ساتھ ہمدردی | زمانہ صاف کہے گا کہ ہے یہ نامردی

انہیں کے واسطے ہے کا سرور زیبا ہے | انہیں کے دل میں طرب کا وفور زیبا ہے
انہیں کو روئے زمیں پر غرور زیبا ہے | مرے لئے فقط امید حور زیبا ہے

اسی امید میں ساری ترقیاں سمجھیں | جو آپ حور کے معنی کی خوبیاں سمجھیں

کرزن سبھا

سبھا میں دوستو کرزن کی آمد آمد ہے | گلوں میں غیرت گلشن کی آمد آمد ہے
رئیس و راجہ و نواب منتظر ہیں بہ شوق | کہ نائب شہِ لندن کی آمد آمد ہے
وہ ہو کے آتے ہیں قائم مقامِ قیصرِ ہند | ستاروں میں مہِ روشن کی آمد آمد ہے
ہیں اُن کے ساتھ میں اتنے اکابرِ یورپ | کہ گویا دہلی میں لندن کی آمد آمد ہے
غرض یہ ہے کہ بہ تکمیلِ زینت و رونق | ہر ایک علم کی ہر فن کی آمد آمد ہے
کمربندھی نظر آتی ہے آب و آتش کی | ادھر سے کل ادھر انجن کی آمد آمد ہے
دکھا رہے ہیں ہنر مشتِ خوابِ مقناطیس | دلوں میں حالتِ روشن کی آمد آمد ہے
اُمنڈ رہی ہے ہر اک سمت سے خزانۂ اِنج | ہر ایک جنس کے خرمن کی آمد آمد ہے
درود فوج سے ہے زرق برق کا عالم | جدھر کو دیکھئے پلٹن کی آمد آمد ہے
چمک ہے کر چچی ہر سو کمک ہے توپو تکی | چھما چھم اور دنا دن کی آمد آمد ہے
چہل پہل ہے امنگیں ہیں جوشِ مستی ہے | بہارِ عیش پہ جوبن کی آمد آمد ہے

جو پیر ہیں انھیں ہیں ولولے جوانی کے
جوان ہیں تو لڑکپن کی آمد آمد ہے

تمام مذہب و ملت میں ہے کشش پیدا
مغان و شیخ و برہمن کی آمد آمد ہے

گرہ میں زر نہیں اور ہیں تمام لازم و فرض
اسی سبب سے مہاجن کی آمد آمد ہے

ابھارے رکھتا ہے اکبر کے دلکو فیضِ سخن
اگرچہ پیری و پنشن کی آمد آمد ہے

آمد اقبال پری

اقبال پری آئی جو انداز بدل کر
دنیا کی ہوا ساتھ ہوئی ساز بدلکر

غزل زبانی اقبال پری

ہوں ناز سے معمور حکومت سے بھری ہوں
زریں مراد امن ہے میں اقبال پری ہوں

ہر شعلہ مقابل مرے چہرے کے ہے بے نور
کہتا ہے کہ ہوں بھی تو چراغ سحری ہوں

ہر ڈھنگ سے دکھلاتی ہوں شان اپنی جہاں کو
ہر رنگ میں میں مست مئے جلوہ گری ہوں

انگلینڈ پہ ہوں سایہ فگن حکم خدا سے
شاہنشہ ایڈورڈ کی صورت پہ مری ہوں

مبارکباد پنچ کی طرف سے

قوم انگلش کو یہ دربار مبارک ہووے
لارڈ کرزن سا یہ سردار مبارک ہووے

ہو مبارک شہِ انگلینڈ کو تخت و دیہیم
مجھکو یہ طبع گہر بار مبارک ہووے

نصیحت اخلاق

بیٹے کو لوگ کہتے ہیں آنکھوں کا نور ہے
ہے زندگی کا لطف تو دل کا سرور ہے

گھر میں اسی کے دم سے ہے ہر سمت روشنی
نازاں ہے اسپہ باپ تو ماں کو غرور ہے

خوش قسمتی کی اسکو نشانی سمجھتے ہیں
کہتے ہیں یہ خدا کے کرم کا ظہور ہے

اکبر بھی اس خیال سے کرتا ہے اتفاق
اسکا بھی ہے یہ قول کہ ایسا ضرور ہے

البتہ شرط یہ ہے کہ بیٹا ہے ہونہار
مائل ہے نیکیوں پہ برائی سے دور ہے

سنتا ہے دل لگا کے بزرگوں کی پند کو
وقتِ کلام لب پہ جناب و حضور ہے

برتاؤ اسکا صدق و محبت سے ہے بھرا
اسمیں نہ ہے فریب نہ کچھ مکر و زور ہے
انکار والدین میں ہے دل سے وہ شریک
ہمدرد ہے معین ہے اہلِ شعور ہے
راضی ہے اسپہ باپ کی جو کچھ ہو مصلحت
صابر ہے با ادب ہے عقیل و غیور ہے
رکھتا ہے خاندان کی عزت کا وہ خیال
نیکوں کا دوست صحبتِ بد سے نفور ہے
کسب کمال کی ہے شب و روز اُسکو دھن
علم و ہنر کے شوق کا دل میں وفور ہے
لیکن جوانِ صفات کا مطلق نہیں پتا
اور پھر بھی ہے خوشی تو خوشی کا قصور ہے

نظم قومی حسب فرمایش نواب محسن الملک بہادر

مسلمانوں بتاؤ تو تمہیں اپنی خبر کچھ ہے
تمہارے کیا مدارج رہ گئے اسیر نظر کچھ ہے
اگر کچھ ہے تو سوچو دل میں بھی اسکا اثر کچھ ہے
حریفوں کی تعلی باعثِ سوزِ جگر کچھ ہے

تمہیں معلوم ہے کچھ رہ گئے ہو کیا سے کیا ہو کر
کدھر آ نکلے ہو راہِ ترقی سے جدا ہو کر

کوئی آگے نہ تھا تم سے ترقی کی تگ و دو میں
کوئی دس میں چمکتا تھا تو تم ممتاز تھے سو میں
تمہیں نے فرق بتلایا تھا سبکو گندم و جو میں
تمہیں سے سیکھ کر بنتی تھیں عالم مغربی قومیں

شرف پایا تھا تم نے امتیازِ حق و باطل سے
مخالف بھی تمہاری قدر دانی کرتے تھے دل سے

تمہاری عزتیں تھیں اوج تھا رتبہ تھا شانیں تھیں
تمہاری بات تھی احکام تھے کہنا تھا آئیں تھیں
تمہارے ذکر میں سرگرم دنیا کی زبانیں تھیں
تمہیں تم تھے زمانے میں تمہاری داستانیں تھیں

غرور و ناز کم کرنا پڑا تھا ایک عالم کو
سرِ تسلیم خم کرنا پڑا تھا ایک عالم کو

تمہارا اتفاق باہمی دیوار آہن تھا
مخالف ایک کا جو تھا وہ گویا سبکا دشمن تھا
تمہاری ہمتوں کا عرش اعظم پر نشیمن تھا
تمہارے ہاتھ میں آفاق کا ہر علم ہر فن تھا

تم اپنی حق پرستی سے دبا دیتے تھے دنیا کو
خدا کے سامنے جھک کر جھکا دیتے تھے اعدا کو

نہ یہ آپس کے جھگڑے تھے نہ یہ ناحق پرستی تھی
نہ دل میں بدگمانی تھی نہ ہمت میں یہ پستی تھی

طبیعت پر نہ دیو نفس کی یہ چیرہ دستی تھی
نظر میں مظہر حقیقت ساری ہستی تھی

تمہاری وضع دلکش تھی تمہاری شان عالی تھی
خوش اخلاقی تمہاری مظہر شان جمالی تھی

نہیں ہے ہائے افسوس اب تمہارا وہ چلن باقی
نہ وہ ذوق ہنرمندی نہ شوق علم و فن باقی

نہ وہ حسن عمل باقی نہ اب وہ حسن ظن باقی
نہ دل میں ہے وہ جوش حب یاران وطن باقی

جو فکریں ہیں تو اپنے نفس کو راحت رسانی کی
توقع کیا اسی پر ہے خدا کی مہربانی کی

غضب ہے حب اسلامی سے خالی سب کا سینا ہے
بس اپنے ہی مزے کے واسطے ہر اک کا جینا ہے

حسد ہے ناتواں بینی ہے بے مہری ہے کینا ہے
یہی قومی ترقی کا ذرا سوچو تو زینا ہے

کہاں ہے اب مسلمانو نہیں باہم بجز رنجش الفت
جو باقی شاعرو نہیں ہے تو ہے وہ اک مرض الفت

میں تم سے کیا کہوں اس وقت دلپر کیا گذرتی ہے
طبیعت بات کو کرنے کو بھی مشکل سے ٹھہرتی ہے

تصور دل میں آتا ہے تو آنکھ اشکوں سے بھرتی ہے
خلش سینے میں ایسی ہے کہ وہ بے چین کرتی ہے

مرا دردیست اندر دل اگر گویم زبان سوزد
وگر دم در کشم ترسم کہ مغز استخواں سوزد

وہ باتیں جن سے قومیں ہو رہی ہیں نامور سیکھو
بڑھاؤ تجربے اطراف دنیا میں سفر سیکھو

اٹھو تہذیب سیکھو صنعتیں سیکھو ہنر سیکھو
خواص خشک و تر سیکھو علوم بحر و بر سیکھو

خدا کے واسطے اے نوجوانو ہوش میں آؤ

دلوں میں اپنے غیرت کو جگہ دو جوش میں آؤ

سخن معقول و موزوں ہو تو سب کا دل بہلتا ہے — کلام خوش کلاماں رنگ با معنی بدلتا ہے
زباں سے نعرۂ مدح و ثنا ہر دم نکلتا ہے — مگر شوق عمل ہو واقعی تب کام چلتا ہے

توجہ گر نہ ہو دل سے تو پھر تاثیر کیونکر ہو
کلام دلکش اکبر ہو یا مہدی کا لکچر ہو

ڈارون[1] صاحب حقیقت سے نہایت دور تھے — میں نہ مانوں گا کہ مورث آپ کے لنگور تھے
اپنی حالت کے مطابق چاہیئے طرزِ عمل — اس سے کیا ہوتا ہے دادا قیصر و فغفور تھے
اس تقرب پر ہمیں کچھ فخر کا موقع نہیں — پاس گو بیٹھے تھے لیکن اُنکے دل سے دور تھے

ہوائے الحاد رنگ ملت کو ہر روش پر بدل رہی ہے — جو بات بگڑی ہے بنے وہ کیونکر جو چل گئی ہے وہ چل رہی ہے
ہمیں نے در اس ہوا پہ کھولا کیا اُسے چپ جو کوئی بولا — ہمیں سے ہے خود اب تردد اسکا طبیعت اب ہاتھ مل رہی ہے
نہ عاقبت کا کسی کو ڈر ہے نہ عزتِ قوم پر نظر ہے — سر و نہیں سودا سما رہا ہے دلوں سے غیرت نکل رہی ہے
جو پیشوا خود ہوں ندمشربی کیا جسے رنگ وعظِ مذہب — قلوب شیطاں کے متبع ہیں زبان قرآں پہ چل رہی ہے
کریں جو باخبر ہیں ہر جا نہیں ہے چرچوں میں اسکا چرچا — ہمیں نے سمجھا ہے مہد اسکو اسی میں اب نسل پل رہی ہے
جو قوم ہمسایہ ہے ہماری نہیں ہے اُسپر بلا یہ طاری — ہم اپنی مستی میں گر رہے ہیں وہ ہوش میں سنبھل رہی ہے
ہم اپنی صورت بگاڑتے ہیں بنا رہی ہے وہ اپنے گھر کو — ہم اپنا نقشہ مٹا رہے ہیں وہ اپنے سانچے میں ڈھل رہی ہے
خدا کی ساعت ہیں یہاں کی صدیاں چھپی نہیں ہیں ہماری بدیاں — بلائیں آئیں اور آ رہی ہیں کوئی گھڑی ہے کہ ٹل رہی ہے

زبان اکبر میں کب یہ قدرت کہ کہہ سکے راز سوز حسرت
وہ شمع اسکو بیاں کریگی جو گور سید پہ جل رہی ہے

جناب جو ہیں مئے انکے طریق عمل پہ واعظ — بولے کہ نظم ذیل کو ارقام کیجیے
پیدا ہوئے ہیں ہند میں اس عہد میں جو آپ — خالق کا شکر کیجیے آرام کیجیے
بے انتہا مفید ہیں یہ مغربی علوم — تحصیل ان کی بھی سحر و شام کیجیے

[1] حال کی تحقیق و تصنیف علمائے یورپ بالخصوص انسان کے باب میں لایق ملاحظہ ہے جس میں ڈارون کی غلطی بیان کی گئی ہے مصنف

یورپ میں پھرئے پیرس و لندن کو دیکھئے
تحقیقِ ملک کا شغف و شام کیجیے

ہو جائیے طریقۂ مغرب پہ مطمئن
خاطر سے محو خطرۂ انجام کیجیے

پیرانِ بے فروغ کا گل ہو چکا چراغ
ناحق نہ دل کو تابعِ اوہام کیجیے

رکھئے نہ دل کو دیر و کلیسا سے منحرف
متروک قیدِ جامۂ احرام کیجیے

الفاظ کفر و فسق کو بس بھول جائیے
ہر ملت و طریق کا اکرام کیجیے

رہیئے جہاں میں وسعتِ مشرب سے نیکنام
مجھکو مرید ہندؤں کو رام کیجیے

رکھئے نمود و شہرت و اعزاز پر نظر
دولت کو صرف کیجیے اور نام کیجیے

سامان جمع کیجیے کوٹھی بنائیے
باصد خلوص دعوتِ حکام کیجیے

آرائشوں سے گھر کو مہذب بنائیے
تزئینِ طاق و سقف و در و بام کیجیے

یارانِ ہم مذاق سے ہم بزم ہوجیے
موقع ملے تو شغلِ مے و جام کیجیے

چشم و لبِ بتاں سے بھی غافل نہ ہوجیے
تکمیلِ شوقِ پستہ و بادام کیجیے

نظارۂ مساں سے تروتازہ رکھئے آنکھ
تفریح پارک میں سحر و شام کیجیے

مذہب کا نام لیجیے عامل نہ ہوجیے
جو متفق نہ ہو اُسے بدنام کیجیے

طرزِ قدیم پر جو نظر آئیں مولوی
پبلک میں اُن کو موردِ الزام کیجیے

زنجیرِ فقہ توڑئیے کہکر خلافِ شرع
مضمون لکھیے دعویٰ الہام کیجیے

ممنوع ہے تعددِ ازواج خاصکر
یوں گھوم پھر کے تنقیۂ عام کیجیے

قومی ترقیوں کے مشاغل بھی ہیں ضرور
اس مد میں بھی ضرور کوئی کام کیجیے

لڑکے نہوں تو ہو نہیں سکتی چہل پہل
نکریں پیئے وظیفہ و انعام کیجیے

تحصیل چندہ کیجیے لڑکوں کو بھیجکر
سارا علاقہ ہند کا اب خام کیجیے

بے رونقی ہے کاٹیے کیوں اپنی عمر کو
کیوں انتظارِ گردشِ ایام کیجیے

جو چاہیے وہ کیجیے بس یہ ضرور ہے
ہر انجمن میں دعویٰ اسلام کیجیے

لیکن نہ بن پڑیں جو یہ باتیں حضور سے ۔۔۔ مُردوں کے ساتھ قبر میں آرام کیجئے

میں دیکھتا ہوں صلح و محبت ہے اُٹھ گئی ۔۔۔ ہر دل سے ہر گروہ سے ہر خاندان سے
اسکا سبب نہیں ہے سوا اسکے اور کچھ ۔۔۔ یعنی کہ اُٹھ گیا ہے خدا درمیان سے

تعجب سے کہنے لگے بابو صاحب ۔۔۔ گورنمنٹ سید پہ کیوں مہرباں ہے
اُسے کیوں ہوئی اسقدر کامیابی ۔۔۔ کہ ہر بزم میں بس یہی داستاں ہے
کبھی لاٹ صاحب ہیں مہمان اُسکے ۔۔۔ کبھی لاٹ صاحب کا وہ میہماں ہے
نہیں ہے ہمارے برابر وہ ہرگز ۔۔۔ دیا ہم نے ہر صیغے کا امتحاں ہے
وہ انگریزی سے کچھ بھی واقف نہیں ہے ۔۔۔ یہاں جتنی انگلش ہے سب برزباں ہے
کہا ہنس کے اکبر نے اے بابو صاحب ۔۔۔ سنو مجھ سے جو رمز اسمیں نہاں ہے
نہیں ہے تمہیں کچھ بھی سیّد سے نسبت ۔۔۔ تم انگریزی داں ہو وہ انگریز داں ہے

طبع سمجھی[1] کہ بلندی میں بڑھی جاتی ہے ۔۔۔ زلف[2] خوش ہے کہ یہ پھانسی پہ چڑھی جاتی ہے
وہ ہے نافہم یہ عیّار ۔ محل ہے نازک ۔۔۔ اہلِ بینش میں یہ اک نظم پڑھی جاتی ہے

دارد آں آفتِ جاں حُسن و جمالِ عجبے ۔۔۔ چشم مستِ عجبے دارد و خالِ عجبے
او بتاراج دلم مائل و من مائل او ۔۔۔ او بہ فکرِ عجبے من بہ خیالِ عجبے

سنہ ۱۸۷۸ء کے ایک گم شدہ مضمون کے چند اشعار

اک رنگ پہ پھریاں کوئی شے رہ نہیں جاتی ۔۔۔ وہ شوکتِ و شانِ جم و کے رہ نہیں جاتی
یورپ کے ترقی کا چمکتا ہے ستارا ۔۔۔ توقیرِ عرب عظمتِ رے رہ نہیں جاتی
دلکش نظر آتا ہے بہت لفظ نومبر ۔۔۔ تزئینِ رخِ بہمن و دے رہ نہیں جاتی
گڈ بائی کا غل مچتا ہے اطرافِ جہاں میں ۔۔۔ تسلیم نہیں رہتی ہے حیّے رہ نہیں جاتی
عالم کو لبھاتی ہیں پیانو کی صدائیں ۔۔۔ بلبل کے ترانوں میں وہ لَے رہ نہیں جاتی
آہنگ طرب کے لئے چھڑتے ہیں نئے ساز ۔۔۔ دمسازیِ احباب کو نَے رہ نہیں جاتی

[1] قوم [2] چرخ

رندوں سے بدل جاتی ہیں ساقی کی نگاہیں
وہ گردشِ پیمانہ وہ دورہ نہیں جاتی

ہوتی ہے بہت سخت یہ منزل مگر اکبرؔ
ہمت ہو تو پھر ناشستہ طے رہ نہیں جاتی

———— :ꕥ: ————

مواقع خاص

سنہ ۱۹۰۱ء حسب فرمایش پنچ

زمزمہ اوجِ فلک پر ہے یہی ہر برڈ[1] کا
زینتِ گیتی ہے ملکِ اعظم برطانیہ

ہے یہی مفہوم روئے ارض پر ہیرو رڈ[2] کا
سکہ بیٹھا ہے دلوں میں حضرتِ اڈورڈ کا

راجہ صاحب سے شیخ جی نے کہا
مجھکو چھوڑا امام باڑے میں
جیب خالی پھرا کیا بندہ
راجہ صاحب نے ہنس کے فرمایا
بزمِ قومی میں ہیں شریک ہوا
آپ پر بار صرف ڈاڑھی ہے
جب حکومت کرے خود اُسکا ڈفنس
مجھکو ہے شوق علم و دانش سے
نہ ہو سکیں وہ جو یہ توضیح
مجھ پہ کرتا تھا اعتراض حریف
دفترِ اعتراض سوختہ بہ

اب بھروسا حضور پہ نہ رہا
پہونچے خود نیچری اکھاڑے میں
لے گئے غیر اس قدر چندہ
کیوں مزاج آپ کا ہے گرمایا
جو ہوا ہر طرح سے ٹھیک ہوا
یاں ریاست کی فکر گاڑھی ہے
کیوں نہ ہوں میں شریک کانفرنس
کیوں میں رکتا پھر اپنی خواہش سے
تو میں کردونگا دوسری تشریح
دل میں آیا مرے یہ شعر لطیف
دہنِ او بہ چندہ دوختہ بہ

سن رہے تھے سماع مولانا[3]
واہ کیا خوش نصیب تھے حضرت

اُسی حالت میں انتقال ہوا
عالمِ وجد میں وصال ہوا

ہزار و نہ صد و شش از جہاں رفت
بیامد یک ہزار و نہ صد و ہفت

ممدوح خاص و عام ہیں لالہ نہال چند
در اُنکے فیض کا کبھی رہتا نہیں ہے بند

[1] طائر [2] نقط [3] مولانا محمد حسین صاحب سنہ ۱۹۰۶ء

چنانچہ وصول کرنے کو ہیں پیشوا بہت	سب کرتے ہیں مباحث قرآن و وید ژند
لیکن دقیق و سخت جو ہوتا ہے کوئی کام	اسوقت میں جناب ہی ہوتے ہیں دردمند
حکام کے حضور میں کرتے ہیں التماس	قانون سے جو ہوتا ہے کچھ شائبۂ گزند
تقریر رشٹ بل پہ جو کی ملک بول اٹھا	ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند ۱۹۰۱ء

سنہ ۱۹۰۲ء آغاز تشریف آوری میں کہا گیا تھا

خلاف حق چو حریفاں ز راہ میگردند	ز فیض حکمت او رو براہ میگردند
مکرم است بہ ہندوستاں شہِ کابل	بتاں بہ گرد حبیب اللہ میگردند

موت چلدی میری مشتِ استخواں کو سونگھ کر	چونک اٹھا اکبر عرض خواب گراں سے اونگھ کر
یہ سمجھنا چاہیے خالق نے جو صحت یہ دی	بہر استغفار اپنے فضل سے مہلت یہ دی

بہ علالت سنہ ۱۹۰۵ء

حضرت کی وفات سے ہے ہر اک دل ریش	رکھتے تھے عزیز انکو بیگانہ و خویش
کیا کیا صفتیں تھیں جمع اُن میں اکبر	حافظ - حاجی - طبیب - عالم - درویش

طلغرافے چوں فرستادی ز راہ لطف و مہر	جوش زد از دل سرور و لطفہا اندوختم
بسکہ شوقِ دعوت و اسپیچ در دل داشتم	محفلے ترتیب دادم شمعہا افروختم
خادمِ خاص از پے آوردنت رفتہ بہ ریل	نصف شب در انتظارت دیدہ بر در دوختم
چوں شنیدم فسخ کردی عزم و رفتی بیدریغ	شمع را خاموش کردم خود سراپا سوختم

سید جلال الدین طہرانی ایڈیٹر حبل المتین

تھا باعث الم مرض جانگزائے قوم	مدت سے سن رہے تھے علیگڈھ میں ہائے قوم
آخر اودھ نے کالج طبی بنا کیا	شکر خدا کہ ہوگئی پیدا دوائے قوم

ملال کا تو محل اے حضور کچھ بھی نہیں	خدا گواہ ہے میرا قصور کچھ بھی نہیں
براہ لطف کرم لائیے یہاں تشریف	الہ آباد علیگڈہ سے دور کچھ بھی نہیں

۱؎ مولانا محمد حسین صاحب الہ آبادی

محبت آپ کی ہے میرے دل میں مستحکم
وہ امر آپ کی جانب سے میں نہ سمجھا تھا

میں صاف لکھتا ہوں یہ مکر و زور کچھ بھی نہیں
یہ چاہیے کہیے کہ تجھ کو شعور کچھ بھی نہیں

بعد پنشن کے تصنع سے مجھے ساز نہیں
ہوں جو بے شغل تو اکبر یہ کوئی راز نہیں

گو اب آزاد ہوں لیکن مری صحت ہی خراب
پر کھلے ہیں مگر اب طاقت پرواز نہیں

ڈیپوٹیشن کی سرسبزی جو دیکھی اُسنے شملے میں
برہمن نے کہا یہ شاخ بید اور ایسے گملے میں

کہا مہدی نے بھائی تمکو کیوں اس درجہ حیرت ہے
تمہارے واسطے یہ کیا محل رشک و غیرت ہے

تعجب کیا ہے ہم اُس بت کے پہلو میں جو لیٹے ہیں
حرم کے محترم کیا دیر کے خادم سے ہیٹے ہیں

برہمن نے کہا بس آپ کی باتیں ہی باتیں ہیں
اجی یہ وصل کی راتیں نہیں ہیں اُنکی گھاتیں ہیں

کہا مہدی نے ہمکو تو مزے سے اپنے مطلب ہے
محبت ہو نہ ہو اُنکو امید اسکی کہاں اب ہے

برہمن نے کہا ایسا فزا اعضا کا مضعف ہے
کہا مہدی نے ہاں اس بات سے بندہ بھی واقف ہے

وفات سر سیّد مرحوم

ہماری باتیں ہی باتیں ہیں سیّد کام کرتا تھا
نہ بھولو فرق جو ہے کہنے والے کرنے والے میں

کہے جو چاہے کوئی میں تو یہ کہتا ہوں اے اکبر
خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں

سنہ ١٩٠٦ء

دیکھی جو نمایشِ چکاگو
اتنے میں اجل پکاری سر پر

دل نے کہا دین سے کہ بھاگو
بس ہو چکا خواب زیست جاگو

شروع سنہ میں ہیں آؤ نگاداں تم اپنی ماں کو یہ لکھ چکے ہو
تو دیر پھر کیوں لگا رہے ہو یہ کیا تامل ہے کیوں رُکے ہو

مجھی کو سمجھو تم اپنا قبلہ سرِ ادب کو یہیں کرو خم
وہاں کے چرچے نہیں بلطف کیا ہے جیسے اُٹھانیکو تم جھکے ہو

علم باری میں یہ تپ موت کی تمہید نہ تھی
ورنہ ظاہر میں تو کچھ زیست کی امید نہ تھی

(سنہ ١٩٠٥ء میں مصنف کو باری سے تپ آئی تھی)

مولوی محمد کریم صاحب تحصیلدار سیجا ضلع الہ آباد ۲۳ دسمبر ۱۹۰۵ء

عمدہ مچھلی مسلّم و تمام ملی — تحفہ پایا مراد حسب تام ملی
ممنون کریم کیوں نہ ہوں لے اکبر — وہ دام ہیں لائے مجھکو بے دام ملی

اک دوست ہمارے ہیں تپ آنکو شدید آئی — جھیلا کئے بیماری مدت میں شفا پائی
لاہور کے جلسے میں شرکت کو ہیں اب جاتے — حالانکہ ابھی قوت پاؤں میں نہیں پاتے
میں کہتا ہوں جاتے ہو لاہور بلا قوت — وہ اسکو سمجھتے ہیں لا حول ولا قوۃ
یہ میری غلط بندش وہ اُن کی غلط فہمی — میں حد سے بڑھا شاعر وہ حد سے سوا وہمی

آتا نہیں مجھ کو قبلہ قبلی — بس صاف یہ ہے کہ بھائی شبلی
تکلیف اُٹھاؤ آج کی رات — کھانا یہیں کھاؤ آج کی رات
حاضر جو کچھ ہو دال دلیا — سمجھو اُس کو پلاؤ قلیا

شبلی کا قدم علم کی منزل پہ جما ہے — رفتار پہ آخر کی قلم اُسکا تھما ہے
چمکی ہوئی ہے بزم سلف اسکے بیاں سے — روشن ہیں یہ معنی کہ وہ شمس العلما ہے

یہ کیا سبب ہے جو رہ رہ کے جی بھر آتا ہے — یہ کیا ہوا جو مجھے شہر کاٹے کھاتا ہے
یہ خون ہوگئی کیوں میرے دل کی رنگینی — یہ داغ دینے لگی کیوں چمن کی گل چینی
اُداس ہوگئی کیوں روح خانہ تن سے — اچاٹ ہوگئیں کیوں بلبلیں یہ گلشن سے

بحمد اللہ[۵] کہ حاصل آپ کو ہر ایک نعمت ہے — ذہانت ہے سعادت ہے شرافت ہے لیاقت ہے
علوم مغربی میں نمبر اول آپ کا آیا — عزیز و دوست جو ہیں سبکو اس سے اک مسرت ہے
گورنمنٹ آپ کی مداح ہی اس قابلیت پر — اکابر قوم کے خوش ہیں ہر اک کو فخر عزت ہے
پئے تکمیل دانش قصد ہے اب ملک مغرب کا — مبارک ہو کہ لندن کا سفر ہے وقت ہجرت ہے
مبارک آپ کے احباب کو یہ جلسۂ رخصت — حقیقت میں مبارک وقت ہی اور عمدہ ساعت ہے
بخیر و کامیابی آپ واپس آئیں لندن سے — یہی سب کی دعا اس دم بصد جوش طبیعت ہے

---

[۵] ڈاکٹر سلیمان صاحب جونپوری - بیرسٹر ایٹ لاء۔

زباں پر سب کے جاری ہے یہ شعر حضرتِ اکبر		کہ جنکی نظم پہ نظمِ ثریا کو بھی حیرت ہے
	عطا کر قسمت تصنیفِ سعدی یارب اس گل کو پھلے پھولے زمانے میں گلستاں بوستاں ہو کر	
گو دلِ بیتاب امیدِ وطن پر شاد ہے		شاق لیکن فرقتِ منشی جگن پرشاد ہے

سنہ ۱۹۰۲ء

خوش پھر رہی ہے خلق خدا صبح عید ہے	ہر سمت زیب و زینت دنیا کی دید ہے
ہے جشن تاجپوشیِ قیصر بھی آج ہی	یہ اتفاق باعثِ لطفِ مزید ہے
بازار دھر پر ہے متاعِ سرور سستے	یا منفعت فروخت ہے دلکش خرید ہے
کشتہ ہے کوئی طرزِ مسِ خوشخرام کا	کوئی نگاہِ ناز بتاں کا شہید ہے
صوفی کی انجمن میں بھی شاہی کا ہے سماں	لطف نوائے مطرب و نذرِ مرید ہے
مست اپنے رنگ میں ہیں نئی روشنی کے دوست	اظہار جوشش طبع بہ طرزِ جدید ہے
ڈالی کسی نے بھیجی ہے حکام کے حضور	بیتاب دل میں شوق صد ورِ رسید ہے
جنکے سبوے دل میں ہے کچھ مایۂ نشاط	اس سے شراب طول امل کی کشید ہے
مجھکو خموش دیکھ کے پوچھا یہ چرخ نے	تو بھی اس آب و رنگ سے کچھ مستفید ہے
میں نے کہا کہ حالتِ عشاق ہے کچھ اور	پروانہ ہو وفا کی یہ آئینے بعید ہے
پیشِ نظر ہمارے ہے شامِ شبِ فراق	اس کی جو ہو سحر تو ہماری بھی عید ہے
لندن کو چھوڑ لڑکے اب ہند کی خبر لے	بنتی رہینگی باتیں آباد گھر تو کر لے
راہ اپنی اب بدل دے بس پاس کر کے چلدے	اپنے وطن کا رخ کر اور رخصتِ سفر لے
انگلش کی کر کے کاپی دنیا کی راہ ناپی	دینی طریق میں بھی اپنے قدم کو دھر لے
تیجر پکارتا ہے ہے اصل نسل تیری ہی	کہتی ہے ہسٹری بھی بس جا اور اپنا گھر لے
واپس نہیں جو آتا کیا منتظر ہے اس کا	ماں خستہ حال ہو لے بیچارہ باپ مر لے

سنہ ۱۷ آگرے سے تبدیلی کے وقت

مغرب کے مرشدوں سے تو پڑھ چکا بہت کچھ
پیرانِ مشرقی سے اب فیض کی نظر لے

میں بھی ہوں اک سخنور آتش کلام اکبر
اِن موتیوں سے آکر دامن کو اپنے بھر لے

کانفرنس احباب سے پُر ہے
سب کو یادِ اُستاد کا گُر ہے
جو صف ہے وہ سلکِ دُر ہے
دلکش ہر اسپیچ کا سُر ہے

قومی ترقی کی رادھا پیاری
تو من تیل کی فکر ہے طاری
بیٹھی ہیں پہنے جوڑا بھاری
چندے کی تحصیل ہے جاری

قوم پہ غالب کورٹ کے عملے
پھر یہ چندہ کیونکر دم لے
عملے ٹھہرے پارک کے گملے
کتنا ہی لے کوئی پھر بھی کم لے

لائی ہیں سکھیاں بھر کر جھولی
رنگ میں ڈوبی ہے سب کی چولی
خوب کھلی ہے برج میں ہولی
سب نے زباں اس گیت پہ کھولی

شیخ کو الفت ہو گئی مِس کی
اگلی دنیا دھر سے کھسکی
خوب پیئے اب شوق سے وِہسکی
بیٹھا کون ہے شرم ہے کس کی

جمع ہیں ممبر بھولے بھالے
آنکھیں پھاڑے دانت نکالے
جاڑوں کا موسم بھولے بھالے
چندہ دیکر پھنسنے والے

بعض ہیں بادہ و جام کے خواہاں
بعض فقط آرام کے خواہاں
بعض نمود و نام کے خواہاں
کم ہیں فیضِ عام کے خواہاں

مدعیانِ رونقِ دیں ہیں
واقفِ فن و ہنر سے نہیں ہیں
لیکن باہم برسرِ کیں ہیں
کم ہیں اُن میں جو آخر بیں ہیں

ہر دم قوم کا رونا کیا ہے
مفت میں روپیہ[1] کھونا کیا ہے
اِن باتوں سے ہونا کیا ہے
شور زمیں میں بونا کیا ہے

[1] میں نے قصداً اصلی تلفظ سے رجوع کیا ہے۔

دیکھ کے اک باضابطہ بھبکی آپ نے سب کی دولت ہپ کی	دنیا آپ کی جانب لپکی بزم جمالی خالی گپ کی
یہ وادی ہے طور سے خالی یہ جنّت ہے حور سے خالی	یہ محفل ہے نور سے خالی پاس ہے خالی دور سے خالی
دیکھتا ہے اک عمر سے بندا ہوتا ہے کچھ کام نہ دھندا	بس یہی باتیں اور یہی پھندا لاؤ چندا لاؤ چندا
سیّد کا جو عہد مشن تھا حسب ضرورت طرز سخن تھا	اُس سکّے کا ٹھیک چلن تھا وقت وہ اور تھا اور یہی سن تھا
بگڑا دیکھا بیٹا بھتیجا دل کہتا ہے بات کو بیچا	ایک کا جہلم ایک کا تیجا ساکت ہو دکھلا کے نتیجا
بھائیوں پہ منہ آئے جانا اگلا قصہ سنائے جانا	گائے گیت کو گائے جانا اُترا ڈھول بجائے جانا
بیٹھے روتے ہیں جنکے ہیں لڑکے دل میں یہی رہتے ہیں دھڑکے	دوڑتے ہیں بنگلوں پہ تڑکے مار نہ بیٹھے کوئی بگڑ کے
کیوں رنگ حق پوش میں آؤ مذہب کے آغوش میں آؤ	غیرت پکڑو جوش میں آؤ غافل بندو ہوش میں آؤ
اک انگریز نے بات یہ کہدی اُس بازی کو ہمیں نے شہ دی	جس نے ترقی وہ دی یہ دی کیسے سیّد کیسے مہدی
گرمیوں میں بچوں کو تھکانا اور اسپر یہ بات بنانا	شہروں شہروں بھیک منگانا مفلس لڑکوں کا ہو گا ٹھکانا
آپ کہیں معیوب نہیں ہے	ہم کو تو مرغوب نہیں ہے

عمدہ یہ اسلوب نہیں ہے	ہاں یہ طریقہ خوب نہیں ہے
اس سے بگڑتی ہے قومی حالت کہتے ہو ہو گی جو یہ جمعیت	جاتی رہتی ہے شرم کی خصلت ہو گا میل بڑھے گی الفت
تڑپو گے جیسا جال کے اندر کیا ہوا تیس ہی سال کے اندر	جال گھسے گا کھال کے اندر غور کرو اس حال کے اندر
کام بہت ہیں لوکل و ذاتی مفت میں بچوں کو کرکے براتی	آن کی فکر تو کی نہیں جاتی قوم کی گاتے ہیں بھائی وفاتی
کینہ ہم کو ہے نہ حسد ہے لیکن یہ ارشادِ خرد ہے	دل میں ضد ہے نہ کوئی کد ہے بھائی ہر شے کی اک حد ہے
آزادی کی پی کے برانڈی گاتا ہے قومی کشتی کا ڈانڈی	آپ چلاتے ہیں ڈونڈا یا نڈی مکتب گرم ہے سرد ہے ہانڈی
بزمِ عزا میں کیوں نہ ہو شرکت صوفیوں کی کیوں ڈھونڈیں نہ صحبت	جس سے ہو دل میں پیدا عبرت قلب کو جس سے پہنچے فرحت
یہ بے معنی مجلس کیسی یہ بے حکم کی آفس کیسی	یہ ناحق کی گھس گھس کیسی بات یہ سٹرم پوئیس کیسی
ہو گیا عقل میں کون اضافہ دیکھ لیا یاروں کا قیافہ	خوشبو پھیلی نہ دیکھا نافہ پایا بس خوش رنگ لفافہ
قوم سے اسکی گاڑھی کمائی اور وہ یوں بے سود گنوائی	آپ نے فقرہ دے کے اڑائی شاہِ لندن تیری دہائی
دوڑاؤ تدبیر کے ریشے صناعی کے چلاؤ تیشے	قوم میں پھیلیں فن اور پیشے تاکہ کٹیں افلاس کے بیشے

تم ہو فکرِ جاہ میں اُلجھے نافہموں کی واہ میں اُلجھے	شہرت و شان کی چاہ میں اُلجھے دل کیونکر اللہ میں اُلجھے
خالق کی توحید سکھاؤ ملحد کی تردید سکھاؤ	عقبیٰ کی تمہید سکھاؤ روحانی امید سکھاؤ
مذہب کی تعلیم زبانی مُلّا خود جو نہ ہو حقانی	طوطا مینا کی ہے کہانی پھر تو مکتب ہے شیطانی
جب ہوں گرو جی خود البیلے راہ پر آئیں کیونکر چیلے	خوب رچائیں میلے ٹھیلے مندر میں کیوں جائیں اکیلے
اگوا خود جب حق سے ہو غافل ساتھی کیوں نہ چلیں رہِ باطل	دنیا ہی دنیا دل میں ہو داخل کیونکر دیں ہو آن کو حاصل
جس نے خیمہ یہاں پہ گاڑا لیکن قوم کو کیوں ہے پچھاڑا	اُس کو مبارک ہو یہ اکھاڑا اس نغمے پہ گلا کیوں پھاڑا

عشرتِ گھر کی محبت کا مزا بھول گئے
کھا کے لندن کی ہوا عہد وفا بھول گئے

پہونچے ہوٹل میں تو پھر عید کی پروا نہ رہی
کیک کو چکھ کے سوئیوں کا مزا بھول گئے

بھولے ماں باپ کو اغیار کے چرچوں میں ہائے
سایۂ کفر پڑا نورِ خدا بھول گئے

موم کی پتلیوں پر ایسی طبیعت پگھلی
چمنِ ہند کی پریوں کی ادا بھول گئے

کیسے کیسے دل نازک کو دکھایا تم نے
خبرِ فیصلۂ روزِ جزا بھول گئے

بخل ہے اہل وطن سے جو وفا میں تم کو
کیا بزرگوں کی وہ سب جود و عطا بھول گئے

نقل مغرب کی ترنگ آئی تمہارے دل میں
اور یہ نکتہ کہ مری اصل ہے کیا بھول گئے

کیا تعجب ہے جو لڑکوں نے بھلایا گھر کو
جبکہ بوڑھے روشِ دیں خدا بھول گئے

بنام منشی نثار حسین صاحب مہتمم پیام یار لکھنؤ

نامہ کوئی نہ یار کا پیغام بھیجئے
اس فصل میں جو بھیجئے بس آم بھیجئے

ایسے ضرور ہوں کہ انھیں رکھ کے کھا سکوں
پختہ اگر ہوں بیس تو دس خام بھیجئے

معلوم ہی ہے آپکو بندے کا ایڈرس
سیدھے الہ آباد مرے نام بھیجئے

ایسا نہ ہو کہ آپ یہ لکھیں جواب میں
تعمیل ہوگی پہلے مگر دام بھیجئے

مرثیہ

دھمپور آج کیوں اس درجہ وقفِ حسرت و غم ہے
یہ کیا باعث کہ برپا ہر طرف اک شورِ ماتم ہے

الٰہی کیا قیامت آگئی ہے کیا یہ عالم ہے
کہ جسکو دیکھئے مغموم ہے با چشمِ پرنم ہے

یہ ماتم ہو رہا ہے کس کی مرگِ ناگہانی پر
گری برقِ اجل بے وقت کسکی نوجوانی پر

کنور عبد العزیز اک نوجواں ماں باپ کا پیارا
گلِ باغِ ریاست ہر اک کی آنکھ کا تارا

اُسے دورِ فلک نے ناگہاں تیرِ اجل مارا
کسی کا بس نہیں اللہ کی مرضی میں کیا چارا

تلاطم ہے ریاست میں عزیزونکا جگر خوں ہے
ہوا خواہوں کو صدمہ ہے دلِ احباب محزوں ہے

تماشے دیکھتے ہیں آپ اِس دنیائے فانی کے
ابھی ہے بات کل کی غلغلے تھے شادمانی کے

اُمنگیں تھیں مزے تھے دلولے تھے نوجوانی کے
عیاں تھے ہر طرف اسباب عیش و کامرانی کے

ابھی یہ دیکھئے آہ و بکا ہے شور و شیون ہے
جنازہ اُٹھ رہا ہے اہتمامِ گور و مدفن ہے

رہو خاموش اکبر شورِ فریاد و فغاں تا کے
یہ آہِ آتشیں یہ قصۂ سوزِ نہاں تا کے

سمجھ لو خود تمھیں کبتک یہ غم کی داستاں تا کے
اگر سارا جہاں بھی ہو تو پھر سارا جہاں تا کے

اگر تاریخ رحلت تم کو لکھنی ہے صفائی سے
رہو ساکت ملا دو صبر کو داغِ جدائی سے

۲۹۲ ۱۰۲۳ ۱۳۱۵ھ

قصیدہ مبارکباد جشن جوبلی ملکہ معظمہ قیصر ہند دام اقبالہا حسب ایمائے مسٹر ہاول صاحب جج سنہ ۱۸۸۷ء

زمانے میں خوشی کا دور ہے عشرت کا ساماں ہے
بہ رنگِ گل ہر اک باغِ جہاں میں آج خنداں ہے

کوئن وکٹوریہ کی جوبلی کی دہوم ہے ہر سو
ادھر ہے نغمۂ عشرت اُدھر نورِ چراغاں ہے

جدھر دیکھو کھلی پڑتی ہیں کلیاں صحنِ گلشن میں
بھرا جوشِ مسرت سے ہر اک مرغِ خوش الحاں ہے

لبانِ بوئے گل ہر اک ہے باہر اپنے جامے سے
نسیمِ گلشنِ عیش و مسرت عطر افشاں ہے

چمک کر ہو گیا زیرِ فلک رشکِ قمر ہر گھر
یہی شب ہے کہ جسکا نور رشکِ مہرِ تاباں ہے

فروغ اپنا جو دکھلاتی ہیں آتشبازیاں ہر سو
کواکب مضمحل ہیں دیدۂ افلاک حیراں ہے

کہیں ہے رقص کی محفل کہیں ہے جلسۂ دعوت
کہیں تصویر بنتی ہے کہیں سرو چراغاں ہے

کہیں خیرات خانے جاری ہوتے ہیں کہیں مکتب
کہیں تقسیم کپڑوں کی ہے یہ فصلِ زمستاں ہے

اثر جوشِ مسرت کا ہے ہر ادنیٰ و اعلیٰ پر
کوئی فرمانروا ہے یا کوئی کم مایہ دہقاں ہے

کوئی ہے محوِ آسایش کوئی مصروفِ آرایش
شگفتہ مثلِ گل چہرہ ہے دل شاداں و فرحاں ہے

تعجب کیا اگر ایسی خوشی ہے اہلِ عالم کو
یہ حیرت کیا جو قیصر کا ہر اک دل سے ثنا خواں ہے

سریر آرائے پنجاہ سالہ خیر و خوبی سے
محلِ لطفِ باری ہے مقامِ شکرِ یزداں ہے

یہی ہندوستاں سب کہتے ہیں جنت نشاں جسکو
کوئین وکٹوریہ کے عہد میں رشکِ گلستاں ہے

رئیس امن و اماں سے ناظرِ حالِ ریاست ہیں
ہری کھیتی زمینداروں کی ہے سرسبز دہقاں ہے

کبھی بدلی کرے گر قطرہ افشانی ہیں کیا پروا
کہ فیضِ نہر دامانِ زمیں پر گوہر افشاں ہے

نظر سلطاں کی ہے خاص تعلیم رعایا پر
اشاعت علم کی یہ ہے کہ سبکی عقل حیراں ہے

ہزاروں مدرسے قائم ہوے ہیں سیکڑوں کالج
جہاں فکرِ ارسطو بھی بس اک طفلِ دبستاں ہے

جہاں چلتا نہ تھا کچھ زور واں اب ریل چلتی ہے
میسر خاکساروں کو بھی اب تختِ سلیماں ہے

نہ کچھ کھٹکا ہے چوروں کا نہ قزاقوں کی ہے دہشت
رواں بے زحمت و خوف و خطر ہر سمت انساں ہے

تجارت کی بھی ایسی ہو رہی ہے گرم بازاری ۔ کہ سامانِ معیشت جنسِ ایسی بھی اب ارزاں ہے
طلسمِ تازہ دیکھا کارخانہ تارِ برقی کا ۔ زبانِ تار پر وہ بات ہی جو لبیں پنہاں ہے
شبِ تیرہ میں بھی وہ نور ہے اقبالِ قیصر کا ۔ کہ ہر ذرہ نگاہِ دزد میں مہرِ درخشاں ہے
رعایا کے حقوق اب ہر طرح محفوظ رہتے ہیں ۔ ادھر قانون حامی ہے ادھر حاکم نگہباں ہے
محبت بڑھ رہی ہے فاتح و مفتوح میں باہم ۔ گرہ جو دل میں تھی وہ اب مثالِ درِ غلطاں ہے
پریس کو بھی ہے عہدِ امپریس میں کامل آزادی ۔ زبانِ خامۂ مضمون نگاراں سیفِ برّاں ہے
توجہ ہے مفیدِ عام کاموں کی طرف سبکی ۔ کوئی ہے علم کا طالب ہنر کا کوئی خواہاں ہے
شفا خانوں نے ثابت کر دیا ہے اس مقولے کو ۔ پئے ہر رنج راحت ہے پئے ہر درد درماں ہے
خلوص و صدقِ دل سے ہے دعا ہندو مسلماں کی ۔ کہ یارب جب تلک یہ گردشِ گردونِ گرداں ہے
فروغِ مہر و مہ سے جب تلک ہے زینتِ عالم ۔ نشاط انگیز جبتک انتظامِ باد و باراں ہے
دلِ اہلِ جہاں ہے جب تلک مرکز تمنا کا ۔ ہوائے آرزو جبتک محیطِ قلبِ انساں ہے
خدا کے نام کی عزت ہے جبتک اہلِ دانش میں ۔ تجلی علم کی جب تک چراغِ راہِ عرفاں ہے
ہماری حضرتِ قیصر رہیں اقبال و صحت سے ۔ کہ جنکا آفتابِ عدل اس کشور پہ تاباں ہے

خدا اے عشرتی تم کو ہمیشہ شادماں رکھے ۔ خلائق سے تمہیں خوش انکو تم پر مہرباں رکھے
کرے مملو تمہاری طبع کو رنگیں خیالی سے ۔ تمہارے دفترِ دل کو گلستاں بوستاں رکھے

ہند میں ہیں ہم اور نورِ نظر لندن میں ہے ۔ سینۂ پرغم ہے یاں لختِ جگر لندن میں ہے

دفترِ تدبیر تو کھولا گیا ہے ہند میں
فیصلہ قسمت کا اے اکبر مگر لندن میں ہے

آں نونہالِ خوبی ناگہ دو ہفتۂ من ۔ در نونہار عمرش رفت از فضائے ہستی
پیمانۂ مے غم سرشار و پیشم کرد ۔ رفتم سپہر مزاجش در بیخودی و مستی
آہے ز دل کشیدم گفتم کہ اے مہِ من ۔ با ایں کمال رفعت حیف است میلِ پستی

آخر چہ پیشیت آمد اے شمع محفلِ من	در گوشۂ نشستی و ز انجمن گسستی
آخر چہ شد کہ رفتی اے رونقِ گلستاں	در موسم بہاراں رنگِ چمن شکستی
اے برق وش چہ داری نسبت بگو رتیرہ	اے شعلہ رو بخاکِ تربت چرا نشستی
اے خوش نگاہ واکن چشمان سحر آگیں	چیزے بگو بہ عاشق لبہا چرا بہ بستی
ناگہ ندائے از غیب آمد بگوش جانم	کاے بیخبر ز ایماں اے محو بت پرستی
آنرا کہ شعلہ خوانی و آنرا کہ برق دانی	آں جملہ بود رنگِ نقشِ طلسم ہستی
آں رنگہا پرید و بویش بماند رازے	رازے کہ کس نداند در بند خود پرستی
عبرت کشود چشم حیرت بہ ہوشم آورد	در سینہ دفن کردم جوشِ خروشِ ہستی

تاریخ فوت گفتم در صنعت عجیبے
بوٹا بروں شد اکبر از گردِ باغ ہستی
٤٠٩ ٢٠٢ ٢٠٩ سنہ ١٢٩٣ھ

بیکار جگر ہے مضمحل گردہ ہے	جس دوست کو دیکھیے وہ افسردہ ہے
گو نبض زباں سے زندگی ہے ظاہر	دل کو جو ٹٹولیے تو وہ مردہ ہے
بہتر ہے یہی کہ اب علیگڈھ چلیے	رکیے نہ کسی کیواسطے بڑھ چلیے
جس فن کا ہو درس ہو جیئے اسمیں شریک	جو پیش آئے سبق اسے پڑھ چلیے
تھوڑی سا بزرگ صاحبِ جاہ تو ہے	سنجیدہ کلام کے لیئے واہ تو ہے
منزل کا اگر پتا نہیں ہے نہ سہی	دلکش روشیں ہیں دلکشا راہ تو ہے

یہ نظم ایک لمبی تمہید و تحسین کے ساتھ ١٦ ۔ مئی سنہ ١٩٠٢ھ کے انسٹیٹیوٹ گزٹ میں چھاپی گئی
میں نے پرائیوٹ خط لکھا تھا

مولانا سے گڑوی

پھرے اک مولوی صاحب جو کل دربار دہلی سے	یہ پوچھا میں نے کچھ لائے بھی تم سرکار دہلی سے

وہ بولے ہنس کے اے اکبر کہوں کیا تجھ سے حال اپنا
اسی مطلع سے بس کرتا ہوں اظہار خیال اپنا

ادھر سرخی مئے گلگوں کی تھی انڈے کی زردی تھی
ادھر ریش سپید اپنی تھی اور شدت سے سردی تھی

مولانا محو عشق یزدانی تھے
بیشک اس عہد میں وہ لاثانی تھے

بھولیں نہ کبھی انھیں محبان رسول
یعنی رحیمی شریف کے بانی تھے

مقام آگرہ

ڈپٹی صاحب جو یہ ہیں زینت عباد جہاں
پختہ وضعی کے ہیں انداز دکھانے والے

للو پتو سے الگ اور زوائد سے بری
بس مصلے ہی پہ ہیں چھاؤنی چھانے والے

ساز پہ ہاتھ پڑا اور ہوئے رخصت آپ
رہ گئے کھول کے متین بجانے والے

انسپکٹر ہیں جو یہ خان بہادر صاحب[۱]
رعب حاکم دل دنیا پہ بٹھانے والے

نیچ کے جلوؤں میں بھی تہذیب کی تصویر ہیں آپ
اگلے اسلام کی ہیں یاد دلانے والے

دوستوں کے لئے بازو کا ہیں تعویذ جناب
رہزنوں کو یہ ہیں سولی پہ چڑھانے والے

شان اللہ کی ہیں برکت[۲] و اسرار[۳] و مجید[۴]
انکے اخلاق کے قائل ہیں زمانے والے

فیض آن کا سبب رونق عیش احباب
تاج زریں سر عشرت[۵] پہ اڑھانے والے

[۱] خان بہادر مولانا شاہ محمد حسین صاحب۔ [۲] مولوی برکت اللہ صاحب رئیس غازیپور
[۳] اسرار حسین خاں صاحب مدار المہام ریاست بھوپال [۴] خان بہادر عبدالمجید خاں صاحب مرحوم
[۵] سید عشرت حسین

متفرقات

الف

ترے پرتو سے اے جانِ جہاں ظلمت میں نور آیا
ترے فیضِ تجلّی سے یہ ذرّوں میں شعور آیا

لطافت کو نہ چھوڑے رنگ تیری شادی و غم کا
ہنسی آئے تو پھولوں کی جو رونا ہو تو شبنم کا

ترا چہرہ ہے منظر چشمِ شوق نورِ عرفاں کا
ترا عشوہ ہے مصدر جلوہ ہائے فیضِ یزداں کا

شباب عمر نے کھویا طمع نے دین لیا
فلک نے ہم سے بڑی نعمتوں کو چھین لیا

ہوائے دے بھی ہے عنبر افشاں عروج بھی ہے مہِ مبیں کا
نثار ہونے کی دو اجازت محل نہیں ہے نہیں نہیں کا

تا چند پرسی اے خرد ایں از کجا و ایں از کجا
تو از کجائی ایں بگو تا گویمت ویں از کجا

مرے سے زندگی کٹتی جو دل قابو میں آ جاتا
مگر ایسا تو جب ہوتا کہ وہ پہلو میں آ جاتا

مرتبہ اس سے بھی دنیا میں سوا ہو آپ کا
یاد رکھیے گا کہ میں بھی ہوں دعا گو آپ کا

نہ ہو یادِ خدا تو نورِ باطن ہو نہیں سکتا
نہ ہو طالع اگر خورشید تو دن ہو نہیں سکتا

بنگالی ہاتھ میں قلم لے تو کیا
ہندی کی نجات ہے نہایت مشکل
مسلم جو مثالِ بزمِ جم لے تو کیا
سو مرتبہ مر کے وہ جنم لے تو کیا

نہیں ہے رحم قاتل میں یہی ہوتا تو پھر کیا تھا
کہاں ہے صبر یاں دل میں یہی ہوتا تو پھر کیا تھا

ہجومِ بلبل ہوا چمن میں کیا جو گل نے جمال پیدا
کمی نہیں قدرداں کی اکبر کرے تو کوئی کمال پیدا

آپ کا برتاؤ موسم کے موافق تھا حضور
واقعی اسکے اثر سے دل بخوبی پک گیا

کدھر ہے رنگِ مخالفت لے زمانہ بالاتفاق بدلا
خود اپنے نورِ نظر کو دیکھو نگاہ بدلی مذاق بدلا

تری ترچھی نظر سے ہمکو ڈر کیا
محبت کی تو پھر دل کیا جگر کیا

اک فلسفہ ہے تیغ کا اور اک سکوت کا
باقی جو ہے وہ تار ہے بس عنکبوت کا

باہم شب وصال غلط فہمیاں ہوئیں
مجھکو پری کا شبہ ہوا اُن کو بھوت کا

ہنگام نزع ہوش جو غائب ہوے تو کیا
اسوقت وہ غرور سے تائب ہوے تو کیا

مناسب ہے یہی دلبر جو کچھ گذرے اُسے سہنا
نہ کچھ قصہ نہ کچھ جھگڑا نہ کچھ سُننا نہ کچھ کہنا

تماشا دیکھ اکبر دیدۂ عبرت سے دنیا کا
اجل کی نیند جب آئے لحد میں جا کے سو رہنا

بت نہ کہتے ہوں جسے ہے یہ ہمارا بندا
ہے بھی ایسا کوئی اللہ کا پیارا بندا

انھیں غمزوں میں آساں ہے معانی کا ادا کرنا
مجھے لفظوں میں مشکل ہے بیانِ مدعا کرنا

عشوہ و ناز و ادا سے مسکرانا آگیا
چشم بد دور آپ کو بجلی گرانا آگیا

سراسر جلوۂ حسن متاعِ زلف لیلےٰ تھا
محلِ رشک اس بازار میں مجنوں کا سودا تھا

سمجھے تھے لوگ جسکو ہمارا انھیں کا تھا
کچھ غل مچا تو یہ بھی اشارا انھیں کا تھا

اب سانس بھی نہ لینگے دبائیں گلا وہ کیوں
ہمکو تو زندگی میں سہارا انھیں کا تھا

اُٹھنے دیا نہ کیوں مرے ذرات خاک کو
اے چرخ اوج پر تو ستارا انھیں کا تھا

آزادیوں کے شوق میں اُبھرا تھا دل اگر
اُسکی خطا نہ تھی وہ اُبھارا انھیں کا تھا

خضر سمجھے ہو جسے غول بیابانی ہے
غلط امید کے جنگل میں تھکا ماریگا
جانستانی میں نہ چھوڑیگا دقیقہ باقی
دلستانی کے لئے لات دقا ماریگا

کفر ہے معنی میں تیرے لفظ ہے اسلام کا
نفس نے اک حیلہ پایا ہے خدا کے نام کا

کہتے ہیں مغلوب ہے اکبر خیالِ حور سے
کہدو یہ بہتر ہے چھوٹے بسکٹوں کے چور سے

راہ وحشت میں اگر قیس سے لغزش ہو جائے
حیف لیلےٰ پہ جو آمادۂ کاوش ہو جائے

وہ دست درازیوں سے کب ہے تائب
ہے حافظِ دیں یہ شیخ فکر صائب
رخصت ہو جو علم دیں تو پھر دین بھی جائے
گل ہو جو چراغ ابھی ہو پگڑی غائب

عفو کن یارب اگر تقوی نماند برقرار
دل بہ پہلو ہست و کارم با شباب افتادہ است

چراغ دیر بھی دلکش حرم کی شمع بھی درست
اسی سے چشم بصیرت نے کہدیا ہمہ اوست

ہیں قوس دماغ میں مرے سہم بہت
سنئیے یہ خیال جس میں ہے وہم بہت
قومی مجلس میں اب سخن فہم ہیں کم
دربار میں گو کہ ہیں گزٹ فہم بہت

دیکھ کاریگری ئے حضرتِ سیدّ اے شیخ
دیکھئیے تو تج وہ مذہب میں کمانی کی طرح
سحرِ ہستی کا بھی دور چلا جاتا ہے
برف کی طرح جیسے بہ گئے پانی کی طرح

بھر وسلا اُنپہ کرکے مجھ کو پچھتانا پڑا آخر
بڑا دعویٰ کیا تھا میں نے۔ شرمانا پڑا آخر

ولولے اُٹھتے ہیں دل میں دیکھکر اُنکا جمال
حوصلے ہوتے ہیں پست اُنکی نظر کو دیکھکر

مقابل کفر کے تھی وہ نمودِ اسلام کی اکبر
مگر اب انقلابِ دھر سے باقی کہاں کافر
نصاریٰ قبلۂ مقصود ہیں ہندو بُرادر ہیں
زبیں شعر ہی میں رہ گئی زلفِ بتاں کافر

زن زمیں زر تو ہے فساد کا گھر
لیکن اتنا کہونگا اے اکبر
زن منکوحۂ شریف و غریب
کیا عجب ہے کہ ہے جو امن نصیب
ہو جو بس آمدِ زرِ تنخواہ
تو نہیں حاجتِ وکیل و گواہ
ہو جو تھوڑی سی باغ ہی کی زمیں
تو کلکٹر کا ڈر زیادہ نہیں

شراب ولسے مست ہیں وہ مئے قناعت سے ہم ہیں خوش
نہیں ہے کچھ باہمی تعلق وہ اپنے گھر خوش ہم اپنے گھر خوش

سخن شناس سے میں چاہتا ہوں دادِ سخن
خوشی کے واسطے کافی ہے مجھکو واہ فقط
سوسائٹی نہیں ملتی کہ جس سے دل بہلے
جو کوئی مونس و ہمدم ہے اب تو آہ فقط
شرف ہے جبکہ بیرسٹری سے جنکو یہاں
مقدموں ہی کی وہ دیکھتے ہیں راہ فقط
بیاضِ شعر سے مطلب نہیں کلرکوں کو
رجسٹروں ہی کو کرتے ہیں وہ سیاہ فقط

رزق ما یحتاج جب دیدے تجھے اللہ پاک
کر عبادت میں بسر اور سر کو رکھ بالائے خاک
پالسی مسلم کی دیکھی اور ہندو کی ترنگ
اُسمیں ہے اکثر رکاکت یہ ہے اکثر خوفناک

بیٹھا رہا میں صبح سے اُس در پہ شام تک
افسوس ہے ہوا نہ میسّر سلام تک

دلوں پہ مارے جاتے ہیں چھاپہ شکسپیر
پڑھو گے حضرتِ سعدی کی بوستان کب تک

تمہیں سے اٹھ گیا مردی کی شرم کا پردہ
اس انقلاب کا اب انقلاب ہے دشوار
تو پھر نقابِ حجابِ رخِ زناں کب تک
رہوگے منتظرِ مہرِ آسماں کب تک

نہ ترے اونٹ ہو نہ ہو بلڈاگ
چال ہے اعتدال کی اچھی
نہ تو مٹی ہی ہو نہ تم ہو آگ
سازِ حکمت کا جوڑ ہے یہ راگ

جس نے دیکھا ہو گیا عاشق
واہ رے صورت واہ رے خالق

فیض کالج سے جوانی رہ گئی بالائے طاق
وہ چراغوں سے ہیں جلتے ایسے ہیں روشن ضمیر
امتحاں پیشِ نظر اور عاشقی بالائے طاق
کہتے ہیں رکھئے چراغِ روشنی بالائے طاق

اپنی زباں میں شمع یہ کہتی ہے رازِ دل
روشن نفس نہیں تو جس میں گدازِ دل

کیوں کرنے لگے وہ بیچ گدا سے باتیں
میں سجدہ میں کہہ رہا ہوں سبحان اللہ
زوروں یہ ہیں کرتے ہیں ہوا سے باتیں
بیلوں[له] میں وہ کریں خدا سے باتیں

یہی کافی ہے مجھکو اہلِ ایماں باصفا سمجھیں
نہیں پروا منافق بد کہیں مرتد بے جا سمجھیں

رقیبوں نے بہت نظمیں پڑھیں اور دُر فشانی کی
میں اشک آنکھوں میں بھر لایا بلاغت اسکو کہتے ہیں

کوئی کہتا نہیں سیاح ہوں فطرت کا ماہر ہوں
میں اپنے نوکروں کو ڈھونڈھتا پھرتا ہوں بنگلے میں
یہیں تک فخر کی حد ہے پیٹ پٹی ہوں میں ناظر ہوں
کوئی ہے ۔ لاکھ کہئے کوں کہتا ہے کہ حاضر ہوں

جو محو ہیں کبر و زینت کے عقبیٰ و خدا سے غافل ہیں
اربابِ بصیرت کے آگے حشرات الارض میں داخل ہیں

ممکن نہیں ہم انکی کوئی بات ٹال دیں
دیں حکم اگر تو سینہ سے دل کو نکال دیں

طاعتِ حق پر وہ میلانِ دلِ قوم اب کہاں
وہ نمازِ صبحدم خیر من النوم اب کہاں

پتا میرا یہی ہے منزلِ ہستی میں اے اکبر
مریدِ حضرتِ دل ہوں مقیمِ خانۂ تن ہوں

بصارت نے کمی کی انحطاطِ عمر میں اکبر
بصیرت ہے تو آنکھیں مجھے اب آنکھیں چرانی ہیں

مرے سازِ سخن سے پست فطرت کو تنغص ہے
بیا تو بے تُرا سمجھا گیا بزمِ شغالاں میں

جو بات مناسب ہے وہ حاصل نہیں کرتے
جو اپنی گرہ میں ہے اسے کھو بھی رہے ہیں

[له] غبارہ

بے علم بھی ہم لوگ ہیں غفلت بھی ہے طاری
افسوس کہ اندھے بھی ہیں اور سو بھی رہے ہیں

چہرۂ یورپ کا میں پروانہ ہوں
اسکی ہر اک بات کا دیوانہ ہوں
شب میں پیدائش ہوئی ہی پیش شمع
جلوۂ خورشید سے بیگانہ ہوں

جو حسرتِ دل ہے وہ نکلنے کی نہیں
جو بات ہے کام کی وہ چلنے کی نہیں
یہ بھی ہے بہت کہ دل سنبھالے رہیے
قومی حالت یہاں سنبھلنے کی نہیں

حواس وفہم میں اُلجھے ہوئے ہیں
برات وسہم میں اُلجھے ہوئے ہیں
خدا تک ہے رسائی سخت دشوار
سب اپنے وہم میں اُلجھے ہوئے ہیں

سنہ ۱۸۷۵ء

دینی پہلو کو اے برادر دیکھو
کانٹوں سے ہو محترز گل تر دیکھو
سطحِ اکبر ہوئی ہے منقوش قلوب
آنکھیں ہوں اگر خدا کا دفتر دیکھو

قرآں سے نہ واقف ہیں نہ انجیل کے پیرو
بایں ہمہ ہے شوق ترقی میں تگ و دو

ادبار کے ہیں یہ دن اولوالعزم نہ ہو
ہوئی ہے شکست مائلِ رزم نہ ہو
رونق محفل کی اب نہیں ہے تجھ سے
گوشے ہی میں بیٹھ عازمِ بزم نہ ہو

خدا رکھے سلامت اُس نظر کو
کہ جس نے سیم کو چھوڑا نہ زر کو

مرشد نے کہا اٹھئے حضرت معنی نہ سہی صحبت تو وہ ہو
گھر چھوڑ کے بیٹھئے بنگلے میں طاقت نہ سہی نیت تو وہ ہو
اس نقش کی کر دو نہ خاں پیری تقدیر رہیگی پھر نہ تیری
راس آئیگی تم کو بادہ خوری مجلس تو وہ ہو صحبت تو وہ ہو

تصدیق ادھر شوق اُدھر بالارادہ جھوٹ
اس سے زیادہ مگر نہ اُس سے زیادہ جھوٹ
عارض نہ اُنکا گل ہے نہ دل میرا آئینہ
رنگیں جھوٹ وہ ہے اگر یہ ہی سادہ جھوٹ

ہوا ہوں میں متحمل نہایت دیا رہا ہے فلک کا غمزہ
عرب تصرف کرے تو شاید الف کی صورت میں آئے ہمزہ

ملکی ترقیوں میں دوا ہے نکالیے
پلٹن نہیں تو خیر رسالے نکالیے
کافی ہے بہر شغل کلیسائے فکر رزق
اب دل سے مسجد اور شوالے نکالیے

سراسر نورِ تقویٰ سایہ پر قربان کر آئے
فرق کیا عاشق و واعظ میں بتائیں تم سے

یہ کیا اچھا کیا تم نے اگر نہ کھو کے بس لائے
اُسکی حجت میں کٹی اُنکی محبت میں کٹی

یہی فتوائے نیچر ہے کہ ہم بھی ہو رہیں اُنکے
ملائیں کسطرح سر حد پر نزلہ ہے مذہب کا
مگر قومی اطبا آدرہی کردیں گے یہ نزلہ

زر اُنکا زور اُنکا علم اُنکا سلطنت اُنکی
بہت اونچے سروں میں بج رہی ہے اب تو گت اُنکی
قوی اطفال کو کر دیگی آخر تربیت اُنکی

تھا شوق ادائے مغضب اک حسن کے ساتھ
دیوانہ تھی قوم عشق میں پریوں کے

اکبر نے جو فکر کی تو وہ بات بنی
پکڑی ہی گئی اور غلام جنات بنی

جبتک ہم میں ہے قومی خصلت باقی
چالیس برس کی بات ہے یہ شاید

بیشک پردے کی ہے ضرورت باقی
بعد اُسکے رہے گی پھر نہ حجت باقی

زاہد کی طبع دیکھ کے اُس بت کو جچ گئی
اکبر ہی تھا کہ دیں میں دل کو چھپا لیا

وہ کیا تمام ملک میں اک دھوم مچ گئی
وہ بھی کہاں بچا یہ کہو جان بچ گئی

شیخ سید سے تو خالی نہیں ذکرِ شاعر

ذات سے انکی مخاطب نہیں فکرِ شاعر

طبعِ مجنوں مری ہے نا حق ملت اید وست

کیوں رو ر کھتا ہے نا حق مری ملت اید وست

راہِ وحشت میں اگر قیس سے لغزش ہو جائے

حیف لیلیٰ پہ جو آمادہ کاوش ہو جائے

رہ گئے کم عربی شعر سمجھنے والے

چل بسے گیسوئے لیلیٰ میں اُلجھنے والے

فتوائے کفر دنیا واعظ کی بیحسی ہے

یہ عشق بت نہیں ہے اکبر کی پالسی ہے

یہ بزم ساقی عجیب جگہ ہے کہ روح بیخود پڑی ہوئی ہے

حواسِ منطق کی عقل گم ہے دلیل حیراں کھڑی ہوئی ہے

خبر دل کی بس دلخواہ جانے
رہی اب عاقبت کی بحث اکبر

خبر ایماں کی شیخِ جاہ جانے
سو اسکا حال تو اللہ جانے

شوق شہرت بھی برا زر کی بری چاہ بھی ہے
ہاں مگر حسنِ صفت زہرہ جبیں آفت دیں

نفرت انگیز نظر میں ہوسِ جاہ بھی ہے
اس سے مجبور تو یہ بندہ درگاہ بھی ہے

کمالِ شوق میں صرف اک نظارہ کافی ہے	کہ حسن خود ہی ہے عاقل اشارہ کافی ہے
حسنِ نورِ شمع ہر محفل میں ہر شب ہے وہی	موسمِ باراں میں لیکن کثرتِ پروانہ ہے
بہ چشمِ غور دیکھو بلبل و پروانہ کی حالت وہ پھنستی ہے قفس میں اور اسکا نام روشن ہے	وہ اک سیچیں دیا کرتی ہے اور وہ جان دیتا ہے ہوا پر خیمۂ معنی کو اکبر تان دیتا ہے
حالت پہلی سی اب کہاں میری ہے سینہ میرا ہے دل نہیں ہے میرا	حیرت انگیز داستاں میری ہے میری نہیں بات گو زباں میری ہے
واعظ کا دل بھی سوزِ محبت سے گرم ہے	چپ رہنے پہ نہ جاؤ یہ دنیا کی شرم ہے
اترائی خود نمائی میں اگر دولت تو کیا اکبر	خدا کو مانکر جو دیں وہی اہل کرم اچھے
فیضِ حضرت بہر نمط ہوتا ہے ہر امر غلط کی ہوتی ہے یاں تصحیح	دل کو مرے حظ نہیں فقط ہوتا ہے اور لطف یہ ہے کہ غم غلط ہوتا ہے
میرے اکبر سا ابھی وہ بھی نہیں دیکھا کوئی	کہتا ہے اونکی کمر مجھ کو نظر آتی ہے
مایوس کر رہا ہے نئی روشنی کا رنگ تقدیس ماسٹر کی نہ لیڈر کا فاتحہ	اسکا نہ کچھ ادب ہے نہ کچھ اعتبار ہے یعنی نہ نور دل ہے نہ شمع مزار ہے
بوڑھے ہوئے کتاب سے بوس و کنار ہے اپنی جبیں سے چین کے مالک اگر ہو تم	اپنے لئے الف ہی بس اب قدِ یار ہے میں بھی ہوں شاہِ روس کہ دل میرا زار ہے
زندگی سے اب طبیعت سیر ہے کون و مکاں ظہورِ جمالِ حضور ہے	موت کیوں آتی نہیں کیا دیر ہے غافل اسیرِ دامِ فریبِ شعور ہے
یا امیٹیشن[1] کے صدقے چاہے دودھ اور کھانڈ لے یا قناعت اور طاعت میں بسر کر زندگی	یا ایجیٹیشن[2] کے بدلے تو چلا جا مانڈ لے رزق کی کشتی کو کھینے پتوار لے اور ڈانڈ لے
دنیا کی حرص و آز کا واعظ شہید ہے	گو پیر ہو گیا ہے مگر زن مرید ہے
جبتک ہے زندہ آرزو مند رہے	جب مر گئے ہم تو قبر میں بند رہے

[1] Imitation نقل اتارنا — [2] Agitation مخالفانہ جوش

اب حشر میں خلد و نار کا ہے جھگڑا
دیکھیں یہ امید و بیم تا چند رہے

حاصل ہو کچھ معاش یہ محنت کی بات ہے
لیکن سرورِ قلب یہ قسمت کی بات ہے

آپس کی واہ واہ لیاقت کی بات ہے
سرکار کی قبول یہ حکمت کی بات ہے

وہ محجرِ رقیب ہے میں ہوں شہیدِ عشق
یہ اپنی اپنی ہمت و غیرت کی بات ہے

جاپان روس سے نہیں کچھ واسطہ ہمیں
خرچے کی یاں تو بحث ہے نسبت کی بات ہے

بی۔ اے بھی پاس ہوں ملے بی بی بھی دلپسند
محنت کی ہے وہ بات یہ قسمت کی بات ہے

تہذیبِ مغربی میں ہے بوسے تلک معاف
اس سے اگر بڑھو تو شرارت کی بات ہے

بچانا نشۂ طولِ امل سے دل کا مشکل ہے
سرورِ بادۂ امیدِ فردا آ ہی جاتا ہے

تان اس بت نے اڑا لی ہمیں بلما بھولے
ہم تو کیا شیخ بھی توحید کا کلمہ بھولے[1]

صنمِ ہند کو ہم یاد رہیں اے اکبر
غم نہیں ہے جو عرب میں ہمیں سلمیٰ بھولے

جان آ چکی ہے لب پہ رہیں منتظر فنا کے
اب تک ہے واں تغافل قربان اس ادا کے

فغاں کرنے کا بھی یارا نہیں ہے
سوا افسوس کے چارہ نہیں ہے

ہمنشیں ظلمِ بتاں پر چپ نہ رہنا چاہیئے
بات جب کچھ بن نہ آئے شعر کہنا چاہیئے

ہوا بدل گئی ہے ایسی کچھ زمانے کی
دعائیں مانگتا ہوں ہوش میں نہ آنے کی

مجنوں کی پیاس کو بجھاتی
لیلیٰ کچھ باؤلی نہیں تھی

عمر ۲۲ سال

طے ہوئی بات نہ قیمت ابھی اس کی ٹھہری
دل مرا لے کے چلے آپ یہ اچھی ٹھہری

مشتاق تو ہستم کہ عزیزی و حبیبی
لیکن چہ تواں کرد کہ مہمان رقیبی

دستِ فلک سے ہند کی خلقت بہت پٹی
جو کچھ تھی اس کی عظمت و قیمت وہ سب مٹی

اس کی دوا قناعت و نیکی ہے بس فقط
ہاں مشغلے کے واسطے ہو یونیورسٹی

باقی نہیں رہی وہ دنیا سے گرم جوشی
اب میں ہوں اور عزلت اور عالمِ خموشی

[1] عمداً بلما کے ساتھ قافیہ ملایا گیا ہے۔

اپنے ہی دل کے ہاتھ اب میں بک گیا ہوں اکبر
سر میں نہیں رہا وہ سودائے خود فروشی

حسب فرمایش عالی جناب خان بہادر شیخ احمد حسین صاحب مذاق تعلقہ دار پریانواں ضلع پرتاب گڑھ

کچھ اپنا سوچا نہ کام آیا وہی ہوا جو خدا نے چاہا
خدا سے بیگانہ تھی طبیعت دلی ارادوں پہ تھا بھروسا
عجب ہے تسلیم و صبر کی خو۔ اگر نہ پیدا ہو لیں اب بھی
عزمیں فسخ ہو گئیں جب۔ عَرَفْتُ رَبِّی عَرَفْتُ رَبِّی

تاثیر ہوائے باغ ہستی نہ گئی
صورت کی ادا نظر کی مستی نہ گئی
ہوتے ہی رہے جمال دلکش پیدا
طبع انساں سے بت پرستی نہ گئی

نہ گئی دل سے مرے حسن پرستی نہ گئی
بجھ گیا خون مگر روح کی مستی نہ گئی

شاخ میں پھل کا لگا رہنا ہے خامی کی دلیل
عقل پختہ ہو کے میرے سر سے زائل ہو گئی

ہوئی جو عمر اکی مجھ سے سنئے کہ پندرہ میں ہے ایک باقی
عجب ہے نیچر کے اقتضا سے جو رکھے نیت کو نیک باقی

موت کو دیکھا تو دنیا سے طبیعت پھر گئی
اٹھ گیا دل دھر سے دولت نظر سے گر گئی

دنیا سے تعلق رکھنے میں ہرگز نہیں یہ تمہید بری
کیا خوب کہا ہے اکبر نے احسان اچھا امید بری

فلسفہ حریف کا دیں کا ہے عدو بنا
صبح و شام صدق سے۔ کر دعا کہ رَبَّنَا
اس طرف ہے کید سخت اور ترا ہے بچپنا
لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ ہَدَیْتَنَا

متعلق ٹرکی

متضاد گئے جو دو طرف سے دو تار
کیا جانیے کسکو اسنے اچھا سمجھا
لیکن اس بات کا سمجھنا تو ہے سہل
سرکار نے کسکو انمیں سچا سمجھا

یدلو مرے گھر نہ اسے شرابی بھیلا
ہے تیرا دہن نجاستوں کا تھیلا
ہر لحظہ طلب شراب کی ہے تجھکو
ہر دم ترے منہ سے ہے نکلتا مے لا

مصحف مسلم نے کھولنا چھوڑ دیا
ہندو نے ٹھیک تولنا چھوڑ دیا
حاکم نے کہا نہ بولو اسنے ہرگز
ہم نے بھی سب سے بولنا چھوڑ دیا

پیچ مذہب کا کسی صاحب نے ڈھیلا کر دیا	سادہ طبعوں کو بھی بالآخر رنگیلا کر دیا
شوق پیدا کر دیا بنگلے کا اور پتلون کا	وہ مثل ہے مفلسی میں آٹا گیلا کر دیا
تھا بنارس پہلے ہی سے ای صنم رس میں بھرا	چشم مس اینی[1] نے اور اسکو رسیلا کر دیا
مرے نزدیک یہ پنجاب کا بلوا بھی برا	ساتھ ہی انکے علیگڈھ کا یہ جلوا بھی برا
آپ اظہار وفا کیجیے تمکیں کے ساتھ	لیٹ جانا بھی برا ناز کا جلوا بھی برا
جب اپنے ہاتھ میں لی غیر نے عنانِ سمند	تو پھر سوار سے اکبر پیادہ پا اچھا
سر رشتۂ اتحاد ہم سے چھوٹا	آپس ہی کی خانہ جنگیوں نے لوٹا
قرآن کے اثر سے روک دینے کے لئے	ہم لوگوں پہ راویوں کا لشکر ٹوٹا
یہ قومی ترقی بھی ہے پریوں کا فسانہ	کانوں سے سنا سب مگر آنکھوں سے نہ دیکھا
اُٹھانا پڑتا تھا دن رات بار الفتِ خوباں	جوانی کیا تھی نیچر نے مجھے بیگار پکڑا تھا
اب ان قصوں کا کیا حاصل اب ان باتوں کا کیا رونا	یہی مرضی خدا کی تھی یہی قسمت میں تھا ہونا
کہاں کی دولت و ثروت کہاں کی عزت و حشمت	میسر ہیں مجھے دو روٹیاں بس گھر کا اک کونا
ہنگامۂ ترقی قومی کو دیکھکر	ادراک حال کے لئے میں ہو گیا کھڑا
کوئی ہوا نہ مجھسے مخاطب وہاں مگر	چپکے سے میرے کان میں اک غیر نے کہا
اکثر وہی بزرگ ہیں جو ہیں پئے ہوئے	باہوش کم ہیں انکے بھی منہ ہیں سئے ہوئے
ہرگز کوئی کہے گا نہ اس انجمن کا راز	کیوں اپنے آپ کو ہے پریشاں کئے ہوئے
پہلے تھا قوم میں سب کچھ مگر اب کچھ نہ رہا	کسی شاعر نے ہے واللہ یہ کیا خوب کہا
شیخ کے پاس ہے اب صرف مصلے باقی	اور مرے پاس ہے اُردوے معلے باقی
معانی قرآں کا لو کچھ مزا	پڑھو لن یضروکم الا اذیٰ
نہ حرف شکوہ بہتر ہے نہ اچھا اشک کا بہنا	ہمارے دن یہی ہیں رنج سہنا اور چپ رہنا
خدا کے واسطے اکبر کوئی ذکر اور ہی چھیڑو	سنی باتوں کا کیا سننا کہی باتوں کا کیا کہنا

[1] یعنی مسز اینی بیسنٹ صاحبہ

کالج میں کسی نے کل یہ نغمہ گایا کہتے تھے والد کو لوگ بسترِ لابیہ	قومی خصلت کا سر سے اٹھایا سایہ بستر للماسٹر کا اب وقت آیا
بڑھاپا تا ہوں بنگالی کا درجہ ہر طرف صاحب	زمانے میں بنایہ دور ہے ماہی مراتب کا
تیروں نے غم کے قلب کو کمبخت کر دیا	سوزِ دروں نے سینہ کو دم پخت کر دیا
طفلِ دل محوِ طلسمِ رنگِ کالج ہو گیا	ذہن کو تپ آ گئی مذہب کو فالج ہو گیا
سعادت روح کی کس بات میں ہے آپ کیا جانیں	کہ کالج میں کوئی اس علم کا ماہر نہیں ہوتا
واہ اے سید پاکیزہ گہر کیا کہنا قوم کے عشق میں یہ سوزِ جگر کیا کہنا	یہ دماغ اور یہ حکیمانہ نظر کیا کہنا ایک ہی ذہن میں ہوئی عمر بسر کیا کہنا
قوم کا اوج ہو منظور خدا خواہ نہو	غیر ممکن ہے کہ دنیا میں تری واہ نہو
قوم کی تاریخ سے جو بیخبر ہو جائے گا	رفتہ رفتہ آدمیت کھو کے خر ہو جائیگا
بھائے جو نگاہ کو وہی رنگ اچھا قرآن و نماز سے اگر دل نہ ہو گرم	لائے جو راہ پر وہی ڈھنگ اچھا ہنگامۂ رقص و مطرب و چنگ اچھا
میرے منصوبے ترقی کے ہوئے سب پائمال بوٹ ڈاسن نے بنایا میں نے اک مضمون لکھا	بیج مغرب نے جو بویا وہ اگا اور پھل گیا ملک میں مضمون نہ پھیلا اور جوتا چل گیا
ساتھ آنکے مرا شیخ تو چل ہی نہیں سکتا	بندر کی طرح اونٹ اچھل ہی نہیں سکتا
پوچھا کہ شغل کیا ہے کہنے لگے گرو جی	بس رام رام جپنا چیلوں کا مال اپنا
کیا شور و فغاں نے میری اسکو مضمحل کتنا	بہت شوخی شرارت تھی مگر عورت کا دل کتنا
خواہش ایواں نشد واعظ اسلام را	حاجتِ مشاطہ نیست روے دلارام را
جو پاس بھی ہو بصد مصیبت تو نفس میں کچھ نہیں فضیلت	اگر ہو طالب کمال لکھے تم تو چھوڑ دو امتحاں ایسا
پیری سے کمر خم ہے وہ فرماتے ہیں تن جا وسعت ہے در علم میں ہے راہ عمل بند	قابو میں نہیں ہاتھ تو کیا ہو سکے پیچا ہے صاف سڑک پاؤں نہیں لیکن ہے شکنجا

کیا کہوں اسکو میں بدبختی نیشن[1] کے سوا
اسکو آتا نہیں اب کچھ امیٹیشن[2] کے سوا

اسقدر تھا کھٹملوں کا چارپائی میں ہجوم
وصل کا دل سے مرے ارمان رخصت ہو گیا
لات دنیا نے جو ماری بنگیا دیندار وہ
تھی تری ٹھوکر مگر شیطان رخصت ہو گیا

مری تقریر کا اس پر یہ کچھ قابو نہیں چلتا
جہاں بندوق چلتی ہے وہاں جادو نہیں چلتا
کمر باندھی بھی یاروں نے جو راہ حب قومی میں
وہ بولے تو نہیں چلتا وہ بولی تو نہیں چلتا
کہا پیر طریقت نے اکڑ کر اپنی ٹمٹم پر
یہی منزل ہے جسمیں شیخ کا ٹٹو نہیں چلتا
لطیف الطبع ساتھی چاہیئے فیاض طینت کا
چمن سے بے ہوا کے کاروان بو نہیں چلتا

درس تھا یکساں مگر وہ تو مسیحی ہی رہے
تجھپہ مذہب کے عوض شیطاں کا قابو ہو گیا
ایک ہی بوتل سے پی ہوٹل میں دونوں نے شراب
لطف مستی انکو آیا اور تو آتو ہو گیا

ہر قدم انکا شہید لغزش مستانہ تھا
سر میں تھا سید کے قرآن زیر پا میخانہ تھا

تجھے انگلش سے جب موقع نہیں ہے گرم جوشی کا
تو پھر کیا لطف ہو اے ہمنفس اس بادہ نوشی کا
تکلف سے جواب اسنے دیا سنکر یہ اے اکبر
ادا کرتا ہوں میں یہ حق فقط پتلون پوشی کا

چھوڑ کر رنج اپنے مٹنے کا
منتظر ہوں اب انکے پٹنے[3] کا

سر سید کو فلک نے تننے نہ دیا
تہذیب کو پھر دوبارہ چھننے نہ دیا
ملت کی شکست میں مدد دی کامل
بننے لگی قوم جب تو بننے نہ دیا
گھر میں ہمیں چرخ نے ٹہلنے نہ دیا
باہر کیطرف چلے تو چلنے نہ دیا
کالج نے بٹھا دیا جو مانند شجر
کچھ پھول چلے تھے اسنے پھلنے نہ دیا

کچھ بھی نہیں چاہتے وہ چندے کے سوا
اس باغ میں کیا دھرا ہے پھندے کے سوا
گلچیں ہے ہر اک نہیں ہے بلبل کوئی
اس نکتے کو کون سمجھے بندے کے سوا

اسٹیج ہے یہ رئیسوں کی ترانہ ہے نہ علّے کا
نہ یہ پودا ہے گلشن کا نہ یہ بوٹا ہے گملے کا
ہمارے حضرت شیخ مہذب کی ذہانت ہے
خدا اسمیں چمک دے یہ بھی اک طرۃ ہے شملے کا

---

[1] Nation قوم [2] Imitation نقل اتارنا [3] یعنی رئیسوں کے۔

دل چھوڑ کر زباں کے پہلو پہ آ پڑے	ہم لوگ شاعری سے بہت دور جا پڑے
معنی کے ساتھ ہو تو مزہ ہے زبان کا	انجم نہیں تو لطف نہیں آسمان کا
ہے صاف عیاں حرم سرا کا مطلب ممکن ہو اگر تو اس کو قائم رکھو	بیگانوں کے واسطے ہے اک حدِّ ادب عزت کے نشان اور تو مٹ گئے سب
پنڈت نے خوب بات کہی جوش طبع میں پتھر کے بدلے اب تو دھرم[1] ٹوٹنے لگا	ناحق گذشتہ عہد پہ یوں طعنہ زن ہیں آپ محمود بت شکن تھا برہمن شکن ہیں آپ
محتاج درِ وکیل و مختار ہیں آپ آوارہ و منتشر ہیں مانند غبار	سارے عملوں کے ناز بردار ہیں آپ معلوم ہوا مجھے زمیندار ہیں آپ
جاتی رہی وعظ مذہبی کی قوت اطفال کو ناز ہے۔ مگر قومی آنکھ	ہر سر میں سمائی خود سری کی قوت روتی ہے کہ ہے کہ یہ خودکشی کی قوت
حاضر ہوا میں خدمتِ سیّد میں ایک رات بولے کہ تجھ کو دین کی اصلاح فرض ہے	افسوس ہے کہ ہو نہ سکی کچھ زیادہ بات میں چل دیا یہ کہہ کے کہ آداب عرض ہے
مہمان آئے تو اسکو گھیرو نہ بہت مجلس ہوئی ختم اب میں گھر جاتا ہوں	اسکی راہوں سے اسکو پھیرو نہ بہت بھائی مجھے میرا حصّہ دے رو نہ بہت
عینک آنکھوں پہ منہ میں مصنوعی دانت اب تک ہے مگر وہی ہوس حضرت کی	نیچر نے سکھا کے کر دیا جسم کو تانت ہے طول امل ہنوز شیطاں کی آنت
عزیزوں کی اعانت گم بزرگوں کا ادب رخصت	جو دل بدلا تو سب بدلا خدا رخصت تو سب رخصت
ڈیلی گیٹوں نے جو شملے میں بہم کی ہے صلاح سنٹرل بھی ہو کمیٹی اور پراونشل بھی ہو بابوؤں کی طرح لیکن غل سے کچھ مطلب نہ ہو ولولے ایسے نہیں محتاج کچھ تصریح کے	بعد عمدہ کھانے کے ایسی ڈکاریں ہیں مباح حامی پبلک بھی ہو رخ جانب کونسل بھی ہو کر دیں بس توضیح جزو و کل سے کچھ مطلب نہ ہو کیوں نہ ہو دانے تو ہیں ٹوٹی ہوئی تسبیح کے

[1] ہمیں ٹوٹنے لگے

گنبد ھو کے اب قومی گلے کا ہار ہو جائینگے یہ بحث ملکی میں تو پڑنا ہے تری دیوانگی ہم یہ کہتے ہیں کرو جو استخارہ رای دے	پالسی کے طرۂ دستار ہو جائینگے یہ پالسی اُنکی رہے قائم ہماری دل لگی تم فقط پتلے بنا سکتے ہو جان اللہ دے
طفل مکتب کہ سخنہا زبان می گوید طبع او فونوگراف است وسر وتن سبقش	شکوہ کم کن کہ چنیں گفت وچناں می گوید آنچہ بستند بروں نقش ہماں می گوید
یہ بات غلط کہ ملک اسلام ہے ہند ہم سب ہیں مطیع وخیر خواہِ انگلش	یہ جھوٹ کہ ملک لچھمن ورام ہے ہند یورپ کے لئے بس ایک گودام ہے ہند
گفتم ایراں را سر جنگ نماند آغا خندید وگفت رسیتے دگر است	آں مردی وآں ہوا وآں رنگ نماند کامروز برائے ساغرم بنگ نماند
شکر چشم وگوش کرتا ہوں مگر یارب یہ کیا	آنکھ پھبتکے کے حوالے کان بھبکے کے سپرد
افسوس ہے بدگماں کی آزادی پر طاعون سے کیوں ہے اتنی وحشت اکبر	خالق کبھی خوش نہ ہوگا بربادی پر یہ تو اک ٹکس ہے اس آبادی پر
پنڈت بیٹھا ہے اپنی پوتھی لیکر سودا اسکو ہے جو سدھار الندن	بنیا بیٹھا ہے موٹھ موتھی لیکر وہ دولت وجنس گھر میں جو تھی لیکر
یہ وقت شکست قوم کا ہے بخدا ایسی مسجد ہو جس پہ اطلاق ضرار	کرتا ہوں میں تجھکو اسکی تنبیہ اکبر قرآن کو ماں لا تقم فیہ اکبر
کر دو نہ تعمیر گھر کی اکبر حدود میونسپل کے اندر	یہ اہلکاران بد دیانت بنینگے پھوڑا بغل کے اندر
ہوئے اسقدر مہذب کبھی گھر کا منہ نہ دیکھا	کٹی عمر ہوٹلوں میں مرے اسپتال جا کر
میں عیبت ہوں وہ شاہانہ دلیری ہے کہاں	مجھکو کیوں شک آئے وضعِ ملتِ انگریز پر

کانٹے بچھ جاتے ہیں اُن لوگوں کی راہ رزق میں
خوف آتا ہے چھری چلتی ہے اُن کی میز پر

معمّا

ممکن نہیں عبور مرے اُن کے راز پر
بالفعل ہے مقام عدالت جہاز پر

کیا اسکی خوشی کہ تمکو ہے عقل کثیر
ہمکو تو اسی سے کردیا تم نے فقیر
ہرگز یہ نہیں ہے حسن قانون خدا
کہتے ہیں حضور اسکو حسنِ تدبیر

تہذیب نو کے رنگ پہ بلبل بنے ہیں سب
واللہ کیا بہار ہے اس سبز باغ پر

شیخ ملتے ہی رہیں گے تجھ سے بہر اخذِ زر
دین خود تجھکو نہ چھوڑے گا جو تو دنیا نہ چھوڑ

جس طرح ہے تجھے الم جسم کی تمیز
دیکھے گا درد جان کو بھی اکدن تو اے عزیز

ہرگز نہیں ہمکو سلطنت کا افسوس
ہے ابتریٔ معاشرت کا افسوس
انگریزوں پہ ہے بہت کم الزام اسکا
ہے اپنے ہی میل معصیت کا افسوس

سیاہ کرنا دلوں کا ہے اسے کیا مشکل
تمہارا علم لگاتا ہے آفتاب میں داغ

یار نے پوچھا کدھر جاتا ہے تو
عرض کی میں نے ہلاکت کیطرف
پوچھا اُس جانب لئے جاتا ہے کون
میں نے دیکھا اسکی صورت کیطرف

بن گئی ہے خضرِ راہِ دوستان کیدِ حریف
ہے نماز گربۂ زاہد سے خوش کبک نحیف
ہمکو یہ سجدہ ملایا چاہتا ہے خاک میں
کون سمجھے شاعروں کے یہ اشاراتِ لطیف

ہمکو نہیں اُنکے عیش و راحت پر رشک
بیغیرت و کودن اسپہ برساتے ہیں اشک
کافی ہے ہمیں عبادت حق کے لئے
ایک اونٹنی ایک پال پانی اک مشک

کونسل میں شریک ہوگا کل ملک
اب تھینکس کا باندہ دیگا پل ملک
یارب کل سلطنت ہے تیری
تو تی الملک اور تنزع الملک
اونچا سنتی ہے کیا گورنمنٹ
کیوں کرتا ہے اتنا شور و غل ملک
گائیں نا حق بھڑک رہی ہیں
ویراں نہ کرینگے جاں بل ملک
ہوتی ہے روشن جو سلطنت کی
جاتا ہے اُسی طرف کو ڈھل ملک

زندہ جس سے ہے بزم قومی
وہ کون ہے حضرت محسن الملک
غنچے کی طرح سمٹ کے ابھرو
اُس وقت کھلے گا مثل گل ملک

اکبر اس اندیشہ میں رہتا ہے غرق
کافر و ہندو میں ہے تھوڑا ہی فرق
کافری کا ہے علاج ایماں سے
تھیوریٹ تو ہے پٹی جاں سے

بنام خیالاتِ پاٹ آفریں
زبانوں پہ بسکٹ کی چاٹ آفریں

اس قوم کو ایک دل کی رغبت ہی نہیں
جو ایک کرے اُدھر طبیعت ہی نہیں
اکبر کہتا ہے میل رکھو باہم
وہ کہتے ہیں میل کی ضرورت ہی نہیں

کیسا اسلام ان میں غیرت ہی نہیں
ایمان کہاں کہ جب بصیرت ہی نہیں
طرز تعلیم پر ہے لیکن الزام
وہ علم نہیں تو وہ طبیعت ہی نہیں

واں شوکت و زینت کے جو اسباب بہت ہیں
معنی کے یہاں گوہر نایاب بہت ہیں
صاحب کی سی محفل تو میسر نہیں لیکن
صد شکر کہ اکبر کے بھی احباب بہت ہیں

ترقی پاتے ہیں لڑکے ہمارے نور دیں کھو کر
یہ کیا اندھیر ہے سمجھ لیتے ہیں یہ تب چمکتے ہیں

دنیا میں ضرورت زور کی ہے اور آپ میں مطلق زور نہیں
یہ صورت حال رہی قائم تو امن کی جا بجز گور نہیں
تاریخ ہم اپنی جانتے ہیں اور آپ کو بھی پہچانتے ہیں
کب آپ کی باتیں مانتے ہیں کچھ فہم تو ہے گو زور نہیں
اے بھائیو بابو صاحب سے کھنچنے کا نہیں ہے کوئی محل
گو نسل شہاب الدین میں ہو لیکن تو تمہارا غور نہیں

مشتاق لقا ہوں در پہ حاضر ہوں میں
منظور نہیں کہ بار خاطر ہوں میں
حضرت کو جو فرصتِ ملاقات نہ ہو
بوسے پر آستان کے شاکر ہوں میں

ہوائے طوبیٰ ہے اب نہ سر میں نہ موج کوثر ہے اب نظر میں
ہوس اگر ہے تو بس یہی ہے کہ ہم بھی چھپ جائیں پانیر میں

دلچسپ ہوائیں سوئے گلشن پہونچیں
زلفیں شعلے سے تابہ دامن پہونچیں
درگا بائی سے راجہ جی جب روٹھے
صدقے ہوئے کوئی نصیبن پہونچیں

جھنجلا کے بدلے اٹھے جو لپٹا اندھیرے میں
اندھیر اس طرح کا تو دیکھا کہیں نہیں

آغاز تحریک سودیشی میں یہ نظم کہی گئی تھی مصنف شور و شر سے متفق نہیں

داخل مری دلانست میں یہ کام ہے چمن میں — پہونچائے گا قوت شجرِ ملک کی بن میں
تحریک سودیشی پہ مجھے وجد ہے اکبر — کیا خوب یہ نغمہ ہے چھڑا دیس کی دھن میں

عنایت مجھ پہ فرماتے ہیں شیخ و برہمن دونوں — موافق اپنے اپنے پاتے ہیں میرا چلن دونوں
ترانے میرے ہم آہنگ دیر و کعبہ ہیں یکساں — زباں پر میری موزوں ہوتی ہے حمد اور بھجن دونوں
مجھے الفت ہے سنی سے بھی شیعہ سے بھی یاری ہے — اکھاڑے میں دکھا سکتے ہیں دلکش بانکپن دونوں
مجھے ہوٹل بھی خوش آتا ہے اور ٹھاکردوارا بھی — تبرک ہے مرے نزدیک پرشاد اور مٹن دونوں

ایک سید کیا کریں یا بیٹھکر دس کیا کریں — حضرت حالی کے اشعار مسدس کیا کریں
سچ تو یہ ہے مہربانی آپ کی درکار ہے — ہم غریب و ناتواں و زار و بیکس کیا کریں

روشنی سر میں - گداز غم - دلِ مایوس میں — شمع ساں ہم جل رہے ہیں مغربی فانوس میں
روکتا زور و ریا سے ہوں تو فرماتے ہیں وہ — آجکل برکت بڑی ہے خرقۂ سالوس میں

گولیوں کے زور سے کرتے ہیں وہ دنیا کو ہضم — اس سے بہتر اس غذا کیواسطے چورن نہیں

ہم نیک خصال ہیں یہ تسلیم نہیں — دنیا میں اس روش کی تکریم نہیں
لیکن یہ ہیں طریق و عادات عجم — واللہ کہ یہ عرب کی تعلیم نہیں

چو مسٹر نباشد ترا میہماں — چہ بر میز خوردن چہ بر روئے خواں

مہدی نے گھر کیا ہے دلِ شیخ و رند میں — سید کا جانشین ہے وہ آج ہند میں
یہ بولے روکے پیرو اور گیا دین — دھرم دنیا سے اٹھا اور گیا دین

نوکر کو سکھاتے ہیں میاں اپنی زباں — مطلب یہ ہے کہ سمجھے اُنکے فرماں
مقصود نہیں میاں کی سی عقل و تمیز — اس نکتہ کو کیا وہ سمجھیں جو ہیں نادان

نیچریت چیست از دیں گم شدن — نے قمیص و کوٹ و پتلون و بٹن

بھوک سے زائد ہو جسکے پاس کھانا اسکے پاس — اتنی دولت ہے کہ رکھنے کی جگہ ملتی نہیں

ناصح نے کہا کہ جلد مذہب چھوڑو
ورنہ سائنس پیس ڈالے گا تمہیں
مذہب نے کہ مجھکو چھوڑو گے تو وہ
کیا گود میں اک طرف بٹھائے گا تمہیں

پورا سائنس تم کو آنے کا نہیں
کچھ آیا تو پیشوا بنانے کا نہیں
وہ کمپنیاں ہیں اور نہ کوئلے کی وہ کان
بے ختم ہوئے یہ دور جانے کا نہیں

سوجھا نہیں خود غرض کو آئیں صواب
جتنا چھوڑو گے ہمکو تم ہوگے خراب
واللہ یہی نتیجہ ہوگا پیدا
دنیا میں حقارت اور عقبیٰ میں عذاب

اب قوم میں زندگی کے آثار نہیں
جو اہل نظر ہیں اس سے شرمندہ ہیں
حکام کی ہے یہ صرف عیسیٰ نفسی
اعضا کالج کے کچھ اگر زندہ ہیں

حدیں قوموں کی قسمت کیا کرتا ہے یہ تحاکم
زمانہ دیکھکر چلئے طریقِ زندگانی میں
محبت کسطرح اس قوم میں باہم رہے قائم
زبانیں صرف غیبت دل میں ڈوبے بدگمانی میں

میں نے کہا کہ اپنا سمجھئے بے مجھے غلام
بولا وہ بت یہ ہنسکے فرنگی نہیں ہوں میں

ہندو و مسلم ایک ہیں دونوں
یعنی یہ دونوں ایشیائی ہیں
ہم وطن ہم زبان و ہم قسمت
کیوں نہ کہدوں کہ بھائی بھائی ہیں

پڑھتے نہیں نماز یہ خود را اے کیا کروں
تو مہ نہیں تو قوم نہیں ہائے کیا کروں

باپ سے مانگو نہ عشرت نہ چچا سے مانگو
سعیِ بازو پہ کرو تکیہ خدا سے مانگو
حسن تدبیر بڑی چیز ہے اس دنیا میں
مدد اس کام میں تم عقل رسا سے مانگو

دل سے دھرم اٹھا ہے تو اب ذات بھی توڑو
ویران ہوئی کھیتی تو عمارت بھی توڑو
برباد کرو خوب منوجی کے چمن کو
باقی نہ رہے پھول۔ تو اب پات بھی توڑو

یا کس کے کمر پے خوشامد باندھو
یا حجرے میں گھسکے بیٹھو تہمد باندھو
کیا فائدہ بے قرینگی سے لے شیخ
بہتر ہے یہی کہ اپنی اک حد باندھو

پانیر کے صفحۂ اول میں جسکا ذکر ہو
میں ولی سمجھوں جو اسکو عاقبت کی فکر ہو

شملہ بمقدارِ علم

افسوس ہے کہ مر گئے یک اب نہیں کوئی
شملے پہ جان دی تو تعجب ہے اسمیں کیا
اس درجہ جس میں علم ہو اس درجہ حلم ہو
لازم تھی وہ جگہ جو بمقدارِ علم ہو

زندگی اور قیامت میں ریلیشن[1] سمجھو
اسکو کالج اور اُسے کانووکیشن[2] سمجھو
ہو جنھیں مقدرتِ وضع و نفاذِ قانوں
بس انھیں کو صفتِ اقوام میں نیشن[3] سمجھو
آہ و فریاد سے قابو میں نہ آئے گا وہ یار
طپشِ قلب کو بنگال ایجیٹیشن[4] سمجھو

دیں دار ہو درستیِ دیں ہو کہ نہ ہو
قدر اس کی زمانے میں کہیں ہو کہ نہ ہو
مذہب پہ جمے رہو یہ ہے شیخ کا قول
کہدو کہ یقیں ہے یقیں ہو کہ نہ ہو

افسوس ان پر فلک نے پایا قابو
مطلق نہیں ان میں رنگ ڈھونڈو یا بو
شیخی کو چھوڑ میرزا پہلے بنے
بنتے جاتے ہیں اب یہ مسلم بابو

لطفِ سخن تو ہے یہی ٹرس[5] بھی ہو وِٹی[6] بھی ہو
ذہن کا وصف ہے یہی اوریجنیلٹی[7] بھی ہو

مرشد نئی روشنی کا ہے قابلِ قدر
تزئیں بھی خوشنما ہے تنویر کے ساتھ
طالب جمعے کا لیکن اُس سے رہے دور
اتوار لگا ہوا ہے اس پیر کے ساتھ

عقل سیّد بود ازانوارِ حکمت یافتہ
زور بازو لیش عدو را پنجہ بر تافتہ
مشکلے در پیش ہست ار اگر گویم نبی
زانبیا ہرگز کسے نگذشت پیشی یافتہ

پردہ اٹھ جانے سے اخلاقی ترقی قوم کی
جو سمجھتے ہیں یقیناً عقل سے فارغ ہیں وہ
سن چکا ہوں میں کہ کچھ بوڑھے بھی ہیں اسمیں یک
یہ اگر سچ ہے تو بیشک پیر نابالغ ہیں وہ

اکبر کو ہے الفتِ بتانِ گمراہ
کرتا ہے انھیں کے وصف میں نامہ سیاہ
احباب سنیں جو اس سے ایسے اشعار
تردید کریں کہیں کہ سبحان اللہ

لے لیکے قلم کے لوگ بھالے نکلے
ہر سمت سے بیسیوں رسالے نکلے
افسوس کہ مفلسی نے چھاپا مارا
آخر احباب کے دوالے نکلے

[1] Relation بمعنی رشتہ [2] Convocation [3] Nation [4] Agitation بمعنی مخالف جوش
[5] Terse لطیف [6] Witty ظریف [7] Originality جدت * سابق پرنسپل علیگڈھ کالج

سچ ہے کہ انھوں نے ملک لے رکھا ہے
ہم لوگوں سے کمپ کو پرے رکھا ہے
لیکن ہے ادائے شکر ہم پر لازم
کھانے بھر کو ہمیں بھی دے رکھا ہے

پوچھتے کیا ہو مسلمانوں کا حال
منتشر اجزا سب ان کے ہو گئے
معتصم کب ہیں یہ حبل اللہ سے
دیکھ لو جھاڑو سے تنکے ہو گئے

غضب ہے وہ ضدی بڑے ہو گئے
میں لیٹا تو اٹھکر کھڑے ہو گئے
نہیں انکو کچھ شرم لاحول قوم
یہ ملی تو چکنے گھڑے ہو گئے

ہر ایک کو ایک دن اجل آنی ہے
دنیا گزراں ہے سچ ہے فانی ہے
لیکن مرنا جو عالم وجد میں ہو
گویا کہ شعاع نور یزدانی ہے

تم کتنے ہی محو کج ادائی رہتے
تم پر دل وجاں سے ہم فدائی رہتے
صد شکر ستم آئے بڑھ گئی لذت طبع
لیکن جو نہ ملتے تب بھی بھائی رہتے

مسلمانوں نے کالج کی بری کیا راہ پکڑی ہے
وہی تو اک ٹھکانا ہے وہی اندھے کی لکڑی ہے

نہ گئی دل سے مرے حسن پرستی نہ گئی
بجھ گیا خون مگر روح کی مستی نہ گئی

مجھکو کچھ حیرت نہ ہوگی تمکو ہو جائیگا فخر
کہدو اک بدمست گورے کو کہ بندہ زادہ ہے
مغربی تہذیب میں کسکو میں سمجھوں مستند
اس تماشاگاہ میں جو ہے وہ صاحبزادہ ہے

اسیر دام زلف پالسی مدت سے بندہ ہے
فصاحت نذر لکچر ہے ریاست نذر چندہ ہے

ان کی سب باتو نکو اکبر سیکھ لے
خود وہ فرمائیں گے پھر آ بھیک لے

جو لوگ طرفدار علیگڈھ کے رہیں گے
اس دور میں بیشک وہی بڑھ چڑھ کے رہینگے
مفلس رہیں گمنام رہیں خیر جو کچھ ہو
کالج کے یہ سب علم تو ہم پڑھ کے رہینگے

داد قرآں کی نہ دو یکجائی عمل اسپہ کرو
پیش درگاہ خدا واہ کی حاجت کیا ہے

ظاہر میں اگرچہ از سر بستہ ہے
مضمون لطیف و خوب برجستہ ہے
پودا نہیں پھول کا علیگڈھ کالج
گلداں میں مسلمونکا گلدستہ ہے

سرحد پر باغیوں کو سکھ ماریں گے
قائم رہے البشیر کا یہ پرچہ

گردن اُردو کی رام رکھ ماریں گے
ہم بھی مضموں کوئی لکھ ماریں گے

کونسل سے ہر طرح کا قانون آرہا ہے
لیکن پڑھوں میں کیونکر آنکھوں کی ہے یہ حالت

مطبع سے ہر طرح کا مضمون آرہا ہے
اشک آرہا تھا پہلے اب خون آرہا ہے

باغوں میں تو بہار درختوں کی دیکھ لی
میووں کے کاغذی تو بہت دیکھے آپ نے

کالج میں آکے کانووکیشن کو دیکھئے
اب کاغذی ترقیِ نیشن کو دیکھئے

اپنے بھائی کے مقابل کبر سے تن جائیے
فلسفہ اتحاد کا کر لیجئے فوراً قبول
چندے کی مجلس میں پڑھئے روکے قرآن مجید
شیخ صاحب ہے یہی قومی ترقی کی شناخت

غیر کا جب سامنا ہو بس قلی بن جائیے
دین کی ہو بات تو ابطال پر ٹھن جائیے
مذہبی محفل میں لیکن مثل دشمن جائیے
روٹھنے سے کچھ نہیں ہے فائدہ من جائیے

پڑا ہے قحط البشر مر رہے ہیں فاقوں سے
بجھی ہوئی ہے طبیعت یہ روشنی ہے فضول

خوشی ہو کیا مجھے شبرات میں پٹاخوں سے
اُتار لیجئے صاحب چراغ طاقوں سے

دنیا ہی اب درست ہے قائم نہ دین ہے
زر کی طلب میں شیخ بھی کوڑی کا تین ہے

اک دن وہ تھا کہ دب گئے تھے لوگ دین سے
اک دن یہ ہے کہ دین دبا ہے مشین سے

گذرے مری نگاہ سے یاروں کے جھمگھٹے
کھانے بھی خوب کھائے اُڑیں گلچھریں بھی خوب
ہم تو اسی کو بات سمجھتے ہیں کام کی

مطلب یہ تھا سرور بڑھے اور غم گھٹے
لیکن ہوا یہی کہ بڑھے آپ ہم گھٹے
عشقِ صمد زیادہ ہو عشقِ صنم گھٹے

جس سے جو بن پڑے وہی کام کرے
لیکن رہے قومی بھائیوں کا ہمدرد

صاحب بنے کھائے کھیلے آرام کرے
ہر حال میں ادعائے اسلام کرے

چرچے ہیں نہ مذہب کے نہ وہ قصہ دل ہے
اس عہد میں مائل سوئے الحاد جو دل ہے

پرچے میں اب اخبار کے اور آرٹیکل ہے
اسکی تو گورنمنٹ ہی پرنسپل سے ہے

سلہ دوسرے مصرعہ کے قافیہ کے لئے طبع آزمائی ہوتی تھی اسکے ذمہ دار۔

تل کھیت میں مل جائے تو گودام میں پہنچائیں
کیا نفع وہ عاشق پہ کسی بت کے جو تل ہے

تنخواہ کے بل سے ہمیں ہوتی ہے مسرت
اور شیخ یہ کہتا ہے کہ یہ سانپ کا بل ہے

غزالی اور رومی کی بھلا کون سنے گا
محفل میں چھپی الغنہ اسپنسر و مل[1] ہے

سابق کے طریقوں پہ عمل کر نہیں سکتے
کل آج نہ تھا۔ آج کو کل کر نہیں سکتے

الزام کہیں مشق قواعد کا نہ لگ جائے
صوفی بھی بہت کود اچھل کر نہیں سکتے

تائید کانفرنس

جمعیت عاقلان تو قوم اچھی ہے
گلہائے سخن کے باغ کھل جائیں گے

کہتا ہے یہ معترض کہ ملتا کیا ہے
کچھ اور نہیں تو دل ہی بہل جائیں گے

چالیس سال سے ہے نئی روشنی کا دور
کیونکر اسے کہوں کہ سراسر فضول ہے

البتہ ایک عرض کروں گا دبی زباں
گو خوشنما بہت ہے مگر بے اصول ہے

دنیا کی ہوا راس جو آئی بھڑک اٹھے
انگارے ہوئے جاتے ہیں اب کوئلے کالے

کمزور کی ہانڈی جو زبردست نے دیکھی
دل نے کہا بے پوچھے ہوئے کھول کے کھا لے

تسبیح مری تو ہے عطا کردۂ مرشد
ان برہمنوں کے پاس تو ہیں مول کے مالے

ترکیب تو دیکھو یہ زمانے کے چلن کی
افسوس کہ اس سے کوئی واقف بھی نہیں ہے

گرجا میں تو کرنیل و کمشنر بھی ہیں موجود
مسجد میں کوئی ڈپٹی و منصف بھی نہیں ہے

بزم اکبر دانش آموز و نشاط انگیز ہے
ہر سخن اُس کا لطیف و خوب معنی خیز ہے

یا لاارادہ اُس سے جو کرتا ہے اعراض و گریز
ناتواں ہیں وہ ہے یا کودن ہے یا انگریز ہے

سخن سازی کی چالوں میں تو خامہ اُنکا شاطر ہے
مگر جو حالت اصلی ہے وہ پبلک پہ ظاہر ہے

اس زمانے میں جو دل دھرم سے پھر جاتا ہے
آدمی پایۂ تہذیب سے گر جاتا ہے

میں کچھ واقف نہیں آرام دہ اب کون بندر ہے
کہ پل موہوم امیدوں کا لفظوں کا سمندر ہے

معاملہ تھا عرب کا خدا سے واحد سے
عجم نے واسطہ رکھا شراب و شاہد سے

[1] دونوں مغربی فلاسفر تھے

ادھر تھی حمد خدا ہی سے آشتی دل کی
ادھر تھی بحث نزاعِ حمید و حامد سے

نئی روشنی اک توکل و ذاتی ترکیب
لمپ بجلی کا ہے یہ مہرِ جہاں تاب نہیں
لفظ ہی لفظ ہیں جتنے ہیں زوائد اسکے
جب اندھیرا ہو تو ظاہر ہوں فوائد اسکے

بے علم اگر عقل کو آزاد کریں گے
جب خود نہیں رہنے کے کسی اصل پہ قایم
پارک کوئی کردے گی عطا انکو گورنمنٹ
دُنیا تو گئی دین بھی برباد کریں گے
کیا خاک وہ قائم کوئی بنیاد کریں گے
یا کالونی اپنی کوئی آباد کریں گے

صوتِ ہزار طائرِ بد لحن نے سنی
اسنے کہا مقابلہ کا کب تھا یاں خیال
کہنے لگا کہ بھاڑ میں بلبل کی چونچ جائے
یہ تو وہی مثل ہے کہ کانا ہو کونچ جائے

مسجد کا ہے خیال نہ پروا ہے چرچ ہے
جو کچھ ہے اب تو کالج و ٹیچر میں خرچ ہے

عزت کا ہے نہ اوج نہ نیکی کی موج ہے
اس طرزِ تربیت پہ ہیں اغنیا رخندہ زن
حملہ ہے اپنی قوم پہ لفظوں کی فوج ہے
لاحول باپ کی ہے تو ماؤں کی نوج ہے

اسلام کی بو وہاں نہیں ہے مطلق
دریا میں نہیں ہیں جوہرِ تیغ اکبر
مسجد بھی ہے مولوی بھی ہیں ٹاٹ بھی ہے
گو آپ بھی اسمیں دھار بھی کاٹ بھی ہے

پیری نے دانت مجھپہ لگایا ہے گھات سے
پارہ مسالے ایک طرف درد اک طرف
بائیں طرف کی داڑھ میں ہے درد رات سے
پیپل سے فائدہ ہے نہ کچھ تیج پات سے

نہ یہ قید شریعت ہے نہ یہ غفلت کا پردا ہے
نہیں دھوکے میں ڈالا ہے مثالِ اہلِ یورپ نے
رواج و مصلحت کی بات ہے حکمت کا پردا ہے
ادھر سایہ حکومت کا ہے یاں عزت کا پردا ہے

کہتے ہیں ترکِ ملت انساں کو بات کیا ہے
ازمذہب
تحقیق تو کرو تم حضرت کی ذات کیا ہے

خوب فرمایا یہ شاہِ جرمنی نے پوپ سے
جدِ امجد خود میں کرتے تھے یہ موسم بسر
وعظ ہم بھی کہتے ہیں لیکن دہانِ توپ سے
ہمکو اپنے عہد میں پالا پڑا انکنوؤ پوپ سے

رہ گئے نا آشنا احباب غائب ہوگئے
ہمنفس دو اک جو باقی تھے وہ صاحب ہوگئے

وقت بد میں کون رکھتا ہے رفاقت کا خیال
ہمنشین اپنے رقیبوں کے مصاحب ہو گئے

کدھر جاتی ہے طبع قوم اسکو کوئی کیا جانے
بصیرت جنکو ہے وہ جانیں اکبر یا خدا جانے

طریق حق میں بھی بہر خدا ذرا چلئے
فتن کی راہ نہیں ہے بہیا دھیا چلئے

کہا جب غیر کو کیوں تو نے لے کر ڈھنسایا ہے
تو بولا دل لگی کے واسطے اتو پھنسایا ہے
ادھر چاہ ذقن ہے اسطرف ہیں جال گیسو کے
ہمارے دل کو اسنے کرکے بے قابو پھنسایا ہے

گلوں کو دیکھکر کہتا ہے وہ شوخ
ہمارا رنگ بھی پھیکا نہیں ہے

عاشقوں کے بھی معین ہو گئے ہیں اب حقوق
عہد انگریزی ہے یہ ایجان جاں ستاہی گئی

قوم اور سلطنت ہیں دو چیزیں
نیچرل چیز بن نہیں سکتی
نیچرل وہ ہے یہ ہے مصنوعی
آئیں کیونکر صفات مجموعی

نہ رنگ انجمن وہ ہے نہ وہ میکش نہ وہ ساقی
نہ وہ مکتب نہ وہ ملا نہ وہ صورت نہ وہ سیرت
کہاں وہ دعوت احباب کی طیاریاں اکبر
یہ دعوت کیا ہے بس ہے اک ادائے فرض اخلاقی
سوا نام خدا کے اب رہا کیا قوم میں باقی
خموشی سے ادا کرتا ہوں بس اک فرض اخلاقی

بے بصیرت ہے مگر تو منکر شیخ و ولی
چشم پیدا کن کہ بینی آشکار و ہم نہاں
تا شگفتہ رہ گئی بیشک ترے دل کی کلی
در قبائے گل نہاں رنگ نبی بوئے علی

بلا طاقت تہ افلاک انساں کی نہیں چلتی
وہاں تو ریل چلتی ہے یہاں روٹی نہیں چلتی

پہلے تو دکھاتی تھی چمک اپنی گنی
کہتے ہیں حریف ہنس کے اب از رہ طعن
اب پیش نگاہ ہیں فقط ہنس دینی
جب دین کو کھو دیا تو دنیا بھی چھنی

ہم نے واعظ کی خوب ڈاڑھی نوچی
مذہب کو شکست دے کے کیا پائینگے
یہ بات مگر نہ اپنے دل میں سوچی
آخر کو رہینگے موچی ہی کے موچی

فضل خدا سے عزت پائی آج ہوئے ہم سی ایس آئی
شیخ نہ سمجھے لفظ انگریزی لوٹنے بیٹھے ہیں یہ عیسائی

اب تک جو کہیں ہماری قسمت نہ لڑی
تا حق سمجھے ہمنشیں ہے فکر اسکی پڑی

۱؎ انگریزی اکن ۲؎ انگریزی پیسے

انگریز کے ملک میں لڑائی کیسی
یہ ہند ہے یہاں خوش انتظامی ہے بڑی

روشنی جن میں نئی ہے وہ مری سنتے نہیں
لاکھ سمجھاؤ کہ صاحب ہے یہ فانی روشنی
انجم و شمس و قمر لیکن ہیں میرے ہمطریق
وضع پر قائم ہیں ان میں ہے پرانی روشنی

انگریزوں میں عادتِ سحرخیزی تھی
انداز و روش میں اک دلاویزی تھی
مشرق کی ہوا سے وضع اب ہے بدلی
پہلے اچھی تھی خالص انگریزی تھی

تھے کیک کی فکر میں سو روٹی بھی گئی
چاہی تھی شئے بڑی سو چھوٹی بھی گئی
واعظ کی نصیحتیں نہ مانیں آخر
پتلون کی تاک میں لنگوٹی بھی گئی

ھندی کو برا بھلا جو چاہو وہ کہو
لیکن دکھلا دی اس نے بیوٹی اپنی
لاکھوں ہی کے ڈھیر کردے کالج میں
پوری کر دی یہ اس نے ڈیوٹی اپنی

حقیقت میں تو سب جلوہ تھا انکا
رہی اک حالتِ فرضی ہماری
خدا ہی سے دعا پر تھا بھروسا
کہیں گزری نہیں عرضی ہماری
خدا سے جب کہا مرتا ہے اکبر
کہا ہم کیا کریں مرضی ہماری

اقبال کے ساتھ اے خرد تو بھی گئی
غیرت کے ساتھ منہ ہی بو بھی گئی
سچ کہتے ہیں حضرتِ کرامت[1] اکبر
رخصت ہوئی فارسی تو اردو بھی گئی

کیا پوچھتا ہے حکمت مغرب کا واہ واہ
فطرت بھی اسکو دیکھ کے حیران رہ گئی
سمجھے تھے یہ کہ ایک ہیں ہم اور ہماری جان
دیکھا مگر کہ ہم نہ رہے جان رہ گئی

قطعہ

جو پائی ترکِ عبادات میں مثال بری
شروع ہی نے پکارا کہ ہے یہ فال بری
جناب حضرت سید پہ کھل گیا ہوگا
کہ ہو ہی جاتی ہے بیقیدیوں سے چال بری
یہ بحث جانے دے اکبر کچھ اور باتیں کر
عبث ہے جب تو یقیناً یہ قیل و قال بری

خوانات نوکری نہ دیں طالبانِ علم
قائم ہوئی ہے رائے یہ اہلِ شعور کی

[1] عالیجناب مولوی کرامت حسین صاحب بیرسٹرایٹ لا، حال جج ہائی کورٹ الہ آباد۔

کالج میں دھوم مچ رہی ہے پاس پاس کی
عہدوں سے آ رہی ہے صدا دور دور کی

پاؤں کو بہت جھٹکا پٹکا زنجیر سے آگے کچھ نہ چلی
تدبیر بہت کیں اے اکبر تقدیر سے آگے کچھ نہ چلی

یورپ نے دکھا کر رنگ اپنا سید کو مرید بنا ہی لیا
سب پیروں سے تو وہ بچ نکلے پر پیٹ سے آگے کچھ نہ چلی

جہان نے ساز بدلا ساز نے نغموں کی گت بدلی
نغموں نے تک بدلا تک نے یاروں کی مت بدلی

فلک نے دور بدلا دور نے انسان کو بدلا
گئے جم تم بدلا قانون بدلا سلطنت بدلی

عجب حیرت آگیں ہے یہ انقلاب
سمجھتے تھے سب جسکو بیجا صریح
ہماری سمجھ کیا سے کیا ہو گئی
وہی بات بالکل بجا ہو گئی

جو کام تھا گھنٹے کا نکلتا ہے وہ پل سے
تاریخ تو خالد کی پڑھو رات کو گھر پر
خوش کیوں نہ ہیں لوگ فرنگی کے عمل سے
اوروں کو کچہری میں دبو نیل کمل سے

تماشا دیکھئے بجلی کا مغرب اور مشرق میں
کلوں میں ہے وہاں داخل یہاں مذہب پہ گرتی ہے

ایمان کی ہے تاک کافری ہے تو یہ ہے
تقوی پیدم ہے ساحری ہے تو یہ ہے
نظم اکبر ہے دافع جادو و کفر
ماشاء اللہ شاعری ہے تو یہ ہے



ظرافت

الا یا ایہا الطفلک بجوراہت یہ ناو لہا ۔ کہ قرآں سہل بود اول ولے افتاد مشکلہا
بکن ترتیب پائے خود بہ بوٹ ڈاسن و پتلون ۔ کہ سر سید خبردار دز راہ و رسم منزلہا

دیکھئے قوال بیچارے کا اب کیا حشر ہو ۔ شیخ صاحب کو تو لکچر پہ بھی وجد آنے لگا
کیوں کرے گا پیش ہم پر جلوۂ حور بہشت ۔ جب تھیٹر کا سماں واعظ کو تڑپانے لگا

پردے کا کیا ہے خود اٹھ ننگا پیدا ۔ خود ہمنے کیا ازار اور انگا پیدا
کیا خوب کہا ہے مولوی مہدی نے ۔ نیچر نے کیا ہے ہم کو ننگا پیدا

دیگر

جس کو دیکھا عاشق زلفِ چلیپا ہو گیا ۔ مست تھا دل پھول کر وسکی کا پیپا ہو گیا

مخمس

بکری کو ساگ پات کا سودا نہیں رہا ۔ بنگالیوں کو بھات کا سودا نہیں رہا
چوروں کو اپنی گھات کا سودا نہیں رہا ۔ اور شاطروں کو مات کا سودا نہیں رہا
اچھا ہوا ہے چندۂ اسکول میں ہر ایک

بنیوں کو اخذِ سود کی فرصت نہیں رہی ۔ منعم کو داد و جود کی فرصت نہیں رہی
لڑکوں کو کھیل کود کی فرصت نہیں رہی ۔ کودن کو غنت ربود کی فرصت نہیں رہی
اچھا ہوا ہے چندۂ اسکول میں ہر ایک

گاہک کو مول بھاؤ کی پروا نہیں رہی ۔ مانجھی کو اپنی ناؤ کی پروا نہیں رہی
دل کو کہیں لگاؤ کی پروا نہیں رہی ۔ چوہوں کو تان پاؤ کی پروا نہیں رہی
اچھا ہوا ہے چندۂ اسکول میں ہر ایک

[1] رئیس جائس وکیل الہ آباد

بچے فراغ طبع سے اب کھیلتے نہیں
عشاق رنج ہجر بتاں جھیلتے نہیں
ابھرے جو سے جوانی تو ڈنڈ پیلتے نہیں
پاپڑ فروش پاپڑوں کو بیلتے نہیں

اچھا ہوا ہے چندۂ اسکول میں ہر ایک

لیتا ہے کون گرمی دل سے خدا کا نام
مذہب کو دور ہی سے کیا جاتا ہے سلام
اب کون دھیان باندھ کے کرتا ہے رام رام
کوٹھی کو ہے فروغ نہ رونق پہ ہے گدام

اچھا ہوا ہے چندۂ اسکول میں ہر ایک

کم ہو گیا ہے لوگوں میں آپس کا میل جول
تاشے نہ شادیانے کے بجتے کہیں نہ ڈھول
وہ ٹولیاں نظر نہیں آتیں نہ اب وہ غول
مخبوط بدحواس پریشان گول مول

اچھا ہوا ہے چندۂ اسکول میں ہر ایک

اسکول ہی میں علم ہے جس سے کہ ہے شرف
لیکن کچھ اور دھندے بھی ہیں پیش صف بصف
لڑکا نہ سیکھے علم تو کہتے ہیں ناخلف
یہ کیا کہ ساری قوم ہی جھک جائے اک طرف

اچھا ہوا ہے چندۂ اسکول میں ہر ایک

پنڈت پراجا کے بنارس پہ آ رہے
حالی غزل کو چھوڑ مسدس پہ آ رہے
مرکٹ کے شیخ شہر بھی ٹونیس پہ آ رہے
ہم قرد تھے سو ہم بھی مخمس پہ آ رہے

اچھا ہوا ہے چندۂ اسکول میں ہر ایک

کونسل میں نکتہ چینیوں کی ٹولی بہت بڑی
بیکار کالجوں سے بھرے گا نہ ہر سیٹی
اچھا ہوا سنبھل گئی اب یونیورسٹی
اس بل سے یہ شکایت احباب بھی مٹی

اچھا ہوا ہے چندۂ اسکول میں ہر ایک

مری نظروں میں یکساں ہیں شتر ہوں یا کہ گوتا
مجھے کرتے ہو وہ مدعو کہتا ہیں میں بھی جھوم آتا

ہم میں کیوں ضعف ہو جب دین سے یورپ نہ پھرا
مسجدیں کیوں جھکیں جب توپ سے گرجا نہ گرا

پیر مغاں سے رات کیا میں نے یہ گلا
مغموم ہوں یہاں بھی مزا کچھ نہیں ملا

اُسنے یہ مسکرا کے کہا از رہِ مزاح ۔ جینے کی کس نے تمکو بڑھاپے میں دی صلاح
میں نے کہا کہ بعض نود سالہ پیر مرد ۔ اب تک اُڑا رہے ہیں در میکدہ کی گرد
کہنے لگا کہ اُن پہ عبث ہے تری نظر ۔ غفلت کا ہے وہ نشہ کہ جوانی سے تیز تر

زمانہ کہہ رہا ہے سب سے پھر جا ۔ نہ مندر جا نہ مسجد جا نہ گرجا

ایسا شوق نہ کرنا اکبر ۔ گورے کو نہ بنانا سالا
بھائی رنگ یہی ہے اچھا ۔ ہم بھی کالے یار بھی کالا

کرتے تھے بتوں سے خوب جوڑا مانجھا ۔ رہتے تھے مشیر برہمن اور اوجھا
برکت ہے اُسی کی اس صدی میں حضرت ۔ بیٹھے ہوئے کر رہے ہیں چاچھا جاچھا

رحیمن پکاری کہ سیدھا توا ۔ عجب جانور ہے یہ کاکاتوا
بتاؤ ذرا عقل ہے میری گم ۔ کدھر چونچ ہے اور کدھر اسکی دُم

کر زن وکچر کی حالت پر جو کل ۔ وہ صنم تشریح کا طالب ہوا
کہدیا میں نے کہ ہے یہ صاف بات ۔ دیکھ لو تم زن پہ نر غالب ہوا

بات سید کی کچھ ایسی تھی کہ جب نے اُسکو ۔ کاٹنا چاہا زمانے میں وہ بس آپ کٹا
کہتے پھرتے ہیں یہ اب لکا گرسئی ہر سو ۔ مر گیا کول کا بوڑھا یہ چلو پاپ کٹا

پانی پینا پڑا ہے پائپ کا ۔ حرف پڑھنا پڑا ہے ٹائپ کا
پیٹ چلتا ہے آنکھ آئی ہے ۔ شاہ ایڈورڈ کی دہائی ہے

نیچر نے دیدیا ہے پتہ رجولیت کا ۔ کیونکر نہ ہوں بتوں سے طالب قبولیت کا

پرچہ رکھا جو اس نے میں یہ سمجھا ۔ پاکٹ میں یہ بیس روپیہ کا نوٹ گیا
گھر پر کھولا تو بس یہی لکھا تھا ۔ کیا شعر تھے واہ واہ میں لوٹ گیا

اسمال[1] نہیں مگر گریٹ[3] ہونا اچھا ۔ دل ہونا بُرا ہے پیٹ[2] ہونا اچھا
پنڈت ہو کہ مولوی ہو دونوں بیکار ۔ انساں کو گریجوایٹ[4] ہونا اچھا

[1] بلا ارادہ اصلی لفظ سے تجاوز کیا گیا [2] چھوٹا [3] بڑا [4] سند یافتہ کالج

بن پڑے تو قبلہ ہی بننا مناسب ہے تجھے
دقتوں میں وہ پھنسا جو اسکوائر ہو گیا

دیدنی ہے یہ تماشائے مشین انقلاب
باپ تو قبلہ تھے بیٹا اسکوائر ہو گیا

شیخ صاحب یہ تو اپنے اپنے موقع کی ہے بات
آپ قبلہ بن گئے میں اسکوائر ہو گیا

تخلیئے میں آج میں نے انکا بوسہ لے لیا
دیکھئے ڈگری جو ہو دعوی تو دائر ہو گیا

اب تو مجھ کو بھی مناسب ہے کہ پٹواری بنوں
یار کو شوق حساب مال و سائر ہو گیا

فکر دنیا نے بھلایا سب وہ قرآن و حدیث
مولوی بھی محو قانون و نظائر ہو گیا

دکھائی فلسفۂ مغربی نے وہ مردی
کہ پردہ کھل گیا اس قوم میں زنانوں کا

پری کی زلف میں الجھا نہ ریش واعظ میں
دل غریب ہوا لقمہ امتحانوں کا

وہ حافظہ جو مناسب تھا ایشیا کے لئے
خزانہ بن گیا یورپ کی داستانوں کا

یہی سبب ہے اب انکی بات پہ کان دھرتے نہیں ہیں شیخ
کھنچا نہ دست مولوی سے نہ تھا یہاں کوئی کان ایسا

مچائی سینے میں اسنے شورش اڑلے اسنے زبان کے ٹکڑے
میں جلد رخصت ہوا وہاں سے کہ حقہ ایسا تھا پان ایسا

وہ ہنس کے بولا جگہ کہاں ہے دکھاؤں کاریگری جو اپنی
کہا تھا سنکر ہے میں نے اکدن بنا تو دے آسمان ایسا

عہد اسلام و عہد انگلش میں
سنئے قول اکبر سخنگو کا

پہلے توحید تھی تو اب تحصیل
آگے غل ایک تھا اب دد کا

پکالیں پیسکر دو روٹیاں تھوڑے سے جو لاتا
ہماری کیا ہے اے بھائی نہ مسٹر ہیں نہ مولانا

ممکن نہیں ان کے حکم سے سر پھیروں
دل میں مرے اب تو انکا ڈر بیٹھ گیا

ان کو یہ خوشی کہ اب رہے گا یہ غلام
مجھ کو یہ خوشی کہ قافیہ بیٹھ گیا

سنتا نہیں کچھ کسی سے بڑھ بڑھ کے سوا
کہتا نہیں کوئی کچھ بھی بڑھ بڑھ کے سوا

پڑھنے کا نہ ٹھیک اصول بڑھنے کی نہ راہ
اور قبلہ کوئی نہیں علیگڈھ کے سوا

ہر ایک کو خوش کروں میں کیونکر صاحب
اپنے ہی طرف بلاتے ہیں ہر صاحب

آسائش عمر کے لیئے کافی ہے
بی بی راضی ہوں اور کلکٹر صاحب

تم نے جو سنا صحیح ہے ہاں صاحب — عربی سے گریز کرتے ہیں خاں صاحب
سچ کہتے ہیں وہ کہ ہم کو اس سے کیا کام — ہیں کیمپ میں ہم تو خانساماں صاحب

اندھیر مچا ہے زیر فلک خلقت بھی ہے چپ اور راج بھی چپ — ہم دیکھ رہے ہیں آنکھوں سے پبلک بھی تھی چپ اور آج بھی چپ
صاحبزادے نشہ میں ہیں اور بیف کدو رجی کی ہے تف — ہیں مولوی صاحب قبلہ بھی چپ اور پنڈت جی مہراج بھی چپ

سکہ زر با ہے در دستی زر زنار داشت — باوجودش نالہائے زار در اخبار داشت
گفتمش در عین وصل ایں نالہ و فریاد چیست — گفت مارا خوف فیس و ٹیکس ازیں کار داشت

اسلام کو جو کہتے ہیں پھیلا بزور تیغ — یہ بھی کہیں گے پھیلی خدائی بزور موت
می دمد آں بت کنار گنگ ناقوس طرب — ندوۂ شیخم مگر در گومتی افتادہ است

در پس ہر گریہ آخر خندہ ایست — بعد ہر اسپیچ آخر چندہ ایست
یاد دار ایں قول مولانائے روم — مرد آخر بیں مبارک بندہ ایست

پشہ بیدار است و پنکھا کش بخواب افتادہ است — اکبر بیچارہ امشب در عذاب افتادہ است

زر قوم سے لیکے ایسا سامان کرو — جس سے کہ تمہاری بزم بنجائے بہشت
حلوے مانڈے سے کام رکھو بھائی — مردہ دوزخ میں جائے یا پائے بہشت

پردہ میں ضرور ہے طوالت بے حد — انصاف پسند کو نہیں چاہیئے ہٹ
تشبیہ بری نہیں اگر میں یہ کہوں — بیگم ہے پیچواں لیڈی سگرٹ

ہر رنگ کی باتوں کا مرے دل میں ہے جمگھٹ — اجمیر میں کلیجا ہوں علیگڈھ میں ہوں بسکٹ
پابند کسی مشرب و ملت کا نہیں ہوں — گھوڑا مری آزادی کا اب جاتا ہے بگٹٹ

شیطاں نے دیا یہ شیخ جی کو نوٹس — بالکل ہی گیا ہے زور اب آپ کا لوٹ
آئندہ پڑھیں گے آپ لاحول اگر — فوراً دا غوں کا اک ڈفیمیشن[1] سوٹ

شیطاں کا سنا جو شیخ صاحب نے یہ قول — بولے کہ فضول تجھ کو یہ آتا ہے ہول
میں خود بھی بدل گیا زمانے کے ساتھ — پڑھتی ہے مجھی پہ اب تو دنیا لاحول

[1] نالش ازالۂ حیثیت عرفی

حضرت اکبر نے سنکر یہ لطیفہ بزم میں
شیخ جی رفو چکر بنے پھرتے تھے پہلے چرخ پر
کود سے پھرتے ہیں یہ باغ میں آہو کی طرح
ان نئی روشنی والوں سے نہیں ہے کچھ تشویش
آ گئی زلف سیاں زلف بتاں پر غالب
اکبر اس عہد میں تو صبر و تحمل سے جو کام

سب سمجھتے تھے کہ [illegible] جب بیٹا نٹ کھٹ
چشمہ [illegible] پر [illegible] جب کہ [illegible]
باغباں دیکھتے رہتے ہیں [illegible] کی طرح
شب تاریک میں [illegible] کی طرح
[illegible] رہتے ہیں [illegible] کی طرح
اس سے بہتر ہے کہ خدمت کرو بابو کی طرح

سید کی طرف تو چندہ لانے کی ہے دھج
بہتر ہے یہی کہ بت پرستی کیجئے

اور شیخ کے گھر میں [illegible] کی سب دھج
گو اس میں [illegible] کی سب دھج

سحر مسلم شکایت با خدا کرد
من از بیگانگاں ہرگز نہ نالم

کہ تفتیش بہادر دیدی چہا کرد
کہ با من انچہ کرد آں آشنا کرد

اکبر اگرچہ موسم باراں خوش است و خوب
مجبور دو کہ گوش بفریاد دیندہ نیز

لیکن چو گوش و چشم و دریں فصل وا کنید
بھنگا رسد کہ گوشہ چشمے بما کنید

بگو بہ سیٹھ کہ او را بجھرم نہ خواہد ماند
من ارچہ در نظر یار شرمسار شدم

بگو بہ برہمن او را دھرم نہ خواہد ماند
رقیب نیز چنیں محترم نہ خواہد ماند

تہمد پہ ہے شبہہ و حقارت کی نظر
بہتر ہے یہی برہنہ پھرئے اکبر

پتلوں پہ غصہ و شرارت کی نظر
شاید پڑ جائے آنکی رغبت کی نظر

جو دونوں ساتھ پڑیں تو یہی مناسب ہے
خدا کرے کوئی بت آکے یہ کہے مجھ سے
جو حسن چکے مری غزلیں تو بولے لا چندہ

کہ اپنے گھر میں کرسمس بھی کر تو عید بھی کر
بٹھا بھی لے مجھے گھر میں تجھے مرید بھی کر
جو پہننا یا ہے اتنا تو آج لید بھی کر

اس بت کے لئے ہے دہر میں فصل بہار
کہتا ہے اٹھاؤ اسکو یہ ہے مرا عرش

اک تخت رواں پہ پھرتا ہے لیل و نہار
کہد و اکبر کہ ہیں فرشتہ نہ کہار

انھیں شوقِ عبادت بھی ہے اور گانے کی عادت بھی
نکلتی ہیں دعائیں انکے منہ سے ٹھمریاں ہو کر

تعلق عاشق و معشوق کا تو لطف رکھتا تھا
مزے اب وہ کہاں باقی رہے بی بی میاں ہو کر

نہ تھی مطلق توقع بِل بنا کر پیش کر دو گے
مری جاں لٹ گیا میں تو تمہارا میہماں ہو کر

حقیقت میں میں بلبل ہوں مگر چارے کی خواہش میں
بنا ہوں ممبرِ کونسل یہاں مٹھو میاں ہو کر

نکالا کرتی ہیں گھر سے یہ کہکر تو تو مجنوں ہے
ستا رکھا ہے مجھکو ساس نے لیلیٰ کی ماں ہو کر

رقیبِ سفلہ خو ٹھہرے نہ میری آہ کے آگے
بھگایا مچھروں کو انکے کمرے سے دھواں ہو کر

پاے در پہلوی دل در پیشو از
چند روزے باہمیں حالت بساز

سنتا ہوں محال ہے خدائی سے گریز
لیکن کہتا تھا مجھ سے کل اک انگریز

تم مانگ لو اپنے شاعروں سے گھوڑا
فطرت کے حدود سے زیادہ ہے وہ تیز

آگے انجن کے دیں ہے کیا چیز
بھینس کے آگے بین ہے کیا چیز

ہند میں شیخ رہ گیا افسوس
اونٹ گنگا میں بہہ گیا افسوس

دیکھکر ہم کو ایسے دلدل میں
راہ چلتا بھی کہہ گیا افسوس

عاشق کا خیال ہے بہت نیک معاش
ہونے نہیں دیتا حسن کے راز کو فاش

کیوں وصل[1] میں جستجو کمر کی وہ کرے
حاضر میں نہ حجت اور نہ غائب کی تلاش

بی شیخانی بھی ہیں بہت ذی ہوش
کہتی ہیں شیخ سے بجوش و خروش

خواہ لنگی ہو خواہ ہو تہمد
در عمل کوش و ہرچہ خواہی پوش

دل نے یہ کہا کہ دین کے جو نہ ہوں دوست
ہرگز رکھوں گا میں نہ ایسوں سے غرض

میں نے یہ کہا کہ خیر بہتر ہے مگر
اب شیخ کو بھی ہے چار پیسوں سے غرض

مذہب کے جو ہو رہیں تو سرکار کا خوف
مذہب سے اگر پھریں تو پھٹکار کا خوف

دونوں سے اگر بچیں تو احباب کو ہے
بیرونقیِ دکان و دربار کا خوف

اونچے ہیں رذیل اور ہیں زیر شریف
قسمت کا یہ دیکھتے ہیں اب پھیر شریف

[1] جب معشوق پیش نظر ہو وصل کے یہی معنی ہیں۔

اکبر کو یہ سمجھتے نے دی خوب صلاح
چلیے جناب [illegible] صاحب [illegible] شریف

پنڈت نے کہا سبک نشینی میری
ہے قابلِ داد اگر کریں آپ انصاف

میں نے یہ کہا بجا ہے لیکن یہ نشست
ہے بارِ گراں [illegible] تقصیر معاف

فرمائیں مرا قصور حضرت جو معاف
جو امر ہے واقعی [illegible] کروں صاف

انکار نہیں نماز روزے سے مجھے
لیکن یہ طریق [illegible] خلاف[1]

عالم بنئے تو کیجئے مات کا شوق
مسٹر بنئے تو ہوس ذات کا شوق

چکر ہی میں آپ کو بھی سار رکھوں گا
مجھ کو بھی ہوا ہے اب سی بات کا شوق

شمع سے تشبیہ پا سکتے ہیں یہ عیاش امیر
رات بھر پگھلا کریں دن بھر رہیں بالائے طاق

ہندو تو تنتے ہیں تھام کر گائے کے سینگ
آغا گرمی دکھاتے ہیں بیچ کے ہیلنگ

لیکن حضرت کو ہے یہ کس چیز پہ ناز
کالج میں ڈٹے ہوئے اڑاتے ہیں جو ڈینگ

کیسی ترقی کیسا میل
ہم سے سن لو اس کا کھیل

جسکی لاٹھی اسکی بھینس
فعلن فعلن فعلن[2] فعل

اکابر سے حساب دوستانہ نبھ نہیں سکتا
غلط فہمی بہت ہوتی ہے پڑ ہی جاتی ہے مشکل

یہ کہکر پیش کر دے فرد اخراجات اے اکبر
حساب دوستاں در دل حسابِ [illegible] در بل

کہتی ہے ذرا کبر مجھ سے وہ گرل[3]
کیا تجھ سے ملوں کہیں کا تو ڈیوک[4] نہ ارل[5]

اکبر نے کہا دکھا کے داغِ دل و اشک
ہے میری گرہ میں بھی یہ روبی[6] یہ پرل[7]

خوشی سے میں نے کئے یہ نفیس آم قبول
ادائے شکر میں اب ہو مرا سلام قبول

نہ میں سخن کا ہوں تاجر نہ طالبِ شہرت
اسی سے کرتے ہیں پبلک مرا کلام قبول

زمانہ دیکھئے کہتے ہیں پنڈت از رہِ طعن
میاں ہماری بھی ہو جائے رام رام قبول

وحید صبح بنارس کی موج میں ہیں پڑے
بھلا وہ کرنے لگے کیوں اودھ کی شام قبول

سنی جو ہوں بہت کم سن کی بول اٹھے آغا
کہ معتبر نہ شماریم نا تمام قبول

[1] سبحان اللہ [2] یہ مصرع محض اظہار وزن کے لئے ہے قافیہ نہیں [3] Girl لڑکی [4] Duke [5] Earl
[6] Ruby لعل [7] Pearl موتی

مسواں کی ہوتے ہوئے کیوں تیغ نگو میں دل دوں	ملے حلال تو پھر کیوں کروں حرام قبول
منیر صورت مہر منیر تاباں ہوں	کریں خواص و عوام انکا احترام قبول
نہ ہو جو دہسکی اندر تو گھر کا ٹھرا ہو	نہیں ہے بنگ کا مجھکو تو کوئی جام قبول

سنہ ۱۸۱۷ء

اسقدر رنگ اڑا ہو گئے رنگیں اوراق	چوک میں پادری صاحب نے جو کھولی بیبل
ہنس کے اکبر نے کہا رنج نہیں کچھ اس کا	ہو گئی اب تو حقیقت میں یہ ہولی بیبل
شیخ صاحب کو نہیں شاعروں کی بات سے کام	حسن کی قید نہیں بس ہے مسماۃ سے کام
یاں تو برپا ہی کے افسانوں سے دل بریاں ہے	بابو ہی اچھے کہ انکو ہے فقط بھات سے کام
کہتے ہیں ہم کو جو چندہ دے مہذب ہے وہی	اسکے افعال سے مطلب ہے نہ عادات سے کام
ماسٹر صاحب کا علم اسوقت گو ہے نیک نام	اہل دانش میں مگر میرا فزوں ہے احترام
بات بالکل صاف ہے پیچیدگی کچھ بھی نہیں	میں ہوں سعدی کا بھتیجا وہ ہیں ملٹن کے غلام
مذہب نے کر دیا تھا ہر اک کو غریق نوم	تجھے بتلائے حج و صلواۃ و زکواۃ و صوم
دنیا و دیں کا فیصلہ آخر کو یہ ہوا	عشق بتاں شباب میں پیری میں عشق قوم
مِنَ العلم قلیلاً کو بھی دیکھو بعد او تیتم	نہ مانوگے تو اک دن بھائیو کھاؤگے جو تی تم
تجھکو کیا کسی کی ہوا نے فدائے گل	مجھ کو کیا کسی کی ادا نے فدائے قوم
اے عندلیب مل کے کریں آہ و زاریاں	تو ہائے گل پکار میں چلاؤں ہائے قوم
آپ کی فرقت میں میں کل رات بھر سویا نہیں	لیکن اتنی بات تھی۔ لگاتار ہا رویا نہیں
نوشجاں فرمائیں حضرت شوق سے یہ ناشتا	چھ بجے ہیں میں نے تو منہ بھی ابھی دھویا نہیں
بوسہ کیسا کہ گلوری بھی نہیں پاتا ہوں	بس کلام اپنا انھیں جلکے سنا آتا ہوں
وہ یہ فرماتے ہیں کیا خوب کہا ہے واللہ	میں یہ کہتا ہوں کہ آداب بجا لاتا ہوں
ہم کیا خالی ہوائی گولا چھوڑیں	کس جوگ کے بل پر اپنا چولا چھوڑیں

۱ انجیل مقدس

حضرت نے تو چھاؤنی میں کھی ہے دکاں
ہم کیوں اپنا محلہ ٹولا چھوڑیں

خلاف شرع کبھی شیخ تھوکتا بھی نہیں
مگر اندھیرے اجالے یہ چوکتا بھی نہیں

سوپ[۱۵۱] کا شایق ہوں یخنی ہوگی کیا
چاہیے کٹلٹ[۱۵۲] یہ قیمہ کیا کروں

لیتھبرج کی چاہیے ریڈر مجھے
شیخ سعدی کی کریما کیا کروں

کھینچتے ہیں ہر طرف تانیں حریف
پھر میں اپنے سُر کو دھیما کیا کروں

ڈاکٹر سے دوستی لڑنے سے بیر
پھر میں اپنا جان بیما کیا کروں

چاند میں آیا نظر غارِ مہیب
ہائے اب اے ماہ سیما کیا کروں

زور یہ ہے شہر میں طاعون چارہ کیا کروں
لاٹ صاحب تک ہیں چپ پھر میں بچارا کیا کروں

نیچری وعظ مہذب کو لئے پھرتے ہیں
شیخ صاحب ہیں کہ مذہب کو لئے پھرتے ہیں

ہمکو ان تلخ مباحث سے سروکار نہیں
ہم تو اک شوخ شکر لب کو لئے پھرتے ہیں

بے سود اشعار ادرکبت ہوتے ہیں
مفلس سے کہاں وہ ملتفت ہوتے ہیں

کرپیچ تو عشق کے اکھاڑے میں ہزار
یہ ٹیٹ تو بزور زر ہی چت ہوتے ہیں

سچ کہا اکبر نے ہاتھا پائی کا ہے کیا علاج
زورِ منطق سے تو ممکن ہے انھیں ساکت کریں

بدگماں ہرگز نہ ہوں وہ ہم جو انکو چت کریں
ہے فقط یہ مدعا اُن کی کمر ثابت کریں

شیخ جی فربہ تھے انکی طبع میں جدت کہاں
مغربی جوہر مگر بلغم کو چاہیں پت کریں

چیکوں دنیا سے کسطرح میں
عورت نے کہا کہ گوند میں ہوں

قومی چندے کدھر سمائیں
کالج نے کہا کہ توند میں ہوں

ماشاء اللہ وہ ڈنر کھاتے ہیں
بنگالی بھائی انکا سر کھاتے ہیں

بس ہم ہیں خدا کے نیک بندے اکبر
انکی گاتے ہیں اپنے گھر کھاتے ہیں

یورپ والے جو چاہیں دلیں بھردیں
جنکے سر پر جو چاہیں تہمت دھر دیں

بچتے رہو انکی تیزیوں سے اکبر
تم کیا ہو خدا کے بھی ٹکڑے کر دیں

۱۵۱ انگریزی شوربا۔ ۱۵۲ انگریزی کباب۔

کوٹھی میں جمع ہے نہ ڈپازٹ ہے بنکس[1] میں
قلاش کر دیا مجھے دو چار تھینکس[2] میں

لذت چاہو تو وصل معشوق کہاں
شوکت چاہو تو زر کا صندوق کہاں
کہتا ہے یہ دل کہ خودکشی کی ٹھہری
خیر اسکو بھی مان لیں تو بندوق کہاں

شبدوں میں کورس میں فارمولا[3] ورک کرتے ہیں
عدیم الفرصتی سے انکی الفت ترک کرتے ہیں

آپ کی صورت بہت اچھی ہے اسمیں شک نہیں
پھر مجھے کیا۔ ذہن میں اسکا جواب ابتک نہیں
مجھسے آخر آپ کو کیوں اسقدر وحشت یہ خوف
آپ بنگالی نہیں ہیں اور میں آزنبک نہیں

گو کہ وہ کھاتے پڈنگ اور کیک ہیں
پھر بھی سیدھے ہیں نہایت نیک ہیں
جب میں کہتا ہوں کہ گیو می کس ڈیر[4]
سر جھکا کر کہتے یو می ٹیک[5] ہیں

تن رہے ہیں آپ فکرِ جاہ کے پتلون میں
میں گھلا جاتا ہوں فکرِ رزق کی افیوں میں

حال دنیا سے بے خبر ہیں آپ
گو تقدس مآب بیشک ہیں
شیخ جی پر یہ قول صادق ہے
چاہ زمزم کے آپ مینڈک ہیں
شیخ جی کو جو آگیا غصہ
لگے کہنے یہ پھینک کر حقہ
تم ہو شیطان کے مطیع و مرید
تم کو ہر ایک جانتا ہے پلید
ہے تمہاری نمود بس اتنی
جس طرح ہو پڑی پہ بڑ پہ لید

کل مستِ عیش و ناز تھے ہوٹل کے ہال میں
اب ہائے ہائے کر رہے ہیں اسپتال میں
دنیا سے قرار دو اور آخرت یہ ہے
سن لو کہ ساز معنی اکبر کی گت یہ ہے

سنا کی مصرع پہ شیخ صاحب بہت زیادہ ہنسا چکے ہیں
ہماری گردن وہ کیوں نہ ماریں جو ناک اپنی کٹا چکے ہیں

رقیبوں نے رپٹ لکھوائی ہے جا جا کی تھانے میں
کہ اکبر نام لیتا ہے خدا کا اس زمانے میں

مے کی طرف سے معذرت

قسمت وہ کہاں کہ اب وہ تقسیم نہیں
کیونکر وہ اثر ہو جب وہ تعلیم نہیں
لغزش پہ مری برا نہ مانو اے شیخ
دہسکی کی ہے لہر موج تسنیم نہیں

[1] Banks [2] Thanks [3] انگریزی جو کالج میں جسکی تعلیم ہوتی ہے [4] Give me kiss dear یعنی پیاری مجھکو بوسہ دو [5] You may take یعنی آپ لے سکتے ہیں۔

مچھروں نے بہت ستایا رات
بولے اُس کا ہمارا منبع ایک
میں نے کوسا کہ ہو تمہیں طاعون
کیوں وہ کہنے لگا ہمارا خون

گئے کول حافظ محمد حسین
کہ کر دیجیے اُن کی دعوت ضرور
وہ ہیں مولوی آپ بھی مولوی
وہ بولے مرا اُنکا کیا جوڑ ہے
تو مہدی سے بولی یہ حاجی مدن
وہ ہیں صاحب دانش و علم و فن
ذرا دیکھ لیں رونق انجمن
میں گلڈنگ ہوں وہ ہیں اسٹیلین

وہ لطف اب ہندو و مسلماں میں کہاں
اغیار ان پہ گذرتے ہیں خندہ زناں
جھگڑا کبھی گائے کا زباں کی کبھی بحث
ہے سخت مضر یہ نسخہ گاؤ زباں

چند دن ہی کے سوجھتے ہیں اُنکو مضموں
دل شاد ہو اُس سے قوم یا ہو محزوں
لڑکے آنکھیں دیکھکر مچاتے ہیں دھوم
یہ ہیں نئی روشنی کے چندا ماموں

اعزاز نسب کے مٹتے جاتے ہیں نشاں
اگلے سے خیال ہند میں اب وہ کہاں
سیّد بنتا ہو تو بنو سر سیّد
ہونا ہو خان تو تم ہو انگریزی خواں

متفرق شعر ہیں قطعہ نہیں ہے

پردہ اُٹھا ہے ترقی کے یہ سامان تو ہیں
حوریں کالج میں پہونچ جائینگی غلمان تو ہیں
کٹ گئی ناک حرم میں تو نہیں کچھ پروا
تھینگ یو ڈیر میں سننے کے لئے کان تو ہیں
خاصدان آکے اُٹھا کر مری باتوں پہ کہا
آپ کیوں جاں مری کھا رہے ہیں پان تو ہیں
اُن سے ملنے میں ہے ایماں کا نقصان اکبر
خیر جو کچھ ہو نکلتے مرے ارمان تو ہیں

وہ ایسی ریش والے کو بھلا کب پان دیتے ہیں
جناب شیخ ناحق اس ہوس میں جان دیتے ہیں

کیوں کرتا ہے اعتراض بے شرم
اُسکا جو میں ہمزباں نہیں ہوں
گو ہوں نئی روشنی کا شیدا
گو میں شرعی جواں نہیں ہوں
کرتا نہیں لیکن اُس کی عظمت
اُسکا افسانہ خواں نہیں ہوں

Stallion سے Gelding

کرتا نہیں قوم پر آسے پیش　　عیاش ہوں قلتبان نہیں ہوں

فخریہ میں نے جو اشعار پڑھے سعدی کے　　فخریہ آپ سنانے لگے نظمِ ملٹن
شیخ سعدی تو بزرگوں میں سے تھے اے دوست　　آپ کے کون تھے ملٹن یہ سنوں حضرتِ من

بولے جاڑوں میں لالہ گنگا دین　　دھوپ سے مجھکو ہوتی ہے تسکیں
ڈاڑھی سورج کی تھام لیتا ہوں　　مدعا یہ کہ گھام لیتا ہوں

مذہب نے پکارا اے اکبر اللہ نہیں تو کچھ بھی نہیں　　یاروں نے کہا یہ قول غلط تنخواہ نہیں تو کچھ بھی نہیں
ہر بات پہ تم قسمیں کھاتا جب یاد کریں راجہ صاحب　　دربار اودھ میں اے اکبر اللہ نہیں تو کچھ بھی نہیں
ملنے کا کسی سے ہی یہ مزا اک جوشِ طبیعت ہو پیدا　　اس بزم میں میرے پہونچنے پر آگاہ نہیں تو کچھ بھی نہیں

تھا تصورِ مالکِ آزادی رندانہ ہوں　　لیکن اب بالکل اسیرِ انتظامِ خانہ ہوں
پہلے تھا اس حبت کی گرداب ساتھ ہے بچوں کی فوج　　عشق میں دیوانہ تھا اب فکر میں دیوانہ ہوں

ہم ایسی کل کتابیں قابلِ ضبطی سمجھتے ہیں　　کہ جنکو پڑھ کے لڑکے باپ کو خبطی سمجھتے ہیں

مذہب نے کہا کہ جاں سے عاری ہیں　　آپس ہی کے لوگ باعثِ خواری ہیں
گویا قزاق تھے ہوئے ہیں اب اسیر　　اپنوں ہی میں کچھ گواہ سرکاری ہیں

حیران ہیں اس زمانے میں ہم جی کے کیا کریں　　جائز سہی شراب مگر پی کے کیا کریں
تعلیم اونچے درجے کی ہوتی نہیں نصیب　　پھر گھر میں بیٹھ کر بجز اے بی کے کیا کریں

شیخ کی وہ دھج نہیں وہ شیخ کی ڈاڑھی نہیں　　دوستی مذہب سے ہے پر اسقدر گاڑھی نہیں

اکبر مجھے شک نہیں تری تیزی میں　　اور تیرے بیاں کی دل آویزی میں
شیطاں عرب سے ہند میں ہے بیخوف　　لاحول کا ترجمہ کرا انگریزی میں

ہیں عمل اچھے مگر دروازۂ جنت ہے بند　　کر چکے ہیں پاس لیکن نوکری ملتی نہیں

گورنمنٹ کی خیر یارو مناؤ　　گلے میں جو آئیں وہ تانیں اڑاؤ
کہاں ایسی آزادیاں تھیں میسر　　انا الحق کہو اور پھانسی نہ پاؤ

شیخ اس درجہ اناڑی ہے جو گھوڑے پہ چڑھے
لات دنیا پر نہ مارو ابھی اے حضرت شیخ

باگ گردن میں رکاب آئے پھنسی ران میں ہو
بیٹھکیں کر لو ذرا زور تو کچھ ران میں ہو

شوقِ لیلائے سول سروس نے مجھ مجنوں کو
جامۂ ہستی کے ٹکڑے اڑ رہے ہیں تیغ میں

اتنا دوڑایا لنگوٹی کر دیا پتلون کو
پھینکئے اب کوٹ کو تہ کیجئے پتلون کو

دقیانوسی طریق سے منہ موڑ دو
بھوکے سے کہو کہ حدِ تہذیب میں رہ

شیرازہ مذہبی لغت کا توڑ دو
آنتوں سے کہو کہ قل ہو اللہ چھوڑ دو

فقط مذہب سے تم میں عزت و وقعت کی ہے یہ بو
وگرنہ اور کیا نسبت کجا ولیم کجا کلو

۴ بے ہنر ہو کر جو بیٹھو طعنۂ حالی سنو
۴ ہمکو تو پیر طریقت نے یہی دی ہے صلاح

باہنر ہو کر جو چمکو قوم سے گالی سنو
قصۂ منصور دیکھو اور قوالی سنو

اونٹ نے گایوں کی ضد پر شیر کو ساجھی کیا
جس پہ رکھا چاہتے ہو ہاتھی اپنی دسترس

پھر تو مینڈک سے بھی بدتر سمجھئے پایا اونٹ کو
منہ میں ہاتھی کے کبھی اپنے بھائی دہ گنا نہ دو

تکلفات سے للہ اپنا سر نہ پھراؤ
مجھے بھی چکھو گے کیا رکھ کے خوانِ نعمت پر

جو دال روٹی ہو موجود وقت پر وہ کھلاؤ
کباب کرتا ہے اب مجھکو انتظار پلاؤ

نیکی کے حق میں کج ادائی نہ کرو
نیٹو بھی رہو گے اور مرو گے بھی ضرور

اللہ کے ساتھ بے وفائی نہ کرو
کہتا ہوں کہ دعویٰ خدائی نہ کرو

صاحب سے اذن لے کے کرونگا میں عشق چشم
لیسنس ہے ضرور ہرن کے شکار کو

جب پڑی قومی مصیبت تو کسی نے کیا کیا
ہاں جو شاعر تھے انھوں نے نالۂ موزوں کے ساتھ

سب ہوئے اندوہگیں خونِ جگر سب نے پیا
داغِ دل کو آسمانِ نظم پہ چمکا دیا

پیتا ہوں شراب آبِ زمزم کے ساتھ
ہے عشق حقیقی و مجازی دونوں

رکھتا ہوں اک دلبستگی بھی ثم ثم کے ساتھ
قوال کی بھی صدا ہے چھم چھم کے ساتھ

قوم سے چے کی سفارش کیا کروں
نیک کو شیطان کر دیتی ہے یہ

ایک جوہر ہے فقط اس میں مفید	خودکشی آسان کر دیتی ہے یہ
غزل میری سنتے نہیں شیخ جی	تقدس کی بھی انتہا ہو گئی
تکلف کے پکوان میں دل ٹوھلا	ہماری تو پوری سزا ہو گئی
اضافہ ہوئی مجھ سے گندم پہ جے	یہ پوتے سے بھی اک خطا ہو گئی
یہ تھی قیمت رزق ٹوٹے جو دانت	غرض کوڑی کوڑی ادا ہو گئی
پیارا ہے ہمکو۔ شیخ ہمارا بُرا سہی	چاقو ولایتی نہیں دیسی چھرا سہی
اکبر کا نغمہ قوم کے حق میں مفید ہے	دل کو تو گرم رکھتا ہے وہ بے سرا سہی
رہا کرتا ہے مرغ فہم شاکی	نئی تہذیب کے انڈے میں خاکی
چھری سے آنکی کٹوا کر فلک نے	خدا جانے ہماری ناک کیا کی
ابھی انجن گیا ہے اسطرف سے	کہے دیتی ہے تاریکی ہوا کی
رہی رات ایشیا غفلت میں سوتی	نظر یورپ کی کام اپنا کیا کی
ہے عجیب انقلاب دنیا میں	کیا کہوں بات بھائی صاحب کی
اب وہ تسبیح پہ بجائے درود	پڑھ رہے ہیں دہائی صاحب کی
ہوئی جب آمد پیری ہوا میں سر کہ پیشانی	ترش روئی کی چلتی جوڑ ہے داڑھی ہو جب کھچڑی
سوال اب یہ عبث ہے جب ہے پتلونوں کی ارزانی	چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی
کچھ سین خوش آتے ہیں نہ بھاتے ہیں ینر جی	میں زیل[51] کا طالب ہوں نہ خواہاں انرجی[52]
سنتا نہیں لکچر میں پڑا رہتا ہوں دن رات	لگتا ہے فقط لیڈیوں میں وقت ڈنر جی
کمپ میں محروم ہوں میں لطف خاطر خواہ سے	آ گیا ہوں تنگ مذہب کی معاذ اللہ سے
وضع مغرب سیکھ کر دیکھا تو یہ کافور تھی	اب میں سمجھا واقعی داڑھی خدا کا نور تھی
علم پر بھی عشق کی تاثیر آخر پڑ گئی	تخلئے کی بات پبلک کے دلوں میں گڑ گئی
وصل کی شب میں نے اس بت سے لڑائی تھی زباں[53]	یہ اثر اسکا ہوا اردو سے ہندی لڑ گئی

۵۱ سرگرمی ۵۲ سعی کی کوشش ۵۳ یعنی عربی فارسی کے الفاظ داخل کر دئے گئے

سائینس سے زیادہ ہے مذہب کی جڑ بڑی بابو یہ کہتے ہیں کہ دھرم جیت جائے گا	توپوں کی بات بھی خدا تک پہنچ پڑی اس وقت گو ملکش نے ڈالی ہے گڑبڑی
کچہریوں میں ہے پرستش گریجوئیٹوں کی نہیں ہے قدر تو بس علم دین و تقوی کی	مٹرک یہ مانگ ہے قلیوں کی اور بنیوں کی خدا ہی ہے تو فقط شیخ جی کے بیٹوں کی
مقصود ہے شغل کوئی مضمون سہی ہنگامۂ موت بھی ہے اک جشن اکبر	پیمانہ سے نہیں تو افیون سہی گر جنگ نہیں تو خیر طاعون سہی
لذت نان جویں تمکو مبارک اے شیخ حضرت خضر بسکٹ مجھکو لادیں اکبر	مجھ گنہگار کو ہے صرف تمنجن کافی رہنمائی کے لئے ہے مجھے انجن کافی
وحشت نئی روشنی سے آخر کو گھٹی کرکٹ جمناسٹک ٹریننگ کالج	فکر روزی میں شیخ کی طبع ڈٹی مولانا سیکھتے ہیں بالفعل تٹی
امور ملکی کی بحث میں تم جو ہندوؤں کے بنوگے ساتھی نہ اپنا مکھن وہ تمکو دینگے نہ اپنی پوری وہ بانٹ دینگی مگر وہ کہتے ہیں ہم سے یہ لوگ ساتھی ہیں اور پڑوسی ہر اک کو اپنی جو چھوڑ کر تم انھیں کی شرکت کرو تو دل میں نہ ہوگی حکام کو بھی دقت جو ہوگی اک جا ہر اک کی خواہش جو مانگو گے ایک چپل مسلم وہ کاٹ کر ایک پھانک دینگے	نہ لاٹ صاحب خطاب دینگے نہ راجہ جی سے ملیگا ہاتھی پڑیگا موقع جو کوئی آکر تو دونوں ہی تمکو چھانٹ دینگے ملے جلے ہیں سب ساتھی ہیں اہیر انہیں تو ہم میں گھوسی تو یہ تو کوئی نہ کہہ سکیگا تمہارے دشمن کہاں بغل میں ضرورت انکو بھی یہ نہ ہوگی کریں اک سے علیحدہ فش چلاؤ گے پھر بھی تم نہ تو سکو وہ ایک لاٹھی سے ہانک دینگے
آ نکلے دست نازنیں سے پائی ٹی[1]	اب کہاں باقی ہے ہم میں پائٹی[2]
آخر کو ہوئی وہ بات جو تھی ہونی	مذہب مٹی ہے یا ہے مٹی ڈھونی
جو سست تھے ہو گئے ہیں وہ شتر حلیم	جو تیز تھے بنگئے ہیں پولو پونی
مذہب اور مولوی یہ گالی ہولی دروازۂ منصفی ہے ہمپر کیوں بند	اسپیچ یہ انجمن میں تالی ہولی ہر بات تو اے جناب عالی ہولی

[1] Tea چائے [2] Piety تقدس

معنیٔ جنگِ اردو و ہندی
یعنی ہے اسمیں لطفِ وصلِ بتاں
میں یہ سمجھا یہ عالمِ رندی
خوب ملکر لڑی زباں سے زباں

اخلاق نکو و خوش تمیزی نہ سہی
میٹھے پانی سے ہے زبانِ شیریں کام
القاب حبیبی و عزیزی نہ سہی
جاں بخش حرارتِ عزیزی نہ سہی

بھائی مجھے کل یہ بات بی منّی کی
جیسا موقع ہو بس ٹھادو وہ نگیں
تفریقِ آزاد و شیعہ و سُنّی کی
ہیرے کی نہ شرط ہو نہ ضد چُنّی کی

ملتا نہیں گوشت خیر بڑی ہی سہی
موقع جو پریڈ پر قواعد کا نہیں
کچھ کھیل ضرور ہے پھسڈی ہی سہی
چندہ تحصیل کر کبڈی ہی سہی

واہ کیا دھج ہے میرے بھولے کی
شکل کولے کی ہیٹ سولے کی

مری فغاں پہ مس تماشناس بول اُٹھی
بجائیں شوق سے ناقوس برہمن اکبر
کہ بابوؤں میں تو عادت ہے غل مچانے کی
یہاں تو شیخ کو دھن ہے بگل بجانے کی

کوئی شورش نہیں ہے ہر طرح سے خیر سلّا ہے
یہ کلکتہ کی شوخی اور یہ ڈھاکہ کی ادا سنجی
یہ دیسی ورزشیں ہیں مغربی جمناسٹک ہے وہ
نہ سرگرمی پولس کی ہے نہ جاری مارشلّا ہے
وہ اک فرشی کبڈی ہے یہ لفظی گیند بلّا ہے
نئے سن کی طنابیں ہیں کرسمس کا پچھلّا ہے

مہمانِ فلک کہاں سکوں پاتا ہے
ہے ہضم کی فکر میں یہ نقل و حرکت
آسودہ جو ہیں انھیں بھی ٹہلاتا ہے
ظاہر ہے صریح بیٹ دوڑاتا ہے

در پر مظلوم اک پڑا روتا ہے
کہتا ہے وہ شوخ۔ تال سم ٹھیک نہیں
بیچارہ بلا میں مبتلا روتا ہے
کیا اسکی سنوں کہ بےسُرا روتا ہے

نہ وہ ضعیف نہ وہ رسمیں نہ چٹیا ہے نہ لٹیا ہے
مگر ہیں محنتی کوئی قلی ہے کوئی بٹیا ہے

اٹھا تو تھا ولولہ یہ لمبیں کہ صرف یادِ خدا کرینگے
کہاں کے قبلہ کہاں کے قبلی جنید کیسے کہاں کے شبلی
معاً مگر یہ خیال آیا ملی نہ روٹی تو کیا کرینگے
عوض تصوف کی سیمنے ہر طب لی نفنگیے سر حن مزا کرینگے

لہ کانگرس   لہ کانفرنس

اصل یہ ہے کبھی پھر ہونگی خلاف مزاج سے اپنے جو ہونگے واقف	اثر کرے گی جو مخالف تو آپ اپنی دوا کرینگے
پوچھا میں نے کہ تیرا مذہب کیا ہے	کہنے لگا اس سے تیرا مطلب کیا ہے
میں نے یہ کہا کہ غول بندی کے لئے	بولا کہ شکست کھا چکے اب کیا ہے
اپنی گرہ سے کچھ نہ مجھے آپ دیجئے	اخبار میں تو نام مرا چھاپ دیجئے
دیکھو جسے وہ پانیر آفس میں ہے ڈٹا	بہر خدا مجھے بھی کہیں چھاپ دیجئے
چشم جہاں سے حالت اصلی چھپی نہیں	اخبار میں جو چاہیے وہ چھاپ دیجئے
دعویٰ بہت بڑا ہے ریاضی میں آپکو	طول شبِ فراق کو تو ناپ دیجئے
سنتے نہیں ہیں شیخ نئی روشنی کی بات	انجن کی انکے کان میں اب بھاپ دیجئے
اُس بت کے در پہ غیر سے اکبر نے کہدیا	زر ہی میں دینے لایا ہوں جان آپ دیجئے
شیخ صاحب دیکھکر اُس مس کو ساکت ہو گئے	ماسٹر صاحب بہت کمزور تھے چت ہو گئے
نہ کچھ انتظارِ گزٹ کیجئے	جو افسر کہے بس وہ جھٹ کیجئے
بہت بھاتی ہے اسکی پھرتی مجھے	دعا ہے کہ لڑکی یہ نٹ لی ہے
کہاں کا حلال اور کیسا حرام	جو صاحب کھلائیں وہ چٹ کیجئے
سکھاتے ہیں تقلیدِ انگلش جو آپ	کہیں مفلسوں کو نہ پیٹ کیجئے
بگڑ جائے گا میم سے سارا کھیل	بس ان لعبتوں پہ نہ ہٹ کیجئے
بہت شوق انگریز بننے کا ہے	تو چہرے پہ اپنے گلٹ کیجئے
اجل آئی اکبر گیا وقت بحث	اب اِف کیجئے اور نہ بٹ کیجئے
نہایت حکمت آگیں آپ کی اسپیچ ہوتی ہے	مزا شربت کا دیتی ہے گو وہ پیچ ہوتی ہے
نبض آپ کی ہے سست بدن آپ کا یخ ہے	شاید چلی بیگم سے کسی بات پہ تخ ہے
پہونچا میں فلک پر جو نظر تم سے ملائی	شاید کہ میں نخل ہوں نظر آپ کی نخ ہے
اپنے شجرِ حسن کی وہ خیر منائیں	عشاق کی کثرت ہے کہ یہ فوج ملخ ہے

۱ If اگر ۲ But لیکن

جنتی کو سدھارے ہوئے مدت ہوئی اکبر
البتہ علیگڑھ کی لگی ایک یہ نیچ ہے

رندی و شراب و بزم شاہد بھی ہے
منطق بھی ہے دلیل ملحد بھی ہے
لیکن قربانِ حکمتِ پیرِ مغاں
دو مولوی بھی ہیں ایک مسجد بھی ہے

دشمن نوکری کی ہے نہ پری ہے نہ حور ہے
اب فکر پاس کی ہے قیامت تو دور ہے
آئین بھی بدلتے ہیں نیت کے ساتھ روز
امید بے اصول سے اب دل نفور ہے

دن تو جنات کی خدمت میں بسر ہوتا ہے
رات پریوں کی خوشامد میں گذر جاتی ہے
سلف رسپکٹ کا وقت آئے کہاں سے اکبر
دیکھو تو غور سے دنیا کو کدھر جاتی ہے

نوکروں پر جو گذرتی ہے مجھے معلوم ہے
بس کرم کیجئے مجھے بیکار رہنے دیجئے
راہ میں لیسنس ہی کافی ہے عزت کے لئے
بس یہی لے لیجئے تلوار رہنے دیجئے
ڈاکٹر صاحب سے ملنا آپ کا اچھا نہیں
بیٹھے گھر میں مجھے بیمار رہنے دیجئے
تیرے مے کا اثر تھا نزع کی آمد نہ تھی
خیر اٹھئے توبہ استغفار رہنے دیجئے

کامیابی کا دیسی پر ہر اک در بستہ ہے
چونچ طوطا رام نے کھولی مگر پر بستہ ہے

مقام آگرہ

شومیکری* شروع جو کی اک عزیز نے
جو سلسلہ ملاتے تھے بھرام گور سے
پوچھا کہ بھائی تم تو تھے تلوار کے دھنی
مورث تمہارے آئے تھے غزنین و غور سے
کہنے لگے ہے اسمیں بھی اک بات نوک کی
روٹی ہم اب کماتے ہیں جوتے کے زور سے

موکل چھپے اُنکے پیچھے سے جب
تو بس قوم مرحوم کے سر ہوئے
پپیہے پکارا کیے (P) پی کہاں
مگر وہ پلیڈر سے لیڈر ہوئے

پردے کے واسطے تو عبث بے قرار ہے
پردہ درون کا راز تو خود آشکار ہے
آغا تقی میں حسن نہ اب وہ سنگار ہے
پردہ اٹھا کے دیکھو تو کوا اگھار ہے

زاہد ایسے بیخبر ہیں ابروئے خمدار سے
جسطرح بابو کو ہے بیگانگت تلوار سے

* [illegible] جوتا بنانا

پریوں کا شوق ہے نہ مجھے فکر حور ہے
کالج سے ہے نجات تو ذکر حضور ہے

بابو صاحب نے کہا اک باغ ہے میرا کلام
اسمیں کیا شک ہے مگر یہ باغ شالامار ہے

سوئے فلک چلے جو غبار رہ میں بیٹھکر
منہ حاسدوں کے غصہ و غیرت سے مڑ چلے
احباب نے کہا کہ مبارک ہو یہ عروج
شکر خدا کہ اب تو یہ بابو بھی اڑ چلے

سینۂ مس کا ابھار اے دل فساد انگیز ہے
لوگ سچ کہتے ہیں بادنجان بادانگیز ہے
عدل انگلش مین سے تو نیند آرہی ہے شیخ کو
بابوؤں کی شورش البتہ جہاد انگیز ہے
علم کی حد تک عقیدے سب یقیں کے ساتھ ہیں
اسکے آگے کی ہوس صرف اعتقاد انگیز ہے

شیخ جی گھر سے نہ نکلے اور مجھ سے کہدیا
آپ بی اے پاس ہیں اور بندہ بی بی پاس ہے
ممکن نہیں ہے مس ترا نوٹس نہ لیا جائے
گال ایسے پریزاد ہوں اور کس نہ لیا جائے

لندن میں بگڑ جاؤگے وسواس یہی ہے
تم پاس رہو میرے بڑا پاس یہی ہے

ہر اک ریمارک آپ کا عقرب کا نیش ہے
مجھکو بھی رنج غیر کا سینہ بھی ریش ہے
مجھسے کہا کہ گوز شتر ہے ترا سخن
اس سے یہ کہدیا کہ تو گوبر گنیش ہے

یاروں کو فکر روز جزا کچھ نہیں رہی
بس کام ہے انھیں رہ عیش و نشاط سے
کہتے ہیں حرج کیا ہے جو باریک ہے وہ پل
بائیسکل پہ گذرینگے ہم پل صراط سے

خلقت اسی سمت صف بہ صف جاتی ہے
با عود و رباب و چنگ و دف جاتی ہے
ہے نور خدا بھی طالب رزق کا دوست
ڈاڑھی بھی تو پیٹ کی طرف جاتی ہے

کچھ شک نہیں کہ حضرت واعظ ہیں خوب شخص
یہ اور بات ہے کہ ذرا بیوقوف ہیں

اردو کے تین ربع کے مالک ہیں خود ہنود
پھر کیا سبب جو اس سے انھیں انحراف ہے
یعنی اردو ہے چیز انھیں کے مذاق کی
اردو کی تین جز وہی صاف صاف ہے

ذوق معنی نہیں تجھے اکبر
سن لے یہ بات گر تجھے شک ہے
شیخ سے چھوٹے آ الجھے انجمن میں
اسمیں بک بک تھی اسمیں جھک جھک ہے

ہر چند کہ مجھکو اعتقاد اب تک ہے
بیٹھے تو بہت ہی سر جھکا کر ہیں حضور
تاہم بلحاظِ دقت دل میں شک ہے
کیا جانئے مراقبہ ہے یا پینک ہے

کی ہے معدے نے کمیٹی پیٹ میں
حضرتِ نزلہ ہیں صدرِ انجمن
بادئ لاٹ ہر رگ کے اندر ٹھیک ہے
دم بدم انکی بھی اک تحریر ہے

تیرے قدم سے رونق شہر پراگ ہے
یعنی ترے ہی دم سے بتوں کا سہاگ ہے
بھڑکی ہے لگی آگ گوالن کے عشق میں
احباب ہنستے ہیں کہ یہ کنڈے کی آگ ہے

سب سمجھتے ہیں کہ یہ عشق بتاں اک روگ ہے
لیکن اسکو کیا کریں ملتا جو موہن بھوگ ہے
شاہدانِ مغربی کرتے نہیں مجھکو قبول
ٹال دیتے ہیں یہ کہکر آپ کالا لوگ ہے

دیکھوں عروس دہر کو کیوں آنکھ کھول کے
بہتر یہی ہے کام نکالوں ٹٹول کے

جو مرد ہیں وہ پاک ہیں دنیا کے میل سے
سچ ہے خبیث ملتے ہیں ایسی چڑیل سے
چہرے کے نیچے قہر ہے داڑھی کا جھول جھال
اس فرد کو بچایئے تفصیل ذیل سے

جب کہا گیسو کا بوسہ دیجئے دل لیجئے
ہنسکے بولے آپ کو سودا ہے مسہل لیجئے

دل میں جو پڑ گئی ہے گرہ کھول ڈالئے
اک دم میں کل متاعِ سخن تول ڈالئے
ترکیب ہے ترقی اردو کی بس یہ خوب
جو آپ بول سکتے ہیں سب بول ڈالئے

واہ اکبر بس مقیم گول ہو کر رہ گئے
خود فروشی کی نہیں انمول ہو کر رہ گئے
عرض و طول ہند میں تھتے نہ دوڑائے خطوط
دل کشی مرکز میں پائی گول ہو کر رہ گئے

ہم سے شب وصال وہ بے میل ہو گئے
افسوس انٹرنس میں ہم فیل ہو گئے
درگاہ کے چراغ کو چھوڑا برائے لمپ
سب کی نظر میں گھی سے مگر تیل ہو گئے
بوڑھوں نے پہلے لڑکوں کو خود ہی بنایا کھیل
انکی نظر میں آپ ہی اب کھیل ہو گئے
اے شیخ جب نکیل نہیں دستِ قوم میں
پھر کیا خوشی جو اونٹ ترے ریل ہو گئے
ہم بھی کلیل کرنے لگے گائے کی طرح
اس ملک میں بھی حضرتِ گو کھیل ہو گئے

لہ قواعد

میں نے جو کہا کُل انتظام آپ کا ہے
بے فائدہ آپ کا یہ کام آپ کا ہے

کہنے لگے مسکرا کے یہ سب ہے تحقیق
لیکن خوش ہو جئے کہ نام آپ کا ہے

مذہب جسکی نظر سے بالکل کم ہے
[illegible] کون وہ داخل دم ہے

شائستہ جو ہو تو اسکو پوری سمجھو
ایسا جو نہ ہو تو اک غریب دم ہے

(آئندہ اردو زبان کا نمونہ)

بابو جی کا وہ نبت ہوا نوکر
غم ہے آس کو پیام دیتا ہے

بابو کہتے ہیں وہ نہ جانے گا
میں سے انڈر میں کام دیتا ہے

واسطہ کم ہو گیا اسلام کے قانون سے
دب گئی آخر مسلمانی مری پتلون سے

اب کہاں تک بتکدے میں حرفِ ایماں کہئے
تا کجا عشقِ بتاں سمت بیاں سے کہئے

ہے یہی بہتر علیگڈھ جا کے سید سے کہوں
مجھ سے چندہ لیجئے مجھ کو مسلماں کیجئے

جب اگلا کورس خارج ہو گیا تعلیم طفلاں سے
تو اب اعراض ہم کیونکر کریں تعلیم نسواں سے

انکو کیا کام ہے مروت سے
اپنے رخ سے یہ منہ نہ موڑینگے

جان شاید فرشتے چھوڑ بھی دیں
ڈاکٹر فیس کو نہ چھوڑینگے

اس اکھاڑے میں اڑنگے دیکھکر قانون کے
شیخ نے تھمدت ہجرت کی طرف پتلون کے

نہیں کچھ گفتگو اسمیں یقیناً شیر ہیں حضرت
بس اتنی بحث باقی ہے یہ جیسا ہی کہ انجن ہے

چمک تیغوں کی ہاتھوں کی صفائی واہ کیا کہنا
مگر یہ دیکھ لو تمھارے سر کا ہے کہ گردن ہے

مدارِ کار جب ہوا اتفاق و عقل و حکمت پر
تو اس سے جو کرے غفلت وہ اپنا آپ دشمن ہے

راہ تو مجھ کو بتا دی خضر نے
اونٹ کا لیکن کرایہ کون دے

اب تو جاگو ایشیائی بھائیو
نیند میں غفلت کی صدیوں سو لئے

ہو مبارک جستجوئے خضر آپ تھکیں
ہم تو اب انجن کے پیچھے ہو لئے

اب تو بیٹھ میں ہنسینگے جا کے خوب
خانقاہوں میں تو برسوں رو لئے

سلہ ایک مخطوط ـ سلہ تحت ـ

ہوتا ہے شیخ یورپین نان پاؤ سے
میں خوش ہوں ایشیا کے خیالی پلاؤ سے
ایمان بیچنے پہ ہیں اب سب تلے ہوئے
لیکن خرید ہو جو علیگڑھ کے بھاؤ سے
دھمکا کے بوسہ لونگا رخ رشک ماہ کا
چندہ وصول ہوتا ہے صاحب دباؤ سے

چٹھی اُس مس کی ہے کہ یہ جادو ہے
دل جوش تفاخر سے بے قابو ہے
ایسی پری اور مجھ کو پیارا لکھے
القاب میں دیکھئے ڈیر کلّو ہے

ہندی مسلم میں ہند کی بو بھی ہے
افطار میں ہے کھجور تو سیو بھی ہے
اللہ اللہ ہے زباں پر بیشک
لیکن اک رنگ بم مہادیو بھی ہے

بُرا ہوا کہ رقیبوں میں بڑھ گئے بابو
ذرا سی بات ہوئی اور یہ سوئے تھانہ چلے

حریص زر کی میت پر یہ بولا طالبِ قوت
جو ملجائے تو اسکو کھاؤں یہ سونیکا کشتہ ہے

ہے لمپ عزیز شمع بیگانہ ہے
چلتا ہے چراغ سے جو فرزانہ ہے
ٹکی ہے مسونکے روے روشن پہ نگاہ
جو ہے نئی روشنی کا پروانہ ہے

عبث اسکا گلا ہے مستغیثہ بولتی کیوں ہے
کوئی پوچھے تو ناحق تمنے ڈالی اولتی کیوں ہے

آپ کی انجمن کی ہے کیا بات
آہ چھپتی ہے واہ چھپتی ہے
حکمتوں سے ہوئی ہے جزو شکم
روح بھی اب تو کورس جپتی ہے
اس غرض سے کہ سینہ پوش نہ ہو
شیخ کی ریش روز نپتی ہے
پائے خامہ ٹھہر نہیں سکتا
کسقدر یہ زمیں تپتی ہے

جو عقل کھری تھی کی وہ کھوٹی اسنے
اچھے اچھوں سے چھینی روٹی اسنے
مستوں پہ شراب فاقہ مستی لائی
پتلوں کو کردیا لنگوٹی اسنے

کہا جو میں نے کہ انکی ادا انوکھی ہے
کہا بتوں نے کہ اردو میاں کی چوکھی ہے

نکتہ یہ سنا ہے ایک بنگالی سے
کرنا ہو بسر جو تم کو خوشحالی سے
خالی ہو جگہ تو اپنے بھائی کو دلاؤ
غصہ آئے تو کام لو گالی سے

انکی تحریکوں سے یوں ہتی ہے دنیا بیچین — جسطرح پیٹ میں بیمار کے بادی دوڑے

ہمیں ہی کے لئے لپکا مری جانب وہ غول — گائے موٹی نظر آئی تو قصائی دوڑے

مار و کژدم رہ گئے کیڑے مکوڑے رہ گئے — صورتیں تو ہیں مگر انسان تھوڑے رہ گئے

خضر عنقا ہو گئے موذی بنے ہیں سد راہ — گر گئے سنگِ نشاں [illegible] پہ روڑے رہ گئے

پردہ در کی رائے سنکر بیبیاں کہنے لگیں — اب ہمارے وارث ایسے ہی نگوڑے رہ گئے

شیخ صاحب چل بسے کالج کے لوگ اُبھرے ہیں اب — اونٹ رخصت ہو گئے پولو کے گھوڑے رہ گئے

جو وقت ختنہ میں چیخا تو نائی نے کہا ہنسکر — مسلمانی میں طاقت خون ہی بہنے سے آتی ہے

عاشقی کا ہو بُرا اسنے بگاڑے سارے کام — ہم تو اے۔بی۔میں رہے اغیار بی۔اے ہو گئے

پردہ کا مخالف جو سنا بول اُٹھیں بیگم — اللہ کی مار اسپہ علیگڈھ کے حوالے

کھائی مژگان و نظر کی جو قسم بولا وہ شوخ — آپ اب قسمیں بھی کھاتے ہیں چھری کانٹے سے

دیکھ لو حال مرا آہ کی حاجت کیا ہے — دوا اور اک میں یہ واللہ کی حاجت کیا ہے

پیچھے انجن کے بس اب ہو لیں مسلمان بھائی — اب انھیں خضر کی اور راہ کی حاجت کیا ہے

داد قرآن کی نہ دو بھائی عمل اسپہ کرو — پیش درگاہِ خداواہ کی حاجت کیا ہے

ناک رگڑی برسوں اسی ارمان میں — سن لیں میری بات اک دن کان[1] میں

قصۂ منصور سنکر بول اُٹھی وہ شوخ مس — کیسا احمق[2] لوگ تھا پاگل کو پھانسی کیوں دیا

کاش اے اکبر وہی حالت مجھے بھی پیش آے — اور یہ کافر پکارے دربناہ من بیا

کہتے ہیں اکبر یہ تیری عقل کا کیا پھیر ہے — طبع تیری اس نئی تہذیب سے کیوں سیر ہے

عرض کرتا ہوں کہ میں بھی ہونگا حاضر عنقریب — ہو چکا ہوں پیر بس نابالغی کی دیر ہے

ملتا نہیں گھی تو خشک روٹی ہی سہی — نعمت جو بڑی نہیں تو چھوٹی ہی سہی

میں قوم کی فربہی کا مشتاق نہیں — بس چاہیئے میری عقل موٹی ہی سہی

نفرت تھی مجھکو بیشک تیھر کے بولنے سے — کہتا تھا اپنے دل میں بیچارہ کیا بُرا ہے

[1] واہ کیا ناک اور کان ہے اب یہی شاعری ہے [2] نقل کفر کفر نباشد

آخر کھلا یہ عقدہ نفرت کا مجھکو اکبر
آواز بے تکی ہے کمبخت بے سُرا ہے

چند ذرّے کیمیا سے رنگ کی ٹڑیا بنے
شیخ صاحب ہوش ہی کھو بیٹھے اور گڑیا بنے

مغربی کل نے مجھکو پیسا ہے
میرا چونا ہے اور کلیسا ہے
آپ ہی گا کے جھوم لیتے ہیں
بار بد ہے نہ اب نکیسا ہے

نکالا شیخ کو مجلس سے اُسنے یہ کہکر
یہ بیوقوف ہے مرنے کا ذکر کرتا ہے

تم ناک چڑھاتے ہو مری بات پہ اے شیخ
کھینچوں گا کسی روز میں اب کان تمہارے

عادت جو پڑی ہو ہمیشہ سے وہ دور بھلا کب ہوتی ہے
رکھی ہے چوٹی پاکٹ میں پتلون کے نیچے دھوتی ہے

نہ تو انگریز بنے ہم نہ مسلماں رہے
عمر سب مفت میں کھویا کئے نادان رہے

طاقت اسلام کی گھٹتی تھی مسلمانوں سے
جب میں جانوں کہ مرے بعد مرا دھیان رہے

انکی سب سنتے ہیں اپنی نہیں کہہ سکتے کچھ
کیا قیامت ہے زباں کٹ گئی اور کان رہے

تھی بہت انکو مسلمانوں کی تہذیب کی فکر
بوئے مسجد کے تلے سے کا بھی سامان رہے

راحتِ جاں ہے تری نظم دلاویز اکبر
تندرستی رہے ایمان رہے جاں رہے

ہم تو کالج کی طرف جاتے ہیں اے مولویو
کسکو سونپیں تمہیں اللہ نگہبان رہے

انگریز میں عظمت جہانبانی ہے
ہم میں اک شانِ علم روحانی ہے
لیکن تم لوگ تو کسی میں بھی نہیں
بازو نہ قوی نہ قلبِ نورانی ہے